سلسلہ ندوۃ المصنفین
(۱۱۸)

خلافتِ راشدہ اور ہندوستان

خلافتِ راشدہ کے دور میں ہندوستان میں اسلامی غزوات و فتوحات • امارات و انتظامات • عرب کے مسلمان ہندوستان میں • ہندوستان کے مسلمان عرب میں؟ صحابہ و تابعین کی آمد اور ان کے حالات • عرب و ہند کے گوناگوں تعلقات • اور اس موضوع سے متعلق نادر و نایاب معلومات و مباحث سیر و مغازی اور تاریخ و طبقات کی قدیم و مستند کتابوں سے یوں جمع کئے گئے ہیں کہ اس ملک میں خلافتِ راشدہ کے مقدس دور کا صحیح اور واضح نقشہ پہلی بار نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

تالیف

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری
رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

سلسلہ ندوۃ المصنفین دہلی

(۱۱۸)

خلافتِ راشدہ اور ہندوستان

یعنی

خلافتِ راشدہ میں ہندوستان میں اسلامی غزوات و فتوحات • امارات و انتظامات • عرب کے مسلمان ہندوستان میں • ہندوستان کے مسلمان عرب میں • صحابہ و تابعین کی آمد اور ان کے حالات • عرب و ہند کے گوناگوں تعلقات اور اس موضوع سے متعلق نادر و نایاب معلومات و مباحث سیر و مغازی اور تاریخ و طبقات کی قدیم و مستند کتابوں سے یوں جمع کیے گئے ہیں کہ اس ملک میں خلافتِ راشدہ کے مقدس دور کا صحیح اور واضح نقشہ پہلی بار نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

از

قاضی اطہر مبارکپوری

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

بار اوّل

ایک ہزار

جنوری ۱۹۷۲ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

قیمت مجلّد

قیمت غیر مجلّد 12/-

مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۶

مراجع و مصادر

کتاب	مصنف	مقام
احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	مقدسی بشاری موجود ۳۷۵ھ	لائڈن
الاخبار الطوال	ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری ۲۸۱ھ	مصر
الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ھ	〃
اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابو الحسن عز الدین علی بن محمد ابن اثیر جزری ۶۳۰ھ	طہران
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو یوسف عمر بن عبد البر اندلسی ۴۶۳ھ	حیدرآباد و مصر
الاصابہ فی تمییز الصحابہ	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ	مصر
الاضداد فی اللغۃ	ابو بکر محمد بن قاسم بن بشار انباری ۳۲۸ھ	مصر و کویت
الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف	امیر ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ ابن ماکولا ۴۷۵ھ	حیدرآباد
الامالی لابی علی القالی	ابو علی اسمٰعیل بن قاسم قالی بغدادی سنہ ھ	مصر
کتاب الاموال	ابو عبید قاسم بن سلّام ۲۲۴ھ	〃
امبراطوریۃ العرب	تالیف سرجان گلوب، ترجمہ و تعریب خیری حماد	بیروت
انساب الاشراف	ابو الحسن احمد بن یحیی بلاذری ۲۷۹ھ	مصر و یروشلم
البدایہ والنہایہ	ابو الفداء، اسمٰعیل بن کثیر قرشی ۷۷۴ھ	مصر
البیان والتبیین	ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ سنہ ھ	〃
التاریخ الکبیر	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری ۲۵۶ھ	حیدرآباد
تاریخ خلیفہ بن خیاط	خلیفہ بن خیاط، شباب بصری ۲۴۰ھ	دمشق و بغداد

تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح عباسی	لائڈن و بیروت
تاریخ جرجان	ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی ۴۲۷ھ	حیدرآباد
تاریخ طبری	امام محمد بن جریر طبری ۳۱۰ھ	مصر
تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر الاعلام۔	امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی ۷۴۸ھ	مصر
تاریخ ابن خلدون	علامہ عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون مغربی ۸۰۸ھ	"
تاریخ غُرَر السِیَر	ابومنصور ثعالبی	طہران
تاریخ الخلفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی ۹۱۱ھ	ہند
تجرید اسماء الصحابہ	امام ذہبیؒ ۷۴۸ھ	حیدرآباد
تحفۃ المجاہدین فی اخبار البرتگالیین	زین الدین معبری ملیباری	"
تذکرۃ الحفاظ	امام ذہبی ۷۴۸ھ	"
تذکرۃ الموضوعات	شیخ محمد طاہر پٹنی گجراتی ۹۸۶ھ	مصر
تفسیر ابن جریر طبری	امام محمد بن جریر طبری ۳۱۰ھ	"
تقدمۃ الجرح والتعدیل	ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی ۳۲۷ھ	حیدرآباد
تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ	مصر
تہذیب التہذیب	" "	حیدرآباد
تہذیب الاسماء واللغات	ابوزکریا محی الدین یحیٰی بن شرف نووی ۶۷۶ھ	مصر
کتاب الثقات	ابوحاتم محمد بن حبان بستی ۳۵۴ھ	حیدرآباد
الجامع الصحیح	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری ۲۵۶ھ	
جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ۲۷۹ھ	

کتاب الجرح والتعدیل	ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم رازی ۳۲۷ھ	حیدرآباد
جمہرۃ نسب قریش واخبارہا	زبیر بن بکار قرشی مکی ۲۵۶ھ	مصر
جمہرۃ انساب العرب	ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم اندلسی ۴۵۶ھ	″
چچ نامہ	علی بن حامد بن ابو بکر کوفی اوچی موجود ۶۱۳ھ	دہلی
کتاب الخراج	قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۱۸۲ھ	مصر
کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم قرشی ۲۰۳ھ	″
الدرۃ الثمینۃ فی تاریخ المدینہ	محمد بن محمود ابن نجار ۶۴۷ھ (آخر شفاء الغرام)	″
رجال السند والہند	قاضی اطہر مبارک پوری	بمبئی
کتاب الزہد والرقائق	امام عبداللہ ابن مبارک ۱۸۱ھ	ہند
سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان	غلام علی آزاد بلگرامی ۱۲۰۰ھ	بمبئی
سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی ۲۷۵ھ	ہند
سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی خراسانی ۳۰۳ھ	″
سنن سعید بن منصور	ابو عثمان سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی مکی ۲۲۷ھ یا ۲۲۹ھ	″
سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبد الملک بن ہشام ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ	مصر
شفاء الغرام باخبار البلد الحرام	تقی الدین محمد بن احمد بن علی فاسی مکی ۸۳۲ھ	″
شذرات الذہب فی اخبار من ذہب	ابن العماد حنبلی	″
طبقات ابن سعد	محمد بن سعد واقدی ۲۳۰ھ	بیروت
عجائب الہند	بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی موجود ۳۴۰ھ	لائڈن
کتاب العلل ومعرفۃ الرجال	امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ۲۴۱ھ	انقرہ
عیون الاخبار	ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ دینوری ۲۷۶ھ	مصر

عرب وہند عہدِ رسالت میں	قاضی اطہر مبارک پوری	دہلی
العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین	" "	ہند
فتح الباری	حافظ ابن حجر	مصر
فتوح البلدان	ابو الحسن احمد بن یحییٰ بلاذری سنہ ۲۷۹ھ	"
الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ	محمد بن علی بن طباطبا	بیروت
کتاب الفہرست	ابو الفرج محمد بن اسحاق بن محمد بن اسحاق الندیم سنہ ۳۸۰ھ	مصر
الکامل فی التاریخ	علامہ عز الدین علی بن محمد ابن اثیر جزری سنہ ۶۳۰ھ	مصر
کتاب الکنیٰ والاسمار	ابو بشر محمد بن احمد بن حماد دولابی سنہ ۳۱۰ھ	حیدر آباد
لسان العرب	ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری	مصر وبیروت
لسان المیزان	حافظ ابن حجر	حیدر آباد
مسالک الممالک	ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد اصطخری کرخی موجود سنہ ۳۴۰ھ	لائڈن
المسالک والممالک	ابن خردادبہ موجود سنہ ۲۵ھ	"
المستدرک للحاکم	امام ابو عبد اللہ حاکم نیسا پوری سنہ ۴۰۵ھ	حیدر آباد
کتاب المعارف	عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ دینوری سنہ ۲۷۶ھ	مصر
معجم البلدان	یاقوت بن عبد اللہ حموی بغدادی سنہ ۶۲۶ھ	"
مروج الذہب ومعادن الفضہ	ابو الحسن علی بن حسین بن علی مسعودی سنہ ۳۰۳ھ	"
کتاب المحبّر	ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی سنہ ۲۴۵ھ	حیدر آباد
کتاب المنمّق	" " " " "	"
مقدمہ ابن صلاح	ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن صلاح سنہ ۶۴۳ھ	بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

خلافت راشدہ اور ہندوستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خوشی کی بات ہے کہ "ندوۃ المصنفین" کے لائق اور مخلص رفیق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کی اہم تاریخی کتاب "العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين" کا اردو ترجمہ جدید ترتیب و تہذیب سے آراستہ ہو کر ایک مستقل تالیف کی صورت میں شائع ہو رہا ہے، موصوف نے بہت سی قیمتی معلومات اور غیر معمولی اضافوں کے بعد کتاب کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، پہلا حصہ یہی "خلافت راشدہ اور ہندوستان" ہے، باقی دو حصے "خلافت بنی امیہ اور ہندوستان" اور "خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان" اس کے بعد شائع ہوں گے، ان تین حصوں اور پہلی تین کتابوں — "عرب و ہند عہد رسالت میں" "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" اور "اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ" کی اشاعت کے بعد بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ عرب و ہند کے قدیم تعلقات کے موضوع پر یہ ذخیرہ ایک لاجواب تاریخی ذخیرہ بن گیا ہے اور اب اس کو ایک گراں قدر اور بیش بہا علمی دستاویز کی حیثیت سے میدانِ تاریخ کی دستوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

زمانے کی رفتار بھی کتنی تیز اور حالات کا تغیر بھی کتنا عجیب ہے کہ اب سے چالیس پچاس سال قبل جب ہمارے ملک کے مایۂ ناز مورخ اور عالم مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے عرب و ہند کے تعلقات پر ایک کتاب تحریر فرمائی تو پورے ملک میں اس کی دھوم مچ گئی تھی اور اردو تاریخ کی دنیا میں اس کو ایک نادر دریافت قرار دیا گیا تھا، نصف صدی کے بعد اب یہ بحر ذخار ٹھاٹیں مار رہا ہے، اس لیے کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل کا مورخ ان معلومات اور تحقیقات میں کیسے کیسے اضافے کرے گا، ایک بات بہرحال صاف ہے کہ فاضل مؤلف کی مسلسل محنت اور تلاش و جستجو سے عرب و ہند کے روابط کے بے شمار گوشے اپنی گوناگوں خصوصیات کے ساتھ سامنے آ گئے ہیں، کتاب کے جستہ جستہ ٹکڑوں کے مطالعے کے بعد مجھے یہ ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ یہ سلسلۂ تصنیف وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرنے گا اور اعلیٰ

علمی حلقوں میں اس کی اہمیت ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گی۔

"ندوۃ المصنفین" کے وسیع اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد ایسا لٹریچر بھی تیار کرنا ہے جس سے ملک میں رہنے والے مختلف طبقوں میں رواداری اور یک جہتی کا حقیقی جذبہ پیدا ہو، اور قومی یک جہتی کو فروغ دینے کا یہ مقصد اس ادارے کے مقاصد میں اس وقت شامل کیا گیا تھا جب کہ اس اصطلاح میں سیاست اور پالیٹکس کی مصنوعی رونق اور گرمی نہیں آئی تھی، یقین ہے قاضی صاحب موصوف کی ان عرق ریزیوں سے اس مقصد کو بھی زبردست تقویت حاصل ہوگی اور ہندوعرب کے صدیوں پرانے خوشگوار سماجی اور تہذیبی تعلقات کے روشن ہونے سے بہت سے مفید پہلوؤں کو بھی بے غبار اور روشن ہونے کا موقع ملے گا، ہندوستان میں مسلم حکومتوں کا تصور بعض حلقوں کی طرف سے پیش کی جانے والی متعصبانہ تعبیروں کی یورش میں غیر ملکی حملہ آوروں کی حکومتوں کے تصور سے یاد کیا جاتا ہے، اس طرح کی محققانہ تصانیف کی اشاعت سے اس گمراہ کن نظریے کی تردید کرنے میں بھی خاطر خواہ مدد ملے گی اور معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں مسلم حکومتیں ان مذہبی، سماجی، تہذیبی اور تجارتی تعلقات کا ایک ناگزیر نتیجہ تھیں جو ہندوستان اور عربوں کے درمیان ہزاروں سال سے چلے آرہے تھے۔

توقع رکھنی چاہیے کہ جنابِ مولف کی اس کتاب کو جس کی تدوین و ترتیب میں کم سے کم اسی ضخیم اور مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی پہلی تالیفات سے بھی زیادہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

۲۸ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ

مطابق ۱۶/ جنوری ۱۹۷۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ونبینا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین،

۱۳۸۸ھ کے آخر میں راقم کی کتاب "العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین" شایع ہوئی، اور اسی وقت خیال ہوا کہ اس کا ترجمہ ہو جانا چاہیے تاکہ ہر طبقے کے لوگوں کو فائدہ پہونچے، نیز ان ہی ایام میں راقم کی کتاب "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" ندوۃ المصنفین سے شایع ہوئی، جس کے پیش لفظ میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے تحریر فرمایا ہے۔

"امید رکھنی چاہیے کہ موصوف کی تازہ ترین عربی تالیف "العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین" کا اردو ترجمہ بھی اسی ادارے سے شایع ہوگا، اس طرح تاریخ کے ان گنجہائے گراں مایہ سے ہر طبقے کے لوگ استفادہ کر سکیں گے، اور اس کا افادہ عام ہو جائے گا، بڑھاپے میں قدرتی طور پر رخش عمر کی تیز گامی کا احساس بڑھ جاتا ہے، اس لیے خاص طور پر میری خواہش ہے کہ یہ علمی کام پہلی فرصت میں مکمل ہو جائے۔"

اس بزرگانہ شفقت اور مربیانہ امید کے بعد ترجمہ کا احساس شدید ہو گیا، پھر درمیان میں خیال ہوا کہ اسی کتاب کو ماخذ قرار دے کر ہندوستان کے خالص اسلامی عہد کی مستقل تاریخ مرتب کر دی جائے، تاکہ اسلامی ہند کی واضح اور مکمل تاریخ کا نقشہ سامنے آجائے، چنانچہ جب "العقد الثمین" کو اصل قرار دے کر مزید معلومات ومباحث کی مدد سے مستقل تصنیف

کا کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ اس ایک کتاب سے حسب ذیل تین مستقل کتابیں مرتب ہوں گی، (۱) خلافت راشدہ اور ہندوستان (۲) خلافت امویہ اور ہندوستان، (۳) خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان۔

اس سے قبل "عرب و ہند عہدِ رسالت میں" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں شایع ہو چکی ہیں۔ اس طرح ان پانچ کتابوں سے عہدِ رسالت سے لے کر غزنوی دور سے پہلے تک ہندوستان کی خالص اسلامی اور عربی تاریخ ہمارے سامنے آجائے گی۔ فی الحال "خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" شایع ہو رہی ہے۔" خلافت امویہ اور ہندوستان" بھی تقریباً مکمل ہو چکی ہے، جو کافی ضخیم ہے، اس کے بعد انشاء اللہ "خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان" کی تالیف و ترتیب ہوگی۔ ان کتابوں میں معروضی مطالعہ یا تقابلی مطالعہ کے عبث نظریہ کو بالکل درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا بلکہ ہندوستان کی خالص اسلامی اور عربی تاریخ کو اصل مقصد قرار دے کر یہ سلسلۂ تالیف و تصنیف جاری کیا گیا ہے۔ البتہ پوری کوشش کی گئی ہے کہ واقعہ نگاری میں فرق نہ آئے، اور چونکہ قدیم عربی تاریخوں ہی میں یہاں کے اسلامی عہد کے واقعات ملتے ہیں اس لیے ان ہی کو ماخذ قرار دیا ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوری

جمعہ ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ۔ ۱۶ جولائی ۱۹۷۱ء

مبارک پور۔ اعظم گڈھ

(۱)

چند ضروری باتیں

مسلمانوں کے محاسن ومفاخر میں ان کے تاریخ ورجال کا فن بہت ممتاز ہے، انہوں نے اپنی ملی وقومی تاریخ نہایت مستند ومعتبر طریقہ پر بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ مدون کی ہے، اوران کی چند صدیوں کی تاریخ پر جو لکھا گیا ہے، دوسری قوموں کی ہزاروں سال کی تاریخ پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا جا سکا ہے،

متقدمین اور متاخرین کی تاریخ نویسی میں فرق

پھر مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے اسلامی، دینی، ملی، سیاسی، تمدنی، علمی، فکری، ادبی، لسانی، اجتماعی اور انفرادی پہلوؤں میں سے ہر ایک پر الگ الگ تصانیف کے انبار لگائے ہیں، اور اپنی ملی وقومی زندگی کے ہر شعبہ کو مستقل عنوان اور موضوع قرار دے کر اس پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں، وہ بھی اس طرح کہ اس کے دائرے میں رہتے ہوئے تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا فرض نہایت مستوعب ومکمل طور پر بوجوہ احسن انجام دیا ہے۔ مثلاً غزوات وفتوحات کے موضوع پر صرف رزم کی داستانیں مرتب کیں اس میں علمی وفکری تاریخ کو نہیں ملایا، اور تہذیب وتمدن کے مباحث پر جو کتابیں تصنیف کیں ان میں صرف تہذیبی وتمدنی حالات درج کیے، اس طرح مسلمانوں نے تاریخ کے ہر موضوع پر مستقل تصانیف کا دائرۃ المعارف تیار کر دیا۔

قدماء کے اس عام طرز تاریخ نویسی کی وجہ سے بعض لوگوں کی طرف سے شکوہ ہونے لگا کہ ہماری تاریخوں میں غزوات وفتوحات اور حکومت وامارت کی تفصیلات تو نہایت شرح و

بسط سے پائی جاتی ہیں مگر تمدنی، فکری، علمی، معاشی، معاشرتی باتیں اور مقامی و وقتی احوال نہیں ملتے ہیں، حالانکہ اس شکوہ کی وجہ ان موضوعات کی مستقل تصانیف سے کوتاہ نظری اور صرف سیر و مغازی کی کتابوں ہی میں سب کچھ تلاش کرنے کی سعی ناکام اور ذوقِ خام ہے۔

نیز اس زمانہ میں کسی ملک یا قوم کی تاریخ نویسی میں اس کے تمام شعبہ ہائے حیات سے بحث کا ذوق عام ہوگیا ہے اور اس کی افادیت بھی ظاہر ہے، مگر ہمارے قدیم مورخوں کا ذوق اس سے جداگانہ تھا، انہوں نے تمام باتوں کو یکجا بیان کرنے کے بجائے ایک ایک موضوع پر کتب خانے جمع کردیئے، اگر ہمت و حوصلہ ہو تو ان کتابوں سے تحقیق و تلاش اور اخذ و اقتباس سے کام لے کر موجودہ ذوق کے مطابق جامع تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے، اور آج جب کہ دنیا کی دوسری قومیں اپنے ماضی کے اندھیرے غاروں اور سیہ خانوں میں بیٹھ کر اپنی تاریخ بناتی ہیں مسلمان اپنے قدماء کی کتابوں سے تابناک ماضی کے مختلف گوشوں سے روشنی حاصل کرکے دنیا کے سامنے اپنی شاندار روایات کا مینارۂ نور نصب کرسکتے ہیں، چنانچہ ہندوستان کی خالص اسلامی تاریخ پر اس طرح کی یہ پہلی تحقیقی کاوش اس حقیقت کی مثال ہے۔

ہندوستان کی خالص اسلامی اور عربی تاریخ کی ضرورت

مشرقی عالم اسلام میں ہندوستان وہ خوش نصیب ملک ہے جو عہدِ رسالت ہی میں بڑی حد تک اسلام سے روشناس و مانوس ہوگیا تھا، اور خلافتِ راشدہ میں اس کا ایک معتد بہ حصہ اس طرح دار الاسلام بن چکا تھا کہ آج بھی اس ملک میں اسلام اور مسلمان اپنے تمام ملی و دینی اور علمی و فکری امتیازات و خصوصیات کے ساتھ زندہ و پائندہ ہیں اور علمائے اسلام نے پہلے ہی دن سے اسے دار الاسلام کا ایک قابلِ قدر حصہ قرار دے کر یہاں کی فتوحات و غزوات اور کوائف و احوال کو اپنی کتابوں میں ثبت کیا، اور فتوحات و مغازی کی کتابوں میں فارس کے سجستان اور خراسان و کرمان وغیرہ کے ساتھ ہندوستان کے بھروچ، بلوچستان قصدار، مکران، سندھ، قندابیل اور قیقان وغیرہ کے غزوات و فتوحات کی تفصیلات

درج کیں۔ اور اس زمانہ کے ذوق و معیار کے مطابق ان میں حرب و ضرب، سبایا و غنائم، اور اور ولایات و امارات کو بیان کیا، ساتھ ہی مسلمانوں کے عام علمی و فکری اور تمدنی موضوعات پر الگ سے کتابیں لکھ کر ان میں پورے عالم اسلام کے علوم و آداب اور تہذیب و تمدن کی معلومات جمع کیں، جن میں ہندوستان کے بارے میں بھی بہت سی باتیں آگئیں، مثلاً اموال و خراج پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں اسلام کے مالیاتی نظام، ارضیاتی نظام اور سرکاری نظام کے مباحث درج کیے گئے جو خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد اموی اور عباسی ادوار میں عام طور سے رائج تھے، ان میں کسی خاص ملک یا علاقہ کی تخصیص نہیں تھی، اسی طرح شرعی قوانین، تعزیرات اور حدود کو مدوّن کر کے بتایا گیا کہ پورے عالم اسلام میں ان ہی پر عمل ہوتا تھا، نیز طبقات و رجال اور تذکرہ کی کتابوں میں علوم و فنون اور ان سے متعلق علماء کے حالات قلمبند کیے گئے۔

اگر کوئی مورخ چاہے تو کسی ایک ملک یا علاقہ کی اسلامی تاریخ کے ہر پہلو کو ان کتابوں سے چھان بین کر کے نمایاں کرے، غزوات و فتوحات کے لیے سیر و مغازی کا مطالعہ کرے، دینی و علمی رجال کے لیے طبقات و تذکرہ کی کتابیں پڑھے۔ نظام حکومت کے لئے خراج و اموال اور قوانین کا کتب خانہ کھنگالے، عام حالات کے لیے ادب و محاضرات اور متعلقہ کتابوں کی ورق گردانی کرے اور ان سے اخذ و اقتباس کر کے جامع اور مستوعب تاریخ مرتب کرے۔

بہت سے علمائے اسلام نے اس صورت سے اپنے اپنے ملکوں اور شہروں کی اسلامی تاریخ مرتب کی، جس میں غزوات و فتوحات، امارات، صحابہ و تابعین کی آمد، مساجد و مشاہد، اسلامی آثار و علائم، تہذیبی و تمدنی زندگی اور علمی و دینی سرگرمی، الغرض وہ سب کچھ جمع کر دیا جو اس زمانہ کے ذوق کے مطابق ایک جامع تاریخ کے لیے ضروری تھا۔ چنانچہ تاریخ جرجان، تاریخ اصفہان، تاریخ بغداد، تاریخ دمشق وغیرہ اسی انداز پر

لکھی گئیں، اور ان میں مختلف موضوعات سے متعلق معلومات درج کر دیئے گئے۔

خلافتِ راشدہ کے اسلامی قلمرو کا تقریباً نصف حصہ مشرقی ممالک پر مشتمل تھا جس کے شمال میں ماوراء النہر کے آگے سمرقند و بخارا اور جنوب میں ہندوستان کے علاقے بلوچستان، مکران اور سندھ وغیرہ واقع تھے، اور ان کے وسط میں بلادِ فارس یعنی خراسان، سجستان اور کرمان وغیرہ تھے، یہ تمام مشرقی ممالک خلافتِ راشدہ ہی میں اسلام کے زیرِ نگیں آچکے تھے۔ اور ان سب میں فتوحات و امارات اور انتظامات کی نوعیت ایک ہی تھی، البتہ بعض خطوں میں خاص حالات کی وجہ سے معمولی تبدیلیاں تھیں، مگر مجموعی طور سے سب ایک ہی قسم کے نظام سے مربوط و متعلق تھے، اور یہاں کے ایک خطہ کے حالات پورے مشرقی ممالک سے اس طرح مربوط تھے، کہ جب تک پورے حالات پر نظر نہ ہو کسی ایک جگہ کا حال معلوم کرنا مشکل تھا، مثلاً اگر کوئی مورخ اس دور کے اسلامی ہند کی تاریخ مرتب کرنی چاہے تو اسے جنوب مشرق کے تمام ممالک کی تاریخ پر نظر رکھنی چاہیے، خاص طور سے جو ممالک اور علاقے موجودہ ایران و افغانستان اور پاکستان پر مشتمل ہیں اور جن کو قدیم ہندوستان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان کی تاریخ سے اخذ و اقتباس ضروری ہو گا، اس لیے اسلامی ہند کی تاریخ میں ان قدیم علاقوں کی اسلامی تاریخ سے مدد لینی ضروری ہے، اور یہاں کی تاریخ جنوبی فارس کی تاریخ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

یہ بات قابلِ افسوس اور ساتھ ہی باعثِ تعجب بھی ہے کہ آج تک اسلامی ہند کی تاریخ میں کسی زبان میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس کو پڑھ کر عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ، خلافتِ امویہ اور خلافتِ عباسیہ کے ہندوستان کا کوئی واضح نقشہ اور مرتب خاکہ ہمارے سامنے آجائے اور جسے دیکھ کر ہمیں معلوم ہو کہ ان ادوار میں اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے واقعی حالات کس قسم کے تھے؟ فتوحات و مغازی کی کتابوں میں جو کچھ ہندوستان سے متعلق بیشتر واقعات ہیں اگر ان کو یکجا کیا جائے تو صرف دس بیس صفحات

میں آجائیں گے، جن سے ہم کوئی اطمینان بخش نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے اور نہ یہاں کی اسلامی تاریخ کا کوئی واضح نقشہ پیش کر سکتے ہیں، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے میں نے ۱۳۸۹ھ میں قدماء کے طرز پر ایک کتاب "العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابة والتابعین" کے نام سے لکھی، یہ کام اگرچہ مختصر طور پر ہوا مگر کسی نہ کسی حد تک ہندوستان کی خالص اسلامی تاریخ کا خلا پُر ہوا۔ مگر جس ملک کی یہ اسلامی تاریخ مرتب کی گئی تھی بڑی حد تک اس کے تمام مسلمان اب بھی اپنے شاندار ماضی سے ناواقف تھے، اسی شدتِ احساس کے ماتحت پیشِ نظر سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی مفصل اسلامی تاریخ میں اگر عام نظامِ حکومت، شہری قوانین اور تمدن وحضارت کی سرگرمیوں کو بیان کیا جائے تو کتاب اپنے دائرے سے نکل کر پورے عالمِ اسلام کی تاریخ بن جائے، اور اگر صرف ان ہی واقعات واحوال پر اکتفا کیا جائے جو تاریخوں میں مصرح طور سے یہاں سے متعلق درج ہیں تو کوئی واضح شکل سامنے نہ آئے، اس لیے ان دونوں کی درمیانی راہ اختیار کر کے جن باتوں کا تذکرہ یا اشارہ تاریخوں میں موجود ہے، ان سے متعلقہ مباحث کو نسبتاً تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور جن امور کے بارے میں کوئی تذکرہ یا اشارہ نہ مل سکا ان کا تذکرہ اجمالی طور سے کر کے بتا دیا گیا ہے کہ پورے عالمِ اسلام کی طرح یہاں بھی ان کا رواج تھا۔

عالمِ اسلام میں اسلامی ہند کی حیثیت

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ خلافتِ عباسیہ تک پورے عالمِ اسلام میں وہی نظامِ حکومت رائج تھا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کتاب وسنت اور شوریٰ کی روشنی میں جاری فرمایا تھا، البتہ بعض مقامات اور بعض حالات میں مقامی وہنگامی مصالح کی وجہ سے امراء کی صوابدید سے اس میں کوئی تبدیلی ہو جاتی تھی وہ بھی اس طرح کہ اصل قوانین واصول کی روح بحال رہے، نیز ان ادوار میں اسلامی ہند میں علوم وفنون کی ترویج معاش ومعیشت کی سرگرمی، تہذیب وتمدن کی ترقی اور ذہنی وفکری نشوونما کی رفتار وغیرہ

کا وہی حال تھا جو فارس، خراسان، سجستان اور عرب وعجم کے تمام اسلامی ممالک میں پایا جاتا تھا، اُس زمانے میں فارس، مکران اور سندھ وغیرہ کے تمام مشرقی ممالک فتوحات اور انتظامات کے اعتبار سے سوادِ عراق یا ارضِ عراق میں شمار کیے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کی فتوحات وغیرہ عربی تاریخوں میں عراق کی فتوحات کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں، اور جو نظام سوادِ عراق سے متعلق ممالک میں رائج تھا وہی یہاں بھی رائج تھا جس کے باعث فارس کے جنوبی مشرقی حصے اور ہندوستان کے شمال مغربی حصے ایک دوسرے سے یوں مربوط و متعلق تھے کہ ایک کی تاریخ دوسرے کی تاریخ کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی، چنانچہ ہمارے لیے بھی ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ البتہ کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان سے متصل علاقہ فارس کے حالات بقدرِ ضرورت آئیں جن سے یہاں کی تاریخ میں مدد مل سکے۔

خلافت راشدہ کے فیوض و برکات جاننا چاہیے کہ خلافتِ راشدہ کا دور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت سے حضرت علیؓ کی شہادت تک سراسر خیر و برکت اور یمن وسعادت کا دور ہے، یہ خلافت وحکومت دنیا سے زیادہ آخرت سے قریب تھی، اس کا مزاج انبیاء کا، ہیئت اولیاء کی، اور فتوحات سلاطین کی تھیں، خلیفۃ المسلمین بازاروں میں اس حال میں پیدل چلتا تھا کہ پاؤں میں پرانے جوتے، بدن پر پیوند لگا ہوا پرانا کپڑا اور ہاتھ میں درہ ہوتا تھا، مگر رعب و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اس کی شکل سے دنیا کانپتی تھی۔ خلفائے راشدین کی یہ ظاہری ہیئت ان کے فقر و محتاجی کی وجہ سے نہیں تھی، ان کے پاس ذاتی دولت تھی وہ بڑے بڑے صدقات وخیرات کیا کرتے تھے بلکہ وہ اپنے کو امت مسلمہ کے طبقہ فقراء و مساکین میں رکھ کر ان کی غمخواری وہمدردی کا عملی ثبوت پیش کرتے تھے، خلافت راشدہ کے خلفاء فقراء و مساکین کے طبقہ سے معلوم ہوتے تھے، خلافت امویہ کے خلفاء قبائل کے شیوخ وسردار کے انداز میں زندگی بسر کرتے تھے، اور خلافت عباسیہ کے خلفاء ملوک وسلاطین کا جاہ و جلال رکھتے تھے، خلافتِ راشدہ

کی عظیم الشان مشرقی فتوحات میں خراسان کے آگے دریائے جیحون کے اس پار سمرقند تک کا علاقہ شامل تھا اور افریقہ کے وسطی علاقے میں بلکہ اس سے بھی آگے مجاہدین اسلام پہنچ گئے تھے، مشرقی فتوحات کے ضمن میں ہندوستان کا ایک حصہ خلافتِ راشدہ کے زیر نگیں آگیا تھا، جو یمن وسعادت اور خیر وبرکت میں اس دور کے عالم اسلام کی ہمسری کرتا تھا، اور اس میں خلافتِ راشدہ کے برکات وفیوض ہر طرف عام تھے۔ ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ عہد فاروقی میں حدود سنہ ۲ھ سے شروع ہوا اور حضرت علی کی شہادت ۴۰ھ پر ختم ہوگیا، اس درمیان میں حضرت عثمان کا دور خلافت (۲۳ھ تا ۳۵ھ) یہاں کے لیے اسلامی فتوحات وامارات کا عہد زریں ہے، اسی دور میں یہ علاقہ حقیقی طور سے دارالاسلام بنا، یہاں متعدد امراء وعمال مقرر کیے گئے، محکمہ قضاء کا قیام ہوا، مسلمانوں کی پہلی آبادی ہوئی اور نہایت پائیدار حکومت وامارت کا قیام عمل میں آیا، اس دور میں یہاں غزوات وفتوحات کی دو صورتیں تھیں، ایک یہ کہ خراسان وسجستان اور کرمان وغیرہ کی جنگی مہمات کے ضمن میں یہاں بھی مہمات روانہ کی جاتی تھیں، اور دوسری یہ کہ عراق سے براہ راست اور مستقل طور سے مکران، سندھ، اور قندابیل وغیرہ پر فوج کشی کے نتیجہ میں فتوحات ہوئی تھیں، اس وجہ سے اس دور میں ہندوستان کی فتوحات کی صحیح تعداد کا علم نہ ہوسکا البتہ اتنا معلوم ہے کہ کم از کم یہاں پر پندرہ فتوحات ہوئیں ہیں۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی آمد

اسی طرح اس دور میں یہاں تشریف لانے والے صحابہ اور تابعین وتبع تابعین کے نام اور ان کی تعداد کا معلوم کرنا مشکل ہے، خلافتِ راشدہ کا دور اجلۂ صحابہ وتابعین اور اسلامی رجال کی برکتوں سے مالا مال تھا، غزوات وفتوحات میں ان کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔ اور وہ اسلامی تعلیم کے لیے مفتوحہ بلاد وامصار میں خلافت کی طرف سے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ فارس وہند اور دوسرے مشرقی ممالک میں بھی ان کی آمد ہوئی، جن میں

سے بعض حضرات کے نام کتابوں میں موجود ہیں، اور ان کے بارے میں ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنے انوار و برکات سے اس ظلمت کدہ کو بقعۂ نور بنایا مگر افسوس کہ ایسے حضرات صحابہ و تابعین کے نام بہت کم مل سکے، تاہنوز صرف سترہ صحابہ اور نو تابعین کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو سکا ہے کہ ان کے مبارک قدم خلافت راشدہ میں یہاں آچکے ہیں جن میں دو صحابہ ابتدائی اموی دور میں آئے ہیں، ظاہر ہے کہ اسلامی فوج میں آنے والے صحابہ و تابعین کے مقابلہ میں یہ تعداد صفر کی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس دور میں عام طور سے اسلامی فوج اور مجاہدین اسلام میں غالب عنصر حضرات صحابہ و تابعین کا ہوتا تھا۔

عہدِ فاروقی سے عباسی دور کی ابتدار تک اس ملک میں صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کی آمد جاری رہی ہے، علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے ہی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں حضرات صحابہ ان علاقوں میں فاتحانہ انداز میں داخل ہو چکے تھے اور شام، مصر، عراق، یمن، اوائل بلاد ترک، ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب اور اوائل بلاد ہند وغیرہ میں ان کا عمل دخل ہو چکا تھا، دولت امویہ کے خاتمہ تک پوری صدی میں جہاد کی گرم بازاری رہی حتیٰ کہ عباسی خلافت میں ابو جعفر منصور، ہارون رشید اور ان کی اولاد کے دور میں بھی بلاد روم، ترک اور ہندوستان میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا[1] نیز انہوں نے لکھا ہے کہ اموی دور میں اسلامی لشکروں میں کبار تابعین کے ساتھ صلحاء و اولیار اور علمار کی بڑی جماعت شریک رہا کرتی تھی جس سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرماتا تھا[2] امام ابن ابی حاتم رازیؒ نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فتوحات و مغازی اور امارات و قضاء کے سلسلے میں دنیا کے اطراف و امصار اور

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۸۸۔ [2] ایضاً ج ۹ ص ۸۷۔

شور میں پھیلے، اور ان میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کی، اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کیے، سنت کی روشنی میں مسلمانوں کے معاملات و مسائل حل کیے، ان کے بعد حضرات تابعین کا دور آیا جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے حدود و فرائض، اوامر و نواہی اور احکام و سنن کی تعلیم و تبلیغ کی توفیق سے نوازا تھا اور انھوں نے حضرات صحابہ سے کتاب و سنت کے علوم حاصل کر کے دنیا میں عام کیے[1]۔ صحابہ اور تابعین کے بعد حضرات تبع تابعین ان ممالک میں آئے اور اسلامی علوم اور اسلامی تعلیمات کی ترویج فرمائی، ان تینوں مقدس گروہوں میں سے ہر ایک نے ہندوستان میں بھی اسلامی و دینی خدمات انجام دیں،

خلافت راشدہ میں ہندوستان میں صغار صحابہ اور کبار تابعین تشریف لائے

اصاغر واحداث صحابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیدا ہوئے، اور ان کے والدین ان کو خدمت نبویؐ میں لائے، اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی، یا کسی اور طریقہ سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف پایا۔

بلاد سندھ و ہند قدیم جغرافیہ نویسوں کے قول کے مطابق سندھ اور ہند دو الگ الگ ملک تھے۔ اور بسا اوقات دونوں پر ہند کا اطلاق کرتے تھے۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ بوقیر بن یقطن بن حام بن نوح کی اولاد میں سندھ اور ہند دو بھائی تھے، جن کے نام سے یہ دونوں ملک مشہور ہوئے، بعض جغرافیہ نویس مکران کو سندھ میں شامل کر کے ہندوستان کے پانچ علاقے مانتے ہیں، سندھ اور ہند کے درمیان قامہل کا علاقہ حد فاصل ہے، چیمور (بمبئی) سے قامہل تک ہندوستان کا علاقہ ہے، اور قامہل کے آگے مکران، بدھ (طوران) ملتان تک سندھ کا علاقہ ہے۔

قدیم زمانہ میں مشترک ہندوستان کی شمالی حدود میں بلاد سجستان، بُست، رُخج،

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸ و ص ۹،

واقد، بامیان اور کابل وغیرہ واقع تھے، یہاں کے راجہ کو رتبیل کہتے تھے، اور یہ سارا علاقہ ہندوستان میں شمار ہوتا تھا، اسی طرح جنوب میں (جزیرۃ الیاقوت) سرندیپ اور (ذیبۃ المہل) جزائر ملدیپ وغیرہ ہندوستان میں واقع تھے، بحر ہند اپنی وسعت، جزائر کی کثرت اور شہروں کی زیادتی کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا سمندر مانا جاتا تھا بحر فارس کے علاقہ تیز (مکران) سے بحر ہند کی ابتدا ہوتی ہے، اور اس کا جنوبی سلسلہ بلاد زنج تک چلا گیا ہے، تیز مکران سے اس کا ساحل مشرقی سمت کی طرف مڑ گیا ہے جس پر دیبل (سندھ)، کچھ (سوراشٹر) سومنات، اور کھمبائت (گجرات) واقع ہیں، پھر ایک کھاڑی خشکی میں چلی گئی ہے جس سے بھڑوچ کا بحری راستہ ہے، اس کے بعد بحر ہند میں بہت موڑ ہو گیا ہے اور یہ موڑ بلاد مالابار تک چلا گیا ہے، اس ساحل کے مشہور شہروں میں منجرور (منگلور، میسور) اور فاکنور ہیں، اس کے بعد فوفل کی کھاڑی آتی ہے، پھر معبر کا مقام آتا ہے جو ہندوستان کا آخری شہر ہے[1]

ہندوستان کے یہی بلاد و امصار اور بحر ہند کے سواحل تھے جو خلافت راشدہ میں مجاہدین اسلام کی سرگرمیوں کے جولانگاہ تھے، اور جہاں تک امارت و حکومت کا تعلق ہے اس کی حدود کابل و سجستان کے بعد مکران اور سندھ کے شہر قیقان و قندابیل تک تھیں، اور کم و بیش بیس سال تک یہ علاقہ خلافت راشدہ کے فیوض و برکات کا مرکز رہا ہے، اور ان ہی حدود میں اسلام کا پہلا قافلہ اترا ہے۔

---

[1] معجم البلدان ج ۵ ص۲۵۱ و ج ۷، ص۱۸۱،

(۲)

عہدِ رسالت اور ہندوستان

عرب اور ہندوستان کے درمیان قدیم زمانہ سے مختلف قسم کے تجارتی، معاشی اور مذہبی تعلقات و روابط پائے جاتے تھے، اہلِ عرب ہندوستان کے سواحل پر آتے جاتے تھے، اور ہندوستان کے باشندے عرب سے آمدورفت رکھتے تھے، اور ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں وہاں مستقل طور سے آباد بھی ہوگئی تھیں جن کو اہلِ عرب زط (جاٹ) سیابجہ، مید (بحری ڈاکو) احامرہ، اساورہ اور سند و ہند کے ناموں سے یاد کرتے تھے، یہ لوگ اپنے دور کے ہندی تمدن اور طور و طریقہ کے یوں حامل تھے کہ شکل و صورت، لباس و معیشت اور ہیئت سے ان کی شناخت ہوجاتی تھی، دورِ رسالت میں یہ لوگ سواحل عرب اور مرکزی مقامات میں کثرت سے پائے جاتے تھے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے پہچانتے تھے، اور بعض احادیث و سیر کی کتابوں میں ان کے تذکرے بھی پائے جاتے ہیں۔

سرندیپ اور اطراف و جوانب کے باشندوں کو آنے جانے والوں کے ذریعہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے تحقیق حال کی غرض سے اپنا ایک مذہبی وفد مدینہ منورہ روانہ کیا جو آپ کی حیاتِ طیبہ کے بعد وہاں پہونچ سکا، یہاں کے بعض راجوں نے ازراہ عقیدت اپنے آدمی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ، ادرک) کا ہدیہ بھیجا جسے آپ نے خود تناول فرمایا اور صحابہ کرام میں تقسیم کیا، نیز یہاں کی متعدد چیزیں عرب میں استعمال ہوتی تھیں

جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے استعمال کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہندوستان میں جہاد کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کے حق میں نار جہنم سے برات اور آزادی کی بشارت دی۔

ان تمام باتوں کی تفصیلات ہماری کتاب "عرب و ہند عہد رسالت" کے اندر موجود ہیں ہم نہایت اختصار کے ساتھ دور رسالت میں عرب و ہند کے تعلقات کا خاکہ پیش کرتے ہیں، کیونکہ یہی تعلقات اسلامی ہند کی تاریخ کے قصر معلیٰ کے بنیادی پتھر ہیں اور ان ہی سے ہندوستان میں اسلامی تاریخ کی بسم اللہ ہوتی ہے۔

رسول اللہؐ و صحابہ اور اہل ہند

یوں تو عہد رسالت میں ہندوستان کی مختلف قومیں دیار عرب میں موجود تھیں مگر ان میں سے زط اور سیابجہ بڑی تعداد میں عرب کے مشرقی سواحل اور ان سے متصل آبادیوں میں رہتے تھے، اور پورے عرب کے لوگ ان سے اچھی طرح واقف تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان کو جانتے اور پہچانتے تھے، چنانچہ جامع ترمذی کے ابواب الامثال میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بطحائے مکہ کی طرف لے گئے، اور ایک جگہ خط کھینچ کر مجھے اس کے اندر بٹھا دیا اور فرمایا کہ تم اسی دائرے کے اندر رہنا، کچھ لوگ تمہارے قریب آئیں گے ان سے بات چیت نہ کرنا، یہ کہہ کر آپ کہیں تشریف لے گئے، اور میں اسی دائرے کے اندر بیٹھا رہا، اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود کے الفاظ یہ ہیں:-

إذا أتاني رجالٌ كأنهم الزُّطُّ	کچھ لوگ میرے قریب آئے وہ اپنے جسم اور بال
أشعارهم وأجسامهم لا أرى	میں جاٹوں کے مشابہ تھے، میں ان کی شرمگاہ
عورةً ولا أرى قشراً، وينتهون	اور چمڑا نہ دیکھ سکا، وہ میری سمت آتے تھے مگر

الیٰ ولا یجاوزون الخط، ثم	خط کے اندر نہیں آتے تھے، بلکہ رسول اللہ
یصدرون الیٰ رسول اللہ صلی اللہ	صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس
علیہ وسلم[1]	چلے جاتے تھے۔

اس روایت میں حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے پاس آنے والے جنات کو ہندوستان کے جاٹوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کی جسمانیت اور بالوں کو جاٹوں کی جسمانیت اور بالوں کے مانند بتایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور عرب کے لوگ یہاں کی اس قوم سے اچھی طرح واقف تھے، ظاہر ہے کہ مخاطب و متکلم کے نزدیک مشبّہ سے زیادہ مشبّہ بہ معلوم و متعارف ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں معراج کے بیان میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رنگ اور جسم و جثہ میں جاٹ سے تشبیہ دی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ :۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
رأیتُ عیسٰی وموسٰی وابراھیم	کہ میں نے عیسیٰؑ، موسیٰؑ، اور ابراہیمؑ کو دیکھا
فاما عیسی فاحمر عریض الصدر	ہے، عیسیٰؑ سرخ رنگ اور کشادہ سینہ کے
واما موسٰی فادم جسیم کانہ	تھے اور موسیٰؑ گندمی رنگ کے خوش قامت
من رجال الزط[2]	و بدن تھے، جیسے وہ جاٹوں میں سے ہیں۔

طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نجران سے بنو حارث کا ایک وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جس میں قیس بن حصین ذی الغصّہ، یزید بن عبد المدان

[1] جامع ترمذی، ابواب الامثال،

[2] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل: واذکر فی الکتاب مریم۔

یزید بن محجل، عبداللہ بن قراد، شداد بن عبداللہ قنانی، اور عمر بن عبداللہ ضبابی شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان وفد کو دیکھ کر فرمایا،

مَن ھٰؤلاء القوم الذین کانھم رجال الھند۔	یہ کون لوگ ہیں جو گویا ہندوستان کے آدمی ہیں؟

اس کے جواب میں عرض کیا گیا۔

یا رسول اللہ ھٰؤلاء رجال بنی الحارث بن کعب[1]	یا رسول اللہ! یہ لوگ بنی حارث کے افراد ہیں۔

اور اصابہ میں ابن الکلبی کے حوالے سے ہے کہ جب بنو حارث کی جماعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان کو دیکھ کر دریافت فرمایا،

من ھٰؤلاء کانھم من الھند[2]	یہ کون لوگ ہیں؟ جیسے کہ ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ہندوستان کے آدمی عرب میں عام طور سے مشہور و متعارف تھے، اور اپنی وضع قطع، شکل و صورت اور جسم و لباس کی وجہ سے ہر جگہ اور ہر طبقہ کے لوگ ان سے بخوبی واقف تھے، خاص طور سے مشرقی سواحل کے شہروں میں ان کی آبادیاں تھیں اور بحرین، خط، ہجر، دارین، صحار، قطیف میں ان کی شوکت و طاقت تھی، چنانچہ عہد صدیقی کے فتنۂ ارتداد میں ان علاقوں کے ہندوستانیوں نے مرتدوں کا پورا پورا ساتھ دے کر اسلامی فوج سے اپنے آدمیوں اور اسلحہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کے بعد ہندوستان بھاگ آئے جیسا کہ اس کا تفصیلی تذکرہ آئے گا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۳۹، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۹۳ و ص ۵۹۴، تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۶۵۔ [2] اصابہ ج ۷، ص ۲۶۴۔

سرندیپ کا وفد مدینہ کی طرف

ہندوستان کے ساحلی مقامات اور ان کے قرب وجوار کے دیار و جزائر قدیم زمانہ سے عرب تاجروں کی گذرگاہ تھے، اور خود ہندوستان کے لوگ عرب کے بازاروں اور شہروں میں معاش و معیشت کے سلسلے میں آتے جاتے تھے جس کا لازمی نتیجہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلق و تعارف تھا، اس دور میں اسی قسم کے تعلقات باہمی تعارف کا ذریعہ تھے، چنانچہ ان ہی آنے جانے والے عرب یا ہندی تاجروں کے ذریعہ ہندوستان میں رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کی خبر سنی گئی، خاص طور سے جنوبی ہند اور اس کے جزائر سرندیپ وغیرہ میں اس خبر کو مذہبی طبقہ کے لوگوں نے بڑی اہمیت سے سنا اور سرندیپ کے سادھوؤں سنتوں نے ایک وفد مدینہ منورہ کی طرف بحری راستے سے روانہ کیا تاکہ براہ راست اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوں اور اسلام کے عقائد و احکام سے کماحقہ واقفیت ہو، چوتھی صدی کے ایک مشہور سیاح و جہازراں بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھا ہے کہ:-

كان اهل سرنديب وما والاها لما بلغهم خروج النبي صلى الله عليه وسلم فارسلوا رجلاً فهيماً منهم وامروه ان يسير اليه فيعرف امره وما يدعو اليه فعاقت الرجل عوائق ووصل الى المدينة بعد ان قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم وتوفى ابوبكر ووجد القائم

جب سرندیپ اور آس پاس کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی خبر ملی تو انھوں نے اپنی جماعت سے ایک سمجھدار آدمی کو آپؐ کی خدمت میں روانہ کیا، اور اسے حکم دیا کہ وہ جاکر آپ اور آپ کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرے، مگر چند رکاوٹوں کی وجہ سے وہ آدمی اس وقت مدینہ پہنچا

بالامر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ[1] — جب کہ آپ کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہو چکے تھے۔

اس شخص کے ہمراہ ایک ہندوستانی غلام اور ملازم بھی تھا، واپسی پر یہ شخص کران کے قریب انتقال کر گیا اور اس کا غلام سرندیپ پہونچا اس روایت کا باقی حصہ حضرت عمر کے دورِ خلافت کے بیان میں آئے گا، اگر یہ وفد حیات نبوی میں مدینہ منورہ پہونچ گیا ہوتا تو غیر ممالک میں صرف ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہوتا کہ عربوں کے وفود کی طرح یہاں سے۔ بھی اسلام فہمی کے لیے وفد بارگاہ نبوی میں پہونچا، اور حیاتِ طیبہ ہی میں یہاں اسلام کی ابتدا ہو گئی ہوتی۔

ایک راجہ کا تحفہ و ہدیہ

سرندیپ کے عُبّاد و زُہّاد اور سادھوؤں کا وفد خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہو سکا۔ مگر ہندوستان کے ایک راجہ کو کم از کم اتنی توفیق و سعادت نصیب ہو گئی کہ اس نے از راہِ عقیدت و محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل کا ہدیہ روانہ کیا اور آپ نے اسے یوں شرف قبولیت بخشا کہ خود بھی استعمال فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی دیا۔ امام ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے

أهدى ملك الهند الى النبي صلى الله عليه وسلم جرة فيها زنجبيل، فاطعم اصحابه قطعة قطعة واطعمنى منها قطعة[2]	ہندوستان کے راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مٹی کے گھڑے میں زنجبیل کا ہدیہ بھیجا، جسے آپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے صحابہ کو کھلایا اور ان میں سے ایک ٹکڑا مجھے بھی کھلایا۔

[1] عجائب الہند ص ۱۵۷۔ [2] مستدرک ج ۴ ص ۳۵۔

حاکم نے لکھا ہے کہ اسی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کا ثبوت ملتا ہے اسی وجہ سے میں نے علی بن زید بن جدعان کی سند سے اسے بیان کیا ہے، اس کے علاوہ مستدرک میں ان سے اور کوئی روایت نہیں بیان کی ہے، زنجبیل کا استعمال کھانے کی چیزوں میں عام تھا اور اس کی خوشبو عربوں کے نزدیک بہت ہی مرغوب تھی، تازہ زنجبیل کو ادرک کہتے ہیں اور سوکھی ہو تو وہ سونٹھ ہے۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہندوستان کے کس راجہ نے یہ ہدیہ بھیجا تھا، اس زمانہ میں بنگال کے راجگانِ رُہمی اطراف وجوانب کے بادشاہوں کے یہاں بیش بہا ہدایا و تحائف بھیجا کرتے تھے جن میں یہاں کی زنجبیل خاص طور سے ہوا کرتی تھی۔ قاضی رشید بن زبیر نے "کتاب الذخائر والتحف" میں ان ہدایا کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی رُہمی خاندان کے کسی راجہ نے بارگاہِ نبوت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی توفیق پائی ہو۔

ہندی اشیار کا استعمال

ہندوستان کی چیزوں میں مشک، کافور، زنجبیل، قرنفل (لونگ)، فلفل (مرچ) عودِ ہندی، قسطِ ہندی، ساج (ساگوان کی لکڑی) ہندی تلوار اور یہاں کے کپڑے عرب میں عام طور سے استعمال کیے جاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی استعمال فرماتے تھے، مشک، کافور اور قسطِ ہندی کے استعمال کا ذکر سنن وصحاح کی متعدد احادیث میں موجود ہے۔ امام بخاری نے "الادب المفرد" میں روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، کے حجرے کا دروازہ شمالی رخ کا تھا جس میں ساگوان کا صرف ایک کواڑ تھا۔[1] بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں جس چارپائی پر آرام فرماتے

---

[1] الادب المفرد ص

تھے، اسے حضرت اسعد بن زرارہ نے خدمتِ نبوی میں پیش کیا تھا، اور اس کے پائے ساگوان کے تھے، حضرت ابوایوب کے مکان سے منتقل ہونے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرماتے تھے، حتیٰ کہ اسی پر آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی[1] ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ یہ چارپائی ساگوان کی لکڑی سے بنی اور چھال سے بُنی ہوئی تھی، اور بعد میں حضرت عائشہ رضؓ کے پاس رہی، پھر ان کی میراث فروخت کی گئی، اور حضرت معاویہ رضؓ کے ایک آدمی نے اسے چار ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا اور اس پر مردے قبرستان لے جائے جاتے تھے[2] ساج یعنی ساگوان ہندوستان کی خاص عمارتی لکڑی ہے جو قدیم زمانہ سے عرب میں استعمال ہوتی تھی۔

ابن سعد نے طبقات اور بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قینقاع کے اسلحہ سے تین تلواریں ملی تھیں جن میں سے ایک ہندوستان کے شہر کلہ کی (سیف قلعی) دوسری بتار اور تیسری حتف نامی تھی[3] عرب سیاح ابودلف مسعر بن مہلہل نے جنوبی ہند کے شہر کلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک بہت بڑا قلعہ ہے جس میں رصاص قلعی (کلہی رانگا) کی کان ہے اور اسی قلعہ میں سیف قلعیہ بنائی جاتی ہیں جو بہترین ہندی تلوار ہوتی ہیں[4]

عرب میں ہندوستان کی تلواریں خاص شہرت رکھتی تھی، اور بہادرانِ عرب ان کو بڑے فخر و ذوق کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور ان کو مہند، ہندی، ہندوانی، سیف ہندی کے مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے، ان کا استعمال عہدِ رسالت میں عام تھا، اور ان کی چمک دمک اور جوہریت یوں مسلم تھی کہ اس کی تشبیہ اور مثال دی جاتی تھی چنانچہ حضرت کعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کے ساتھ

---

[1] انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۵، [2] کتاب المعارف ص ۴۷، [3] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۸۶ و ج ۲ ص ۲۹ انساب الاشراف ج ۱ ص ۵۲۲، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵ ۔ تانبے کے برتنوں پر قلعی کرنے کا محاورہ غالباً اسی رصاص قلعی سے ماخوذ ہے

مہنّد سے تشبیہ دے کر ہندی تلوار کا مرتبہ کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے، اور ہندوستان کی پیشانی کو فخر وناز کی چمک دمک بخش دی ہے، اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ "بانت سعاد" میں فرماتے ہیں۔

إن الرسول لنورٌ یستضاء بہ　　مُھنّدٌ من سیوف اللّٰہ مسلولُ

غزوۂ ہند کی پیشین گوئی اور بشارت

ہند اور اہل ہند کی بڑی سعادت مندی اور خوش بختی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے یہاں پر غزوہ اور جہاد کی پیشین گوئی فرما کر اس میں شریک ہونے والی جماعت کو نار جہنم سے آزادی کی خوش خبری دی ہے، چنانچہ امام نسائیؒ نے سنن میں "باب غزوۃ الہند" کے ماتحت اور امام طبرانی نے معجم میں "سند جید" کے ساتھ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عصابتان من امتی احرزھما اللّٰہ من النار، عصابۃ تغزو الھند وعصابۃٌ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیھما السلام۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نار جہنم سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہے گا۔

حضرات صحابہ اس بشارت نبویؐ کی وجہ سے ہندوستان کے جہاد میں شریک ہونے کی حسین تمنا رکھتے تھے اور اس میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس راہ میں جان ومال قربان کرنے کی تمنا کرتے تھے سنن نسائیؒ اور مسند امام احمد میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ	حضرت ابوہریرہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ
انہ قال: وعدنا رسول اللّٰہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان
صلی اللّٰہ علیہ وسلم غزوۃ الھند	میں غزوہ کا وعدہ فرمایا ہے اگر میں اس
فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی	میں شریک ہوا تو اس میں اپنا جان و مال
ومالی، فان اقتل کنت افضل	خرچ کر دوں گا، اگر مارا گیا تو بہترین
الشھداء وان ارجع فأنا ابو	شہید ہوں گا۔ اور اگر زندہ واپس ہوا
ھریرۃ المحرر[1]	تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ رہوں گا۔

امام ابن عساکر اور امام ابن کثیر نے بھی غزوۂ ہند کی حدیث کی روایت کی ہے چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے:۔

قد ورد فی غزوا لھند حدیث	غزوۂ ہند میں حدیث وارد ہوئی ہے جسے
رواہ الحافظ ابن عساکر وغیرہ[2]	حافظ ابن عساکر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

غلام علی آزاد نے مذکورہ بالا دونوں روایتوں کو مزید تفصیل کے ساتھ سبحۃ المرجان میں درج کیا ہے[3]

یہ پیشین گوئی اور بشارت پہلی بار عہد فاروقی میں عثمان، حکم اور مغیرہ بنو ابی العاصی ثقفی رضی اللہ عنہم کی زیر قیادت و امارت یوں ظاہر اور پوری ہوئی کہ یہاں تین غزوات ہوئے جیسا کہ معلوم ہوگا۔

ہندی مسلمان

جیسا کہ معلوم ہوا، ہندوستان ان خوش نصیب ملکوں میں سے ہے جن کے باشندوں نے عہد رسالت ہی میں اسلام سے اپنی گہری محبت و عقیدت کا مظاہرہ کیا،

[1] سنن نسائی باب غزوۃ الہند۔ [2] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۹۵۔ [3] سبحۃ المرجان ص ۲۱۔

اور ان میں سے بعض نے کسی نہ کسی طریقے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کیا، مگر کتابوں میں واضح طور سے کسی ہندی باشندے کا عہدِ رسالت میں اسلام قبول کرنا نہیں پایا جاتا ہے ورنہ کم از کم بلالِ حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسی کی طرح فلاں ہندی کا نام بھی ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سرنامہ ہوتا۔ البتہ چند ہندی حضرات کے بارے میں غالب گمان ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

حضرت بیرزطن ہندی یمنی

حضرت بیرزطن ہندیؒ یمنی کا تذکرہ حافظ ابن حجرؒ نے "مدرکین" میں کیا ہے یعنی انھوں نے جاہلیت کے زمانے کے بعد اسلام کا زمانہ بھی پایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں وہ موجود تھے۔ ان کا حال اصابہ میں یوں درج ہے۔

بیرزطن الهندی، شیخ کان فی زمن اکاسرة، له خبر مشهور فی حشیشة القنب، وانه اول من اظهرها بتلك البلاد، و اشتهر امرها عنه فی الیمن ثم ادرك الاسلام فاسلم[1]	بیرزطن ہندی شاہان ایران کے زمانہ میں یمن میں ایک بزرگ تھے، بھنگ سے علاج و معالجہ اور اس کے استعمال کے بارے میں ان کا واقعہ مشہور ہے، اپنے علاقوں میں سب سے پہلے انھوں نے ہی بھنگ کا رواج عام کیا اور ان ہی سے یمن میں اس کی شہرت ہوئی، پھر اس بزرگ نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن پر کسریٰ کی حکومت کے زمانہ میں ایرانی ابناء و اساورہ کے ساتھ یہ ہندی بزرگ بھی یمن میں مستقل سکونت رکھتے تھے اور جڑی بوٹیوں کے ذریعے ہندی علاج و معالجہ کا کاروبار کرتے تھے، اس سلسلہ میں حشیشۃ القنب یعنی بھنگ

[1] اصابہ ج ا ص ۱۷۰۔

کے علاج واستعمال کو انھوں نے عام کیا اور ۶ھ میں جب یمن کے کسرائی حاکم باذان اور ان کے ایرانی رفقاء واساورہ اسلام لائے تو حضرت بیرزطن ہندی بھی مسلمان ہوئے،

حضرت باذان ملک الہند

حافظ ذہبی نے "تجرید اسماء الصحابہ" میں علی الترتیب باذان الفارسی، باذان ملک الہند، اور باذان ملک الیمن کا تذکرہ کیا ہے، درمیانی باذان کے حال میں لکھا ہے:۔

باذان ملک الهند، ذکر ابن مفرز قال: لما قتل کسریٰ بعث باذان باسلامه واسلام من معه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم، حکاه ابن هشام[1]	ابن مفرز نے بیان کیا ہے کہ کسریٰ بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد باذان ملک الہند نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجدی۔

شاہ ایران کسریٰ نے اپنے حاکم یمن باذان کو لکھا کہ عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تم اسے قتل کردو، اور باذان کا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پیشین گوئی فرمائی کہ فلاں تاریخ کو کسریٰ قتل کردیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور باذان اور ان کے تمام ساتھی اس معجزے کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے اور اس کی اطلاع بھی بارگاہِ نبوت میں کرادی، فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے کسریٰ کے قتل کی تاریخ شب دوشنبہ دس جمادی الاخریٰ ۷ھ لکھی ہے اور اسی کے بعد باذان مسلمان ہوئے، ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ذہبیؒ کے اس قول میں "ملک الہند" کے بجائے "ملک الیمن" ہونا چاہیے۔

حضرت باذان رضی اللہ عنہ شاہ ایران کسریٰ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے، ان کے ساتھ شہسواروں کی ایک جمعیت بھی تھی جس میں ایران اور ہندی شہسوار اور فوجی امراء

---

[1] تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۴۵۔

شامل تھے ان کو اساورہ کہتے تھے، باذان ملک الہند، باذان ملک الیمن، اور باذان الفارسی تینوں ایک ہی شخصیت کے اسماء وصفات معلوم ہوتے ہیں، باذان ایران کے رہنے والے تھے اور یمن کے حاکم تھے اس لیے ان کا فارسی اور ملک الیمن ہونا ظاہر ہے، باقی رہا ملک الہند ہونا تو یہ یوں ممکن ہے کہ باذان اگرچہ ایران میں رہتے تھے اور یہیں سے یمن کی حکومت پر مقرر کیے گئے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ نسلاً ہندوستان سے تعلق رکھتے رہے ہوں اور جس طرح ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے شہسوار اور حکمراں شامل تھے، حضرت باذان بھی ان میں شامل رہے ہوں، اور اس مناسبت سے ان کو ملک الہند کہا جا سکتا ہے کہ ان کا خاندان ہندوستان میں حکمراں تھا۔

اگر حضرت باذان کا ہندی ہونا متعین ہو جائے تو وہ بھی حضرت بیرزطن ہندی کی طرح مُدرِک ہوں گے، یعنی یہ کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی حیاتِ طیبہ میں دولت اسلام سے حصہ پایا۔

بعض منکر روایات

اسلامی ہند کی ابتدائی تاریخ کے سلسلے میں کئی منکر روایات اور غلط دعاوی پائے جاتے ہیں جن کے بارے میں کوئی علمی ثبوت نہیں ہے بلکہ علماء نے ان کے بے اصل ہونے کی تصریح کی ہے، عہد رسالت سے متعلق اس قسم کی کئی باتیں کتابوں میں موجود ہیں، ہم ان کو یہاں درج کرتے ہیں تاکہ ان کا ضعف و نکارت معلوم ہو جائے۔

حضرت آدم کے ہندوستان میں اترنے کی روایت

حضرت آدم علیہ السلام کے ہندوستان کے جزیرۂ سرندیپ یا سرزمین دجنا میں اترنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو اقوال منسوب کیے گئے ہیں، اصول حدیث کی رو سے ان کی صحت غیر مسلّم ہے، البتہ حضرت ابن عباس وغیرہ کے آثار و اقوال کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ علماء

نے اس روایت کو بھی منکر قرار دیا ہے۔

ان آدم هبط بالهند، ومعه	حضرت آدم ہندوستان میں اتارے گئے،
السندان، والمطرقة والكلبتان	ان کے ساتھ گھن، ہتھوڑا اور دو چمٹے بھی
واهبطت حواء بجدة۔	تھے، اور حوا، جدہ میں اتاری گئیں۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ ابراہیم بن سالم کے پاس منکر احادیث ہیں اور من جملہ ان کے مذکورہ بالا حدیث کو ان میں شمار کیا ہے[1]۔

ان ہی منکرات میں وہ باتیں بھی ہیں جنہیں عام طور سے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں آتارے گئے تو ان کے جسم پر جنت کے پتوں کا لباس تھا، بعد میں وہ پتے خشک ہو کر ادھر ادھر اڑے اور زمین پر گرے جس کی وجہ سے ہندوستان کے درخت خوشبودار ہو گئے، مثلاً عود، صندل مشک، عنبر، کافور وغیرہ میں ان ہی پتوں کی وجہ سے خوشبو آئی، علامہ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کا راوی امام سفیان ثوری کا بھانجہ سیف کذاب ہے اور یہ خبر منکر ہے[2]۔

تاڑی کے متعلق روایت

لسان المیزان ہی میں ابی بن عمرو بن معدیکرب کے ذکر میں ہے کہ ان کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا۔

حبٌّ يُحمل من الهند، يقال له	ایک پھل ہندوستان سے لایا جاتا ہے جس کے
الاداري، من شرب منه لم تقبل	درخت کے پانی کو تاڑی کہتے ہیں جو شخص اس کو
له صلوة اربعين سنة فان تاب	پیے گا اس کی چالیس سال کی نماز قبول نہیں ہوگی
تاب الله عليه[3]۔	اور توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔

---

[1] لسان المیزان ج ۱ ص ۶۳۔ [2] تذکرۃ الموضوعات ص ۶۱ و ۱۶۲۔ [3] لسان المیزان ج ۱ ص ۳۴۹۔

خطیب نے کہا ہے کہ اس کی سند کے تمام رجال سوائے ابن عدی کے غیر معروف ہیں، اس میں داری کے بجائے دازی ہونا چاہیے۔ دارین ایک ساحلی مقام تھا جہاں کا مشک داری مشہور ہے، اور تاڑی کا معرّب دازی ہے۔

اہلِ ہند سے ہوشیار رہنے کی روایت

علامہ محمد طاہر بن علی گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں ہندوستان سے متعلق ایک موضوع حدیث کا تذکرہ کیا ہے جس میں کسی کذاب ومجہول راوی نے اس قول کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔

اتقوا الیہود والھنود، ولو	یہود اور ہنود سے ستر نسل تک
بسبعین بطناً	بچتے رہو

مگر علامہ حسین بن محمد صغانی لاہوریؒ نے اس کو موضوع بتایا ہے[1]۔

ہندوستان کے بارے میں اسی قسم کی بعض اور روایات ہیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ مگر روایت کے اصول کی رو سے ان کی کوئی اصل نہیں ہے، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں غلام علی آزادؒ نے اس سلسلے کے تمام غث وثمین کو جمع کردیا ہے۔

عرب وہند کے درمیان آمدورفت کی روایات

عہدِ رسالت میں کسی شخص کے ہندوستان سے عرب جانے یا عرب سے ہندوستان آنے کی صحیح ومستند روایت نہیں ملتی ہے، اور جو روایتیں ملتی ہیں ان میں اکثر روایت اور درایت کے اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہیں اور علمائے اسلام نے ان کا انکار کیا ہے، ہندوستان اس سلسلے میں یوں معذور قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس

---

[1] تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۴۔

ملک کے باشندے تاریخ کے قدیم دور سے مقامی افسانوی روایات کے علاوہ نہ کچھ جانتے تھے اور نہ جاننا چاہتے تھے، اس لیے اس قدیم ترین ملک کی مستند تاریخ مرتب نہ ہو سکی اور مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تاریخ راجوں مہاراجوں کی کہانیوں اور داستانوں کی دیومالائی روایات کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ مسلمان اس بارے میں ذمہ دار ہیں جنہوں نے تاریخ ورجال نویسی میں دنیا کی تمام اگلی پچھلی قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، اگر عہد رسالت میں عرب و ہند کے درمیان آمدورفت کی مستند روایات ملتیں تو مسلمان مورخ اور تذکرہ نویس ان کو اپنی کتابوں میں جگہ دیتے، اس سلسلہ میں ان کو اپنی ذمہ داری کا اس قدر احساس رہا کہ غیر مستند واقعات کو بھی اپنی کتابوں میں درج کرکے ان کے صحت وسقم کی توضیح کر دی، اور ان ہی کی طرح ہم بھی ایسے واقعات کو اسی انداز میں یہاں درج کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ واقعات علمی اور تاریخی اصول وقواعد کی رو سے پایہ تحقیق کو نہیں پہونچتے۔ اور ان کا ثبوت نہیں مل سکا ہے، اسی لیے ان کا انکار کیا گیا ہے، مگر ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ واقعات عالم وجود میں آئے ہوں، اور نفس الامر میں ان کا وقوع ہوا ہو، اس احتمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

رفاعہ بنت عبد صالح جنیہ کی روایت

اس سلسلہ میں رفاعہ جنّیہ کا واقعہ اقرب الی الصحۃ کہا جا سکتا ہے، جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہندوستان جانے کا حال بیان کیا ہے، امام ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانیؒ نے تاریخ جرجان میں ابوعمرو عبدالمومن بن احمد عطار جرجانی کے تذکرے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بنت العبد الصالح نامی ایک جنّیہ قوم جنات کی عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ بہت دیر کے بعد آئی، آپ نے تاخیر کی وجہ دریافت فرمائی

تو اس نے عرض کیا:۔

مات لنا میتٌ بارض الهند	ہمارا ایک شخص ہندوستان میں مر گیا تھا
فذهبت فی تعزیتهم۔	میں اہلِ میت کی تعزیت کو گئی تھی۔

اس کے بعد اس نے ایک نہایت دلچسپ واقعہ بیان کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے[1]

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں رفاعہ بنت العبد الصالح کا تذکرہ کر کے معمولی تغیر کے ساتھ امام سہمی کی پوری عبارت نقل کر دی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ اس کی سند کے بعض رواۃ غیر معروف ہیں اور امام ابن جوزی نے اس واقعہ کو موضوعات میں شمار کیا ہے[2]

جمہور محدثین کے نزدیک اگر جنات نے بھی رسول اللہ صلعم کی رویت و صحبت پائی ہے تو وہ صحابہ میں شمار ہوں گے۔ سہمی نے اس واقعہ کو بلا کسی انکار و تضعیف کے بیان کیا ہے، اور ابن حجر نے اس کی سند کے بعض رجال میں کلام کیا ہے، البتہ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے اس لیے اس واقعہ کو بالکل ہی بے اصل نہیں قرار دیا جا سکتا ہے،

پانچ صحابہ کے سندھ آنے کی روایت مجموع الرسائل نام کی قلمی کتاب میں جمع الجوامع کے حوالہ سے درج ہے:۔

روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم ارسل کتابهٗ الی اهل السند	نے پانچ صحابہ کے ہاتھوں اہل سندھ کے
علی ید خمسة نفرٍ من الصحابة	پاس اپنا نامہ مبارک روانہ فرمایا، جب یہ
فلما جاءوا فی السند فی قلعة	حضرات سندھ میں نیرون کوٹ (حیدر آباد
یقال نیرون اسلم بعض اهله	سندھ) میں آئے تو وہاں کے کچھ لوگ مسلمان

[1] تاریخ جرجان ص ۲۰۳، و ص ۲۰۴۔ [2] اصابہ ج ۸ ص ۱۵۶ و ۱۵۷۔

ثم رجع من الصحابة اثنان مع الوافد منهم فی السند، واظهر اهل السند الاسلامَ وبیّنوا لاهل السند الاحکامَ وما توافنیہ وقبورهم فیه الآن موجودة وُجدَت۔

ہو گئے، پھر ان میں سے دو صحابہ واپس چلے گئے، اور اہل سندھ نے کھل کر اسلام قبول کیا اور باقی تین حضرات نے سندھیوں کو تفصیل سے اسلام کے احکام سکھائے اور یہیں انتقال کیا، ان کی قبریں آج تک موجود ہیں اور پائی گئی ہیں۔

اور کتابوں میں اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملی۔ اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے اس کی تصدیق وتائید ہوتی ہے، اور بظاہر یہ روایت بھی بے اصل معلوم ہوتی ہے، پھر اس روایت کے الفاظ عربیت کے قواعد کے اعتبار سے نہایت رکیک ہیں۔

قنوج کے راجہ سرباتک کی روایت

ہندوستان میں دو ایسے پراسرار شخص پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے کئی صدیوں کے بعد صحابئ رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے ایک قنوج کا راجہ سرباتک، اور دوسرا رتن ہندی ہے، سرباتک کی روایت سب سے پہلے ابن اثیر نے اسد الغابہ میں نقل کی ہے، پھر ابن حجر نے اصابہ میں اور ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں اسے نقل کیا اور تینوں نے اس کی تکذیب کی ہے، اصل روایت اسحٰق بن ابراہیم طوسی نے یوں بیان کی ہے۔

رأیت سرباتِك ملك الهند فی بلدة تسمی قنّوج فقلت له کم اتی علیك من السنین فقال سبعمأته وخمس وعشرون سنة، وزعم ان النبی صلی الله علیه وسلم انفذ الیه حذیفة

ہندوستان کے راجہ سرباتک کو میں نے قنوج میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری عمر اس وقت کتنی ہے، اس نے بتایا کہ سات سو پچیس سال کی۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ

واسامة وصهيبًا يدعونه الى الاسلام فاجاب واسلم وقبّل كتاب النبي صلى الله عليه وسلم[1]

اور صہیب رضی اللہ عنہم کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا اور اس نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بوسہ دیا۔

بلکہ بعضوں نے اس کے عرب میں جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار ملاقات کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے ابو سعید مظفر بن اسد حنفی طبیب سے نقل کیا ہے۔

سمعت سرباتك الهندی يقول رأيت محمدًا صلى الله عليه وسلم مرتين بمكة وبالمدينة مرة وكان من احسن الناس وجهًا ربعة من الرجال۔

میں نے سرباتک ہندی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں دیکھا ہے آپ نہایت حسین وشکیل اور خوش قامت انسان تھے۔

ان ہی ذرایع خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ سرباتک کا انتقال ۳۳۳ھ میں ہوا، اس وقت اس کی عمر آٹھ سو چورانوے سال کی تھی، ابن اثیر نے اس کا واقعہ درج کر کے لکھا ہے کہ ہم نے التزام کیا ہے کہ صحابہ کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے ہم سب کو نقل کریں گے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم اس قسم کی باتیں اپنی کتاب میں درج نہ کرتے، ان کا ترک ان کے اثبات سے بہتر ہے، اور ابن حجر نے اس کا ذکر ان لوگوں میں کیا جن کو غلطی سے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے، اور ذہبی نے اسے کذب واضح قرار دیا ہے، راجہ سرباتک کے دعویٰ صحابیت کے بطلان کی سب سے بڑی اور واضح دلیل یہ ہے کہ ۱۱۰ھ کے بعد دنیا میں کوئی صحابی رسول باقی نہیں رہ گیا تھا، آخری صحابی حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کا

---

[1] اسد الغابہ ج صـ، اصابہ ج ۲ ص ۱۲۱ - تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۲۱۰۔

وصال ۱۱ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا، بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے کچھ دنوں پہلے فرمایا تھا کہ سو سال کے بعد تم لوگوں میں سے کوئی شخص دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ پھر چوتھی صدی میں ہندوستان میں صحابیت کا دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ درحقیقت یہ ایک قسم کا سیاسی کھیل تھا جسے قنوج کے راجہ نے ملتان کی سامی حکومت اور یہاں کے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے جذبات سے کھیلا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ ۳۰۳ھ میں قنوج (پنجاب) کی قدیم ہندو سلطنت ملتان کی عرب سامی حکومت سے جنگ و مقابلہ کے بعد اس کے ماتحت آگئی تھی اور اس نئی صورت حال میں پرانی ناگواری ختم کرنے کے لیے قنوج کے راجہ نے یہ دعویٰ کیا تھا، اور راجوں مہاراجوں کے بارے میں ہندوستان کے باشندوں کا قدیم ذہن اس قسم کی باتوں کو ماننے پر تیار ہو گیا۔ بہت ممکن ہے کہ قنوج کا راجہ سرباتک دعویٰ صحابیت و درازیٔ عمر کے بارے میں جھوٹا ہونے کے باوجود مسلمان ہو گیا ہو، اور مالابار کے راجہ سامری اور الور کے راجہ کی طرح اس نے بھی اپنا اسلام مسلمانوں سے ظاہر کر کے اپنے عوام سے چھپایا ہو، اس کی تفصیل ہماری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں موجود ہے۔

بابا رتن ہندی کی روایت

اس سلسلہ کی دوسری شخصیت بابا رتن ہندی کی اور بھی پراسرار ہے، جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چھ سو سال کے بعد صحابیت کا دعویٰ کیا تھا، وہ بھی پنجاب کے شہر بھٹنڈہ کا رہنے والا تھا، ابن حجر نے رتن ہندی کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جنہیں غلطی سے بعضوں نے صحابی مانا ہے اور لکھا ہے کہ رتن ہندی ایک معمر آدمی تھا جس کا معاملہ اس کے قول کے مطابق مدت مدید تک پوشیدہ رہا اور اس نے چھٹی صدی میں دعویٔ صحابیت کیا۔ علمائے متقدمین کی کسی کتاب میں رتن ہندی کا ذکر نہیں ہے[1]

[1] اصابہ ج ۱ ص ۵۱۵۔

ذہبی نے تجرید اسمار والصحابہ میں لکھا ہے کہ رتن ہندی ایک معمر شخص تھا جس نے چھٹی صدی میں بلاد مشرق میں ظاہر ہوکر دعویٰ صحابیت کیا اور جاہلوں نے اس سے روایت کی، بظاہر اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور بعض افترا پردازوں نے اس کا نام گڑھ لیا ہے[1]۔

نیز ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کا شدت سے انکار کرکے دجّال بلا ریب بتایا ہے، علامہ رضی الدین حسن بن محمد صغانی لاہوری متوفی ۶۵۰ھ رتن ہندی کے معاصر اور ہم وطن تھے، انہوں نے بھی اپنی کتاب موضوعات میں اس کا انکار کیا ہے، اس کے باوجود شیخ صلاح الدین صفدی اور شیخ مجدالدین شیرازی مصنف قاموس نے عقلی طور سے رتن ہندی کے وجود کو تسلیم کیا ہے، اسی طرح ہندوستان کے بعض صوفیاء نے اس کو تسلیم کرکے اس کی روایات کے مجموعہ رتنیات کو رواج دیا ہے، اور ہمارے دور میں بعض لکھے پڑھے لوگ ہندوستان کے مناقب وفضائل کے سلسلے میں رتن ہندی اور اس کی صحابیت کے بارے میں زورِ قلم صرف کر رہے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ رتن ہندی نام کے ایک شخص کے ہونے کے باوجود اس کا دعویٰ صحابیت سراسر باطل و بے بنیاد ہے۔ اس کے بارے میں ابن حجر نے اصابہ میں سات صفحات میں تفصیلات درج کی ہیں۔

حضرت تمیم داریؓ کی روایت

شمالی ہند کے علاقۂ پنجاب کے دو شخصوں کے بارے میں دعویٰ صحابیت کے مقابلہ میں جنوبی ہند کے علاقۂ مالا بار کے بارے میں بھی اسی قسم کی روایات پائی جاتی ہیں اور یہاں بھی عہد رسالت سے مذہبی و دینی تعلقات جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلے میں حضرت تمیم داری اور راجہ سامری کی داستانیں راجہ سرباتک اور رتن ہندی سے بڑی حد تک میل کھاتی ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے متعلق چلتی ہوئی روایت ہے کہ وہ جنوبی ہند میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لائے اور یہیں انتقال فرمایا اور نواحی مدراس میں ان کی

---

[1] تجرید اسمار الصحابہ ج ا ص

قبر موجود ہے، حالانکہ اس کا ذکر انکار کے انداز میں بھی کسی کتاب میں نہیں ملا اور نہ ہی حضرت تمیم داریؓ کے ملک عرب سے باہر جانے کی کوئی صریح روایت ہے، البتہ صحیح مسلم وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت تمیم داری لخم اور جذام کے تیس (۳۰) افراد کو ایک چھوٹی سی کشتی میں لے کر بحر روم کے سفر میں نکلے اور ایک جزیرہ میں دجال کو دیکھا، حضرت تمیم داری ۹ھ میں مسلمان ہوئے، ان کا وطن خاص مدینہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر کے مطابق ان کو ملک شام میں جاگیر دی گئی جہاں انھوں نے علیون نامی بستی میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، یہ مقام بیت المقدس کے قریب تھا، ان کا بحر روم کا سفر زمانۂ رسالت میں ہوا تھا، بعد میں علیون ان کا مستقل مقر و مستقر تھا۔

راجہ ملیبار سامری کی روایت

جنوبی ہند میں اس سلسلہ کی دوسری روایت راجۂ ملیبار سامری کے معجزۂ شق القمر کو دیکھ کر مسلمان ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہے، علامہ زین الدین معبری ملیباری نے تحفۃ المجاہدین میں راجہ سامری کے مسلمان ہونے کا دلچسپ واقعہ تفصیل سے درج کیا ہے، یہ کتاب انھوں نے ۹۹۳ھ میں لکھی، اس کے بعد اسی ماخذ سے تاریخ فرشتہ وغیرہ میں علاقہ مالابار کے اسلام کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ علامہ معبری نے راجہ سامری کے بارے میں جس قدیم خیال کا رد کیا ہے، اسی کو اب تک نمایاں طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں،

واما تاریخه فلم یتحقق عندنا	راجہ سامری کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک
وغالب الظن انه انما کان بعد	محقق نہیں ہے، غالب گمان ہے کہ وہ دوسری
المأتین من الهجرة النبویة	صدی ہجری کے بعد تھے، اور مالابار کے
علی صاحبها افضل الصلوٰة	مسلمانوں میں جو یہ مشہور ہے کہ وہ راجہ
والتحیة، واما ما اشتهر عند مسلمی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

ملیباران اسلام ملک المنکور	معجزہ شق القمر دیکھ کر مسلمان ہوا،
کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
وسلم برویۃ انشقاق القمر لیلۃ	خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں سے
وانہ سافر الی النبی صلی اللہ	مالا بار کے ارادے سے چلا مگر مقام شحر
علیہ وسلم، وتشرف بلقائہ	میں اس کا انتقال ہو گیا، ان باتوں
ورجع الی شحر قاصداً ملیبار	میں کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔
مع الجماعۃ المذکورۃ وتوفی	
فیہا فلا یکاد یصح شئ منہا،	

سامری کے بارے میں ان باتوں کے بے اصل ہونے کے باوجود، دوسری صدی میں اس کے مسلمان ہونے سے مالابار، کوچین، اور کیرالا وغیرہ میں اشاعت اسلام میں بڑی مدد ملی اور راجہ سامری کی شخصیت جنوبی ہند میں اسلام کے بارے میں بہت پُرکشش ہے اس وقت بمبئی سے متصل سندان میں آل ماہان کی حکومت کا دور شباب تھا، اگر راجہ سامری دوران سفر میں انتقال نہ کیے ہوتا تو جنوبی ہند میں اسلام کو بڑا فروغ حاصل ہوتا۔

---

[1] تحفۃ المجاہدین ص

(۳)

خلافتِ راشدہ اور ہندوستان

خلافتِ راشدہ کی کل مدت (ربیع الاول ۱۱ھ سے رمضان ۴۰ھ تک) تیس سال ہے، جس کے آخری بیس سالوں میں ہندوستان سے اس کا تعلق رہا ہے، عام روایت کی رو سے ۲۳ھ میں مکران فتح ہوا مگر بعض روایات میں ہے کہ ۲۱ھ میں فارس پر متعدد مہمات روانہ کی گئیں اور اسی سال مکران پر بھی فوج کشی ہوئی، نیز اس سے پہلے یہاں کے تین چار مقامات میں مجاہدین اسلام اور فوجی مبصر و مخبر آئے اور ہندوستان سے تعلقات کی ابتدا ہوئی، اس لیے تقریباً بیس سال تک یہ ملک خلافتِ راشدہ کا جزء بن کر رہا، اور اس کے مغربی شمالی علاقوں میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد و رفت اور بود و باش کا سلسلہ جاری ہوا۔ ویسے تو ہندوستان سے مسلمانوں کا باقاعدہ رشتہ خلافتِ فاروقی میں قائم ہو کر حضرت علیؓ کی شہادت ۴۰ھ تک برابر قائم رہا مگر کسی نہ کسی حیثیت سے اس کی ابتدا عہدِ صدیقی ہی میں ہو چکی تھی۔ خلفائے اربعہ کے ادوار میں ہندوستان سے تعلقات کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں، اس سے پہلے ہر خلیفہ کے دور کا سرسری جائزہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۱۱ھ میں خلیفہ ہوئے اور جمادی الآخری ۱۳ھ میں فوت ہوئے، آپ کی مدتِ خلافت دو سال تین ماہ اور نو دن ہے، عہدِ صدیقی کی ابتدا فتنۂ ارتداد کی شدید بحرانی حالت میں ہوئی، جس میں بہت سے عرب خصوصاً

مشرقی سواحل اور صحراوٗں کے قبائل اسلام سے منحرف ہوگئے تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے نہایت جرأت اور بہادری سے کام لیتے ہوئے مرتدوں پر فوج کشی کرائی اور اس فتنۂ عظیم کا کلیتہً استیصال فرمایا، خلافت صدیقی کا بیشتر زمانہ قتال مرتدین میں صرف ہوا۔ اور ہندوستان و فارس کی طرف توجہ کی فرصت نہیں ملی، البتہ ان ممالک میں غزوات و فتوحات کی سلسلہ جنبانی کی ابتدا یوں ہوئی کہ ابتدائے خلافت ہی میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ نے مشرقی عرب کے ارتداد و انحراف میں مرتدوں کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور اپنے آدمیوں کی طرح اپنے اسلحہ سے بھی ان کی مدد کی، اور جب اسلامی فوج فتح یاب ہوئی تو یہ جاٹ اور سیابجہ بھاگ کر اپنے ملک چلے آئے، اس واقعہ نے عرب و ہند کے ہزاروں سال کے خوش گوار و استوار تعلقات میں ایک گونہ تلخی پیدا کردی، اور مسلمان فطری طور سے ہندوستان کے بارے میں دوسرے انداز میں سوچنے لگے۔ اس ناگوار واقعہ کا اور اس سے پیدا ہونے والے نتیجہ کا تعلق براہ راست اہل ہند سے تھا۔

دوسری اہم بات جو عہد صدیقی کے آخر میں ہوئی یہ کہ عربوں میں فارس کی حکومت سے ٹکر لینے کا حوصلہ پیدا ہونا شروع ہوا اور جو لوگ اس حکومت کے خلاف ہزاروں سال سے کچھ سوچ نہیں سکتے تھے اس دور میں وہ اس کے خلاف معمولی معمولی جمعیت کے ساتھ اقدام کرنے لگے، اور خلافت کی سطح سے دور رہ کر رضا کارانہ اور فدائیانہ طور پر شمالی عرب سے متصل ایرانی سرحدوں پر، حضرت مثنی بن حارثہؓ شیبانیؓ حیرہ کی سمت سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلیؓ اُبلہ کی طرف سے اپنی جماعت کے ساتھ حملہ آور ہوتے اور ایرانیوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے عرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں چلے آتے تھے، بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے مثنی بن حارثہؓ اور ان کی جمعیت کو خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں ایران کے جہاد پر روانہ کردیا، حضرت ابوبکرؓ کے بعد مثنیٰ بن حارثہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر ایران کے اندرونی حالات کی خبر دی اور حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، جس کے نتیجہ میں سنہ ۱۶ھ میں

قادسیہ فتح ہوا، بالفاظ دیگر عربوں پر دروازہ ممالکۂ الفرس کھل گیا۔ بعد میں ایران کا یہی دروازہ مشرقی ممالک میں ان کے اثر و نفوذ کا ذریعہ بنا، اور وہ اسی راہ سے ایک طرف جنوب مشرق میں مکران اور سندھ تک پہونچے اور دوسری طرف شمال مشرق میں بلادِ ماوراء النہر میں سمرقند و بخارا کو اپنے زیر تصرف لائے، اس طرح عہد فاروقی میں ہندوستان کی فتوحات کے ابتدائی اسباب عہدِ صدیقی ہی سے پیدا ہو رہے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں خلیفہ ہوئے اور ذوالحجہ ۲۳ھ میں شہید کیے گئے۔ آپ کی مدت خلافت دس سال، چھ ماہ اور پانچ دن ہے۔

خلافت فاروقی میں ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کے گوناگوں تعلقات اور روابط قائم ہوئے۔ عرب کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ برضا و رغبت مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں عطایا و وظائف کے مجد و شرف کے ساتھ داخل ہوئے، اور انہوں نے عجم کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سرندیپ کا مذہبی وفد مدینہ منورہ پہونچا اور آپ سے ملاقات کرکے اسلامی عقائد و اعمال کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کیں، واپسی پر اہلِ سرندیپ کے سامنے حضرت عمرؓ کے سیدھے سادے حالات و واقعات پیش کیے جس سے یہاں کے لوگوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق نہایت اچھے اور عقیدت مندانہ خیالات پیدا ہوئے اور کئی صدیوں تک اس کے نیک اثرات کام کرتے رہے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی نے ہندوستان میں جہاد کے امکانات پر غور فرمایا اور ایک مبصر سے سندھ کے مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس درمیان میں اسلامی فوجوں نے مطوعانہ و فدائیانہ طور سے ہندوستان کے تین ساحلی مقامات میں چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ ۱۴ھ میں بصرہ آباد کرکے اس کو مشرقی ممالک کی فتوحات کا حربی مرکز قرار دیا گیا اور یہاں سے مشرق و شمال و جنوب میں فتوحات ہوئیں جن میں حدودِ ہندوستان

کی فتوحات بھی شامل ہیں، چنانچہ عہدِ فاروقی میں اسلامی فوج فارس کے شمال میں بحرِ خزر (بحرِ قزوین) تک، اور جنوب میں اصفہان خراسان، کرمان، سجستان، مکران اور سندھ تک پہنچ گئی، فارس کے شمالی ممالک کو عرب ماوراء النہر کہتے تھے۔ اور دونوں کے درمیان حدِ فاصل دریائے مرغاب تھا جو دریائے سیحون سے دو سو میل کی دوری پر جنوب مغرب میں دریائے جیحون سے ملا ہوا تھا، قدیم زمانہ میں شمال میں جیحون تک ایرانیوں کی حکومت تھی، مگر بعد میں مرغاب تک ہی رہ گئی تھی۔ بلاد ماوراء النہر وسط ایشیا میں ایرانیوں اور ترکوں کے اکھاڑے تھے، اور چین و فارس کے درمیان تجارتی راستہ ہونے کی وجہ سے یہ علاقے نہایت خوش حال اور مالدار تھے۔

اس علاقے میں سمرقند و بخارا اور بیکند بہت اہم شہر تھے، اور جنوب مشرق کے بلاد میں کابل، سجستان، کرمان، بامیان، مکران، قیقان، قندابیل اور سندھ قدیم ہندوستان میں شمار ہوتے تھے، جن پر شاہانِ ایران کے مندوب حکومت کرتے تھے۔ عہدِ فاروقی میں جب ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں جنوبی فارس کے سات مرکزی مقامات پر مجاہدین اسلام آئے تو اسی سلسلہ میں مکران، بلوچستان اور سجستان سے متصل بعض ہندوستانی علاقے بھی فتح ہوئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، محرم ۲۴ھ میں خلیفہ ہوئے، اور ذوالحجہ ۳۵ھ میں شہید کردیئے گئے، مدت خلافت بارہ دن کم بارہ سال ہے، عہدِ عثمانی کی ابتداء میں فارس کے اکثر ممالک اور بلاد و امصار میں سرکشی اور بدعہدی کی ہوا چل پڑی اور مشرقی حصہ کے کئی علاقوں نے خروج و بغاوت کی راہ اختیار کی جن میں مکران اور سندھ بھی شامل تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے از سرِ نو یہاں کے حالات معلوم کرنے کے لیے ایک فوجی مہم دمخبر کو روانہ فرمایا، جس نے بہت گہری نظر سے ہندوستان کے ہر قسم کے حالات کا

مطالعہ کر کے دربارِ خلافت کو ان سے آگاہ کیا اور اسی کے مطابق حضرت عثمانؓ نے کرمان، خراسان، سجستان اور مکران میں سخت تادیبی کارروائی کی، اور ان ملکوں کی بغاوت کو طاقت کے ذریعہ ختم کر کے مکران میں مستقل طور سے ایسے امراء و عمال رکھے جنہوں نے حالات کی بحالی کے لیے پوری کوشش کی،

اس زمانہ میں عربوں نے بلوچستان میں اپنی آبادیاں قائم کیں، مکانات بنائے کنویں کھودے، کاشت کاری کی۔ اور یہاں سے دربارِ خلافت کو عشر کی رقم روانہ کی اور یہاں پر باقاعدہ محکمۂ قضا قائم ہوا اور قندابیل میں فوجی طاقت رکھی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ہندوستان کے مفتوحہ علاقے دارالاسلام بن گئے تھے۔ اور ان میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوا۔ اسی لیے امام زہریؒ نے سندھ کی فتح کو عہدِ عثمانی کی خصوصیات میں بتایا ہے۔ نیز فارس کے شمال میں مجاہدینِ اسلام ماوراء النہر کے شہر سمرقند و بخارا تک پہونچ گئے تھے، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا یہ دور "عہدِ زرّیں" کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاص طور سے ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک کا زمانہ خلاصہ در خلاصہ ہے۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ مدّتِ خلافت تین ماہ کم ۵ سال ہے۔

آپؓ کی خلافت کا بیشتر زمانہ داخلی فتنوں اور خوارج کی شورشوں کے فرد کرنے میں گذرا، جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان اس دور کے اہم ترین المیات ہیں۔ اس صورتِ حال سے فارس اور مشرق کے ممالک نے فائدہ اٹھاتے ہوئے شورش و بغاوت برپا کی اور خود بعض عرب ناعاقبت اندیشوں نے سجستان میں باغیانہ روش اختیار کی، جسے آپ نے پہلی فرصت میں ختم کیا اس کے بعد مکران، قندابیل، قیقان اور سندھ

میں آپ کی مرضی واجازت سے زبردست فتوحات ہوئیں اور بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے، آپ کے دورِ خلافت میں مکران کے آگے سندھ میں مسلمانوں کو خصوصی اقتدار حاصل ہوا اور یہاں کے کئی مقامات مثلاً قیقان وغیرہ پہلی بار خلافت کے زیرِ تصرف آگئے۔

ہندوستان کے مسلمان جاٹ، اور سیابجہ کو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان سے خاص تعلق تھا۔ کئی سندھی باندیاں آپ کے خاندان میں تھیں، جن سے اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس دور میں فوجی ملازمت کے علاوہ شہری ملازمت میں بھی یہ لوگ لیے گئے۔

خلافتِ علوی میں ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کا زمانہ ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا بڑا شاندار اور کامیاب دور ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، رمضان ۴۰ھ میں اہلِ کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، اور ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں بحق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مستعفی ہو گئے، آپ چھ ماہ چند دن تک اس منصب پر رہے، اس مدت میں حضرت حارث بن مرہ عبدیؒ اپنی فوجوں کے ساتھ مکران، قندابیل اور قیقان وغیرہ میں مصروفِ غزوات وفتوحات رہ کر ان علاقوں میں اسلامی شان وشوکت کا جھنڈا لہرا رہے تھے۔ اور اس کے دوسرے سال ۴۲ھ میں بعہدِ معاویہ اسلامی فوج کو اس ملک میں شدید جانی ومالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

مشرقی ممالک اور ہندوستان

خلافتِ راشدہ میں غزوات وفتوحات کے یہ چند رخ نمایاں تھے، مشرقی ممالک کے شمال میں سمرقند وبخارا تک، اور جنوب میں مکران وسندھ تک اور مغربی ممالک میں شمال میں

رومی حدود تک اور جنوب میں افریقہ تک اسلامی فتوحات عام تھیں، شمال مشرق اور جنوب مشرق کے درمیان دریائے سیحون حد فاصل کی حیثیت رکھتا تھا، اس کے شمالی ممالک اور علاقہ جات کو ماوراء النہر کہتے ہیں۔ جس کے بیشتر علاقے کو ہم ترکستان غربی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ترک حکمران تھے۔ اور جنوبی ممالک اور بلاد و امصار میں خراسان، سجستان، کرمان، کابل، قفص (بلوچستان)، مکران اور سندھ کے علاقے قندابیل، قیقان قہرج اور جبال پایہ وغیرہ شامل تھے، یہاں شاہانِ فارس کی حکومت تھی، کابل اور سجستان سے لے کر مکران و سندھ کا درمیانی علاقہ جو مختلف بلاد و امصار پر مشتمل تھا اس زمانہ میں ہندوستان کی شمالی حدود میں شامل تھا، اور اس اعتبار سے ہم اسے قدیم ہندوستان کا علاقہ کہہ سکتے ہیں، ان جنوبی مشرقی ممالک پر ایران کے اکاسرہ قدیم زمانے سے قابض و دخیل تھے اور جس طرح شاہانِ ایران کی زیر دستی اور ماتحتی میں عرب میں آلِ غسان و مناذرہ وغیرہ حکومت کرتے تھے اسی طرح ہندوستان میں مکران سے لے کر سرندیپ تک ان کے باج گذار اور مطیع راجے مہاراجے حکمراں تھے اور مکران شاہ قیقان شاہ، کشمیران شاہ، قفص شاہ، ریحان شاہ کے کسرائی القاب سے خوش و خرم ہو کر ان کی اطاعت کرتے تھے،

جب مشرقی ممالک میں اسلامی فتوحات کا وقت آیا تو سجستان و کابل کی فتوحات میں مکران و سندھ وغیرہ بھی شامل ہو گئے۔ یعنی فارس کا یہ ہندوستانی علاقہ بھی فتح ہوا، اسی لیے بعض مورخوں نے اور علمائے رجال نے کابل وغیرہ کی فتح کو ہندوستان کی فتح کا نام دیا ہے اور کابلی علماء و مجاہدین کو ہندی کی نسبت دی ہے، سجستان و کابل اور سندھ و مکران فتوحات کے سلسلے میں ایک دوسرے سے یوں ملے ہوئے ہیں کہ ان میں باقاعدہ تفریق بہت مشکل ہے، خاص طور سے خلافت راشدہ میں ہندوستان کے ان قدیم علاقوں کے ملکی سیاسی، تمدنی اور حربی امور و معاملات میں جغرافیائی تقسیم آسان نہیں ہے۔ اس لیے

یہ فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ خراسان، سجستان اور کرمان کے امرار و مجاہدین میں سے کون کون حضرات مکران، قندابیل اور سندھ کے علاقوں میں آئے، البتہ جن لوگوں کے نام تاریخوں میں ملتے ہیں اور ان کے فاتحانہ کارناموں کا تذکرہ یہاں کی مہمات میں موجود ہے ان کا آنا یقینی ہے۔

مشرقی فتوحات کے دو مرکز بصرہ اور کوفہ

شاہانِ فارس کے مشرقی علاقوں پر فوج کشی کے لیے ضروری تھا کہ پہلے ان کے ایسے فوجی اور جنگی مرکزوں پر قبضہ کیا جائے جہاں سے وہ اپنے مقبوضہ علاقوں پر قابض و دخیل تھے۔ چنانچہ جب خلافت راشدہ میں اس کی باری آئی تو سب سے پہلے ان ہی فوجی و حربی مرکزوں پر توجہ دی گئی، ایسے مرکزی مقام دو تھے، ایک قدیم ہندوستان کے علاقے میں قندابیل تھا اور دوسرا اس کے سامنے عراق میں اُبلہ تھا، شاہان ایران قندابیل سے سجستان، کرمان، مکران اور سندھ وغیرہ میں کام لیتے تھے اور یہاں بھاری تعداد میں فوج اور سامان جنگ رکھتے تھے، اور اُبلہ کی فوجی و حربی اہمیت اس سے کہیں بڑھ کر تھی، وہاں ہزاروں ایرانی شہ سوار رہا کرتے تھے۔ اور شاہان ایران اس مرکز سے ایک طرف عرب میں اور دوسری طرف ہندوستان میں سرندیپ تک بوقت ضرورت طاقت کا استعمال کرتے تھے۔

جیسا کہ معلوم ہوا عراق کا ساحلی شہر اُبلہ اکاسرہ کا سب سے بڑا فوجی و حربی مرکز تھا اور ایرانی فوج اور اسلحہ کی بھاری تعداد ہر وقت یہاں رہا کرتی تھی، ساتھ ہی قدیم زمانہ سے ہندوستان سے تعلقات کی وجہ سے یہ مقام ارض الہند اور فرج الہند والسند کے نام سے پکارا جاتا تھا، طبری کا بیان ہے:۔

وبالابلۃ خمسمأئۃ من الاساورۃ	اُبلّہ میں پانچ سو ایرانی شہ سوار رہا کرتے تھے
یحمونہا وکانت مرفأ السفن من	جو اس کی نگرانی کرتے تھے، اور یہ مقام چین

الصین وما دونہا[1]	اور اس کے سامنے سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ تھا۔

پھر لکھا ہے:-

وکان فرج الھند اعظم خروج	فرج الہند یعنی اُبلّہ فارس کے مہتم بالشان
فارس شانًا، واشدھا شوکۃ	مرکزوں میں سے تھا یہاں کا حاکم خشکی میں
وکان صاحبہ یحارب العرب	عرب سے جنگ کرتا تھا اور سمندری راہ
فی البرّ و الھند فی البحر[1]	سے ہندوستان میں لڑتا تھا۔

ابن اثیر نے بھی لکھا ہے کہ اُبلّہ کا اسوار (ایرانی حاکم) ہرمز براہ خشکی عربوں سے جنگ کرتا تھا اور بحری راستہ سے ہندوستان میں لڑتا تھا۔[2] آگے چل کر لکھا ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب اُبلّہ کا رخ کیا تو ایک ماہ تک فوج لیے پڑے رہے کیونکہ پانچ سو ایرانی شہسوار اس کی حفاظت کرتے تھے، ایک مرتبہ کسریٰ انوشیروان نے اُبلّہ کی فوجوں کے ذریعہ سرندیپ پر حملہ کرایا تھا اور اس کی فوجوں نے وہاں کے راجہ کو قتل کر کے بہت سا مال کسریٰ کے پاس بھیجا تھا۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ایرانیوں سے باقاعدہ جنگ کا خیال پیدا ہوا تو سب سے پہلے ان کے اسی عراقی دروازہ یعنی اُبلّہ پر قبضہ کیا گیا اور وہاں سے ان کی طاقت ختم کر کے اسی کے قریب بصرہ پھر کوفہ آباد کیا گیا اور یہ دونوں مقام اسلام اور مسلمانوں کے فوجی و حربی مرکز قرار دیئے گئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

کان عتبۃ بن غزوان قد حضر	جس وقت ایرانیوں کو شکست ہو گئی
مع سعد بن ابی وقاص حین	عتبہ بن غزوان رض، سعد بن ابی وقاص رض
ھزم الاعاجم، فکتب عمر بن	کے ساتھ مل گئے، اور حضرت عمر رض نے
الخطاب الی سعد بن ابی وقاص	سعد بن ابی وقاص رض کو لکھا کہ وہ اپنے

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۰۔ [2] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۴۔ [3] تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۱۷۷۔

ان یضرب قیروانہ بالکوفۃ	توجی کاروان کو مقام کوفہ میں روک لیں
وان یبعث عتبۃ بن غزوان	اور عتبہ بن غزوان رضؓ کو ارض الہند
الی ارض الھند، فان لہ	روانہ کر دیں، ان کا اسلام میں بڑا مقام
من الاسلام مکانا شھد	و مرتبہ ہے، وہ غزوہ بدر کے شرکاء
بدرا، وقد رجوت جزءہ	میں سے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے
عن المسلمین والبصرۃ یومئذ	ان کو ظاہری جزا دینا چاہتا ہوں۔
ارض الھند۔ فینزلھا و	اس زمانہ میں بصرہ کو ارض الہند کہتے تھے
یتخذ بھا للمسلمین قیروانا[1]	عتبہ اس جگہ پڑاو ڈالیں اور اسے مسلمانوں
	کے لیے قیام گاہ و مسکن بنائیں۔

اور بلاذری نے لکھا ہے کہ عتبہ بن غزوان رضؓ نے اُبلہ فتح کر کے حضرت عمر رضؓ کو لکھا کہ یہ مقام بحرین، عمان، ہندوستان اور چین کی بندرگاہ ہے[2]، اور ابوحنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ عتبہ بن غزوان رضؓ نے اُبلہ فتح کر کے حضرت عمر رضؓ کو مطلع کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اُبلہ پر فتح دی۔ یہ مقام عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین کے جہازوں کی بندرگاہ ہے[3]۔ امام قاضی ابو یوسف نے بھی کتاب الخراج میں اُبلہ کو فرج ارض الہند یعنی ہندوستان کی دہلیز بتایا ہے[4]۔

فارس کی فتوحات کی ابتدا میں حضرت عتبہ بن غزوان نے اُبلہ کے آس پاس کے علاقے کو ایرانیوں سے لڑ کر حاصل کیا اور اسی جگہ اسلامی فوج کا ایک مرکز بنانا چاہا چنانچہ انہوں نے حضرت عمر کو لکھا کہ اسلامی فوج کے لیے ایک ایسے مرکز کی ضرورت ہے جہاں موسم سرما گذارا جائے اور فارس کی مہمات سے واپسی پر آرام کیا جائے حضرت عمر رضؓ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶۔ [2] فتوح البلدان ص ۳۴۷۔ [3] الاخبار الطوال ص ۱۱۷۔ [4] کتاب الخراج ص ۷۱۔ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۲۹۔

نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم اپنی فوج کو ایسی جگہ رکھو جو پانی اور چراگاہ سے قریب ہو۔ عتبہ نے حضرت عمر کو موجودہ بصرہ کے موقع محل کی اطلاع دی، پھر اسی مقام پر لوگوں نے مکانات بنائے اور عتبہ نے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہ عراق میں مسلمانوں کا پہلا فوجی اور حربی مرکز تھا۔ جو ہندوستان اور ایران کی یلغار سے بچنے اور ان پر حملہ کے لیے ضروری تھا۔ اس کے بعد عراق میں دوسرا فوجی و حربی مرکز کوفہ کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ تم مسلمانوں کے لیے ایک ایسی منزل بناؤ کہ میرے اور اس کے درمیان سمندر حائل نہ ہو۔ چنانچہ حضرت سعد نے کوفہ میں اسلامی فوج اور مسلمانوں کو آباد کیا۔ مختلف قبائل کے الگ الگ منطقے اور علاقے قائم کیے، اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس زمانہ تک حضرت سعد، قادسیہ، مدائن اور جلولاء وغیرہ ایرانی علاقہ جات فتح کر چکے تھے، کوفہ عراق میں مشرقی ممالک کی مہمات کا دوسرا حربی مرکز بنا[1] اور ۲۱ھ کے بعد ان دونوں مرکزوں سے جنوب مشرق میں خراسان سجستان، کرمان، مکران اور سندھ وغیرہ پر شمال مشرق میں ماوراء النہر، کاشغر، سمرقند بخارا ممالک پر حملہ کیا جانے لگا۔[2]

عراق کے دو سواد

عراق کے دو سواد اور منطقے تھے، ایک سوادِ بصرہ اور دوسرا سوادِ کوفہ بصرہ کے سواد میں اہواز، دستمیسان اور فارس شامل تھے۔ اور کوفہ کے سواد میں کسکر، زاب، حلوان، قادسیہ، اعمال عراق، سندھ، ہند، رے، خراسان، دیلم، جبال تھے۔ اور اصفہان گویا عملداری عراق کی ناف تھا۔ عہدِ فاروقی ہی سے عراق کا امیر اور گورنر تمام مشرقی ممالک اور بلاد و امصار کا حاکم ہوتا تھا۔ ان ممالک میں امراء و عمال کا عزل و نصب، فوجی مہمات کی روانگی، شہری انتظامات اور خراج و جزیہ کی وصولی، غرض تمام سرکاری امور عراق ہی کے امیر کی طرف سے اور اسی کی صوابدید اور ذمہ داری میں

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۴۱ و ۲۷۴۔ [2] عیون الاخبار ج ۱ ص

انجام پاتے تھے، البتہ حسب ضرورت خلفاء بھی ان میں دخیل ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ خراسان، سجستان، کرمان، مکران اور سندھ وغیرہ کی فتوحات کو عراق کی فتوحات میں شمار کیا جاتا تھا اور مورخوں نے عام طور سے یہاں کی غزوات و فتوحات کا ذکر عراق کی غزوات و فتوحات کے ضمن میں کیا ہے پھر اموی دور میں عراق کی مرکزیت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور شام کے بعد عراق گویا دوسرا دارالخلافہ بن گیا، اور دوسرے مشرقی ممالک کی طرح سندھ اور ہندوستان میں یہیں سے امراء و عمال کی تقرری اور ہر قسم کی مہمات انجام پانے لگیں۔

سندھ کے فوجی مرکز قندابیل کی معلومات

عرب کے ایرانی مستقر اُبلّہ پر قبضہ کر کے اس کے قریب دو نئے مستقر بنانے کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ ایرانیوں کے ہندوستان کے فوجی اور حربی مستقر قندابیل کی معلومات حاصل کرنی چاہیے۔ قندابیل اِن دنوں صوبہ سندھ کے شمالی علاقہ میں قلات ڈویژن میں واقع ہے، اسے آج کل گنداوہ کہتے ہیں اور یہ مستقل ضلع بنا دیا گیا ہے، اسی میں درہ بولان واقع ہے۔ قلات کا قدیم نام قیقان (کیگان) تھا، اور یہ مقام بھی قندابیل کے بعد بڑی اہمیت و مرکزیت رکھتا تھا، عرب جغرافیہ نویسوں کی تصریحات کی رو سے قندابیل طوران کا مرکزی شہر تھا، اور اسے فوجی و حربی اہمیت حاصل تھی، اور اسی مرکز سے اطراف و جوانب کے تمام علاقے ایرانی شہنشاہیت کے زیر نگیں رکھے جاتے تھے، اس کے مغرب میں کرمان اور سجستان کا ریگستان واقع تھا، مشرق میں بحر فارس تھا جو بعد میں مشرق کے لیے عربوں کی بحری مہمات کا راستہ ثابت ہوا۔ اس کے شمال میں سندھ اور ہندوستان کے علاقے اور جنوب میں مکران اور بلوچستان کا درمیانی صحرا واقع تھا۔[1]

بعض جغرافیہ نویسوں نے قندابیل کو علاقہ بدھ کا دارالسلطنت بتایا ہے، بظاہر

---

[1] المسالک والممالک ص ۷۰۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہر کبھی علاقہ بدھ کا مرکز تھا، جو سندھ اور مکران کے درمیان ایک وسیع علاقہ تھا، مگر بعد میں طوران کا مرکز بن گیا تھا۔ قندابیل ایک پہاڑ پر واقع ہونے کی وجہ سے محفوظ قلعہ اور جنوبی حصّہ کا سب سے بڑا فوجی مرکز تھا۔

ویسے قندابیل اور قیقان کے علاقے خشک و گرم تھے، زمین پہاڑی اور ریگستانی تھی، پانی کی سخت قلت کے ساتھ دریا اور ندیاں بہت کم تھیں اور آبادی عام طور سے بدھ مذہب والوں کی تھی جو نہایت غیر مہذب اور غیر متمدن تھے اور ریگستانوں اور صحراؤں میں پھونس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ صید و شکار ان کا ذریعہ معاش تھا۔

خلافتِ راشدہ میں جب عجم کی فتوحات کا نقشہ تیار کیا گیا اور عرب کے عجمی مرکز پر قبضہ کر کے وہاں طاقت جمع کی گئی تو سندھ کے عجمی مرکز قندابیل کے متعلق بھی غور و فکر ہونے لگا، چنانچہ ان دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق بھی معلومات حاصل کیں، علامہ ابن قتیبہؒ نے عیون الاخبار میں حضرت عمر کے صاحبزادے عبید اللہ سے روایت کی ہے:۔

ان عمر قال: من یخبرنا عن قندابیل؟ فقال رجل: یا امیر المومنین ماؤھا وشل، وتمرھا دقل، و لصھا بطل، ان کان بھا الکثیر جاعوا، وان کان بھا القلیل ضاعوا، قال عمر: لا یسألنی اللہ عن احدٍ بعثتہ الیھا ابداً[1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کون آدمی ہیں قندابیل کے متعلق معلومات دے سکتا ہے؟ تو ایک شخص نے کہا کہ، اے امیرالمومنین! وہاں کا پانی خراب کھجور ردی، اور چور بہادر ہے، اگر وہاں زیادہ آدمی ہوں تو بھوکوں مر جائیں اور اگر کم تعداد میں ہوں تو ختم کر دیئے جائیں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال نہ کرے جسے میں وہاں روانہ کروں۔

[1] عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹۔

ہمارے علم وتحقیق میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہندوستان میں جہاد کے امکانات پر غور کرنے کے لیے اس کے مغربی شمالی فوجی مرکز کے حالات معلوم کیے اور اسلامی فوج کے حق میں وہاں کے حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے قندابیل پر حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتدار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کی سنت کے مطابق بحری حملہ کے خلاف تھے اور مسلمانوں کے جان ومال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنا چاہتے تھے، اس لیے قندابیل پر فوج کشی اس وقت نہیں ہوئی اور اس کے لیے مناسب حالات کا انتظار ہونے لگا، البتہ اس درمیان میں خراسان سجستان اور کرمان وغیرہ پر خلافت کی طرف سے غزوات وفتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر مکران اور سندھ کی طرف باقاعدہ رخ نہیں کیا گیا۔

ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ کا اسلام ١٦ھ

اگرچہ اس وقت قندابیل پر قبضہ نہ ہو سکا مگر عراق میں عجمی غزوات و فتوحات کے دو اہم فوجی مرکزوں کے قیام کے دو ایک سال بعد ہندوستان پر جہاد کے امکانات بہت واضح طور پر یوں سامنے آگئے، کہ ١٦ھ میں ایرانی فوج کے بہت سے سپاہی جن میں ایرانی اور ہندوستانی اساورہ اور سیابجہ وجاٹ شامل تھے برضا ورغبت اسلام قبول کر کے مجاہدین میں داخل ہو گئے اور عجمی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا جب ایران کی فوج میں ذہنی انقلاب پیدا ہوا اور مجاہدین اسلام کے مقابلے میں ایرانی بہادر خود بخود سپر انداز ہو گئے، جن کے خوشگوار اور دور رس اثرات ہندوستان اور ہندوستانیوں پر بھی پڑے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ١٦ھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایران کے شہر سوس کا محاصرہ کیا اور اسلامی فوج کے مقابلہ میں ایرانی فوج سیاہ اسواری کی قیادت میں نکلی، جب سیاہ اسواری نے دیکھا کہ دوسرے علاقوں کی طرح سوس بھی ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے، اور ابو موسیٰ

اشعری کے پاس خلافت کی طرف سے مسلسل فوجی مدد چلی آرہی ہے، اور ایرانی فوج کا حال روز بروز غیر ہوتا جارہا ہے تو اس نے اپنی فوج کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو پیغام بھیجا کہ ہم لوگ ان شرائط پر اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں :-

(۱) اسلامی فوج میں شامل ہو کر آپ کے عجمی دشمنوں سے مقابلہ کریں گے۔

(۲) آپ لوگوں میں باہمی اختلافات کی صورت میں ہم کسی ایک جماعت کے طرفدار بن کر دوسری جماعت سے جنگ نہیں کریں گے۔

(۳) اگر ہم میں اور عربوں میں جنگ ہو تو آپ لوگ ہماری مدد کر کے ہماری حفاظت کریں گے،

(۴) مسلمان ہو جانے کے بعد ہم اپنی مرضی کے مطابق جس شہر میں چاہیں گے سکونت اختیار کریں گے اور مسلمانوں کے جس قبیلہ سے چاہیں گے حلف و دلار اور دوستی کا رشتہ قائم کریں گے

(۵) عام اسلامی فوج کی طرح ہم بھی عطایا و وظائف سے مشرف ہوں گے یعنی ہمارے فوجی حقوق وہی ہوں گے جو عام مسلمان فوجیوں کے ہیں۔

(۶) ہمارے اسلام اور مذکورہ شرائط کے بارے میں جملہ امور و معاملات کو خلیفۃ المسلمین بذات خود طے کریں گے اور ہمارا تعلق براہ راست خلافت سے ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اسلامی فوج کے امیر کی حیثیت سے ان سے کہا کہ ان شرائط کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے اسلام لانے کی صورت میں جو ہمارے حقوق ہیں وہی تمہارے ہوں گے، اور جو ذمہ داریاں ہم پر ہیں وہی تم پر ہوں گی، مگر اس پر سیاہ اسواری اور اس کے سپاہی راضی نہیں ہوئے، آخر کار ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم ان کے تمام مطالبات کو پورا کر کے وہ جو کچھ کہتے ہیں مان لو، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سیاہ اسواری کی فوج

مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں شامل ہو گئی، اور تستر کے محاصرہ میں ابو موسیٰ اشعری کی زیر قیادت اسلامی لشکر کے ساتھ رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ جنگِ سوس کے موقع پر یزدجرد کے میدان چھوڑ کر بھاگنے اور مسلمانوں کی فتح کے بعد سیاہ اسواری نے اپنی فوج کے رؤسا کو جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کی کہ آپ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم آپس میں بات کیا کرتے تھے کہ مسلمان بہت جلد مملکت فارس پر غالب آجائیں گے اور ان کے جانور اور گھوڑے اصطخر کے ایوان میں نظر آنے لگیں گے، مسلمانوں کے غلبہ وظہور کا جو حال ہے آپ تمام لوگ دیکھ رہے ہیں، اب ہم کو اپنے متعلق غور کر کے مسلمانوں کے دین میں داخل ہو جانا چاہیے۔

تمام حاضرین نے سیاہ اسواری کی اس بات سے اتفاق کیا اور اس نے اردشیر کی قیادت میں دس آدمیوں کا ایک وفد ابو موسیٰ اشعری کے پاس بھیجا اور مذکورہ بالا شرائط پر پوری فوج اسلام لائی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ ایرانی فوج کا ایک حصہ مسلمان ہو کر اسلامی غزوہ میں شریک ہوا اور اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی کہ کسی قسم کا شک وشبہ کیا جا سکے، ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری نے سیاہ اسواری سے کہا کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے وہم وگمان کے خلاف نکلے۔ ہم سمجھتے تھے کہ تم لوگ مجبوراً ہمارے ساتھ شریک ہو گئے ہو، مگر ایسا نہیں ہے، سیاہ اسواری نے جواب دیا کہ ہمارے سوچنے سمجھنے کا انداز دوسرا ہے، ہم تو صرف دین کے لیے جہاد میں شریک ہوئے ہیں ہمارے ساتھ عورتیں بھی نہیں ہیں کہ ان پر دشمنوں کے غلبہ کے ڈر سے ہم لڑیں گے بلکہ ہم تو صرف دین کے لیے لڑتے ہیں، ابتدا میں ہم اپنی حفاظت کے خیال سے اسلام میں داخل ہوئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے لیے بڑی خیر عطا کی ہے۔

چونکہ یہ لوگ پہلی آزمائش میں پورے اترے، اس لیے اسلامی فوج کی طرح ان کو بھی

باقاعدہ وظیفہ دیا گیا اور وہ بھی اسلامی فوج کے قانونی عنصر قرار پائے، ایران کی مہمات سے فارغ ہوکر یہ لوگ بصرہ پہونچے اور وہاں مسلمانوں کے ساتھ مستقل سکونت کے خیال سے دریافت کیا کہ یہاں کون قبیلہ نسبی لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قربت رکھتا ہے، لوگوں نے بتایا کہ بنو تمیم یہ مجد و شرف رکھتے ہیں، یہ لوگ ابتدا میں بنو ازد کے حلیف و معاہد اور دوست بنکر ان ہی کے ساتھ رہنا سہنا طے کر چکے تھے، مگر جب یہ معلوم ہوا تو ان کو چھوڑ کر بنو تمیم کے حلیف بن گئے بعد میں سیاہ اسواری اور اس کے تمام ساتھیوں کے لیے بصرہ میں الگ خطے اور مکانات بنائے گئے، جہاں انھوں نے اقامت اختیار کی، اور اپنے علاقہ میں ایک نہر کھودی جسے ان ہی کے نام پر نہر اساورہ کہتے ہیں۔

ان ایرانی اساورہ کے مسلمان ہونے اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے پرجوش اور محبت آمیز استقبال نے عرب کے دوسرے عجمی باشندوں کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق سنجیدگی سے سوچنے کی نئی راہ پیدا کر دی، اور انھوں نے اساورہ کی طرح برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا، چنانچہ عرب کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ بھی مسلمان ہو گئے، اور بصرہ میں آباد ہو کر عزت و احترام کی زندگی بسر کرنے لگے، بلاذری کا بیان ہے کہ سیابجہ اور جاٹ قدیم زمانہ سے عرب کے ساحلی مقامات میں رہتے تھے، اور مویشیوں کیلئے چارہ اور پانی کی تلاش میں خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے تھے۔ بعد میں اساورہ کی طرح وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

فانضمّ الی الاساورۃ السیابجۃ۔ وکانوا قبل الاسلام بالسواحل، و کذٰلک الزط، وکانوا بالطفوف یتتبعون الکلأ، فلما اجتمعت الاساورۃ والزط والسیابجۃ تنازعتہم	سیابجہ جو قبل اسلام کے عرب کے ساحلی مقامات میں رہتے تھے، اور اسی طرح جاٹ جو سواحل میں گھاس چارہ کی جگہوں میں قیام کرتے، مسلمان ہونے والے اساورہ کے ساتھ مل گئے، اور جب بصرہ

بنو تمیم فرغبوا فیھم فصارت الاساورة فی بنی سعد، والزط و السیابجة فی بنی حنظلة فأقاموا معھم یقاتلون المشرکین وخرجوا مع ابن عامر الی خراسان[1]

میں اساورہ، سیابجہ اور جاٹ تینوں تو میں یکجا ہو گئیں تو بنو تمیم نے ان سب کو اپنی طرف کھینچا چنانچہ یہ لوگ بھی ان کی طرف مائل ان کے مختلف بطون میں مل گئے، اساورہ بنی سعد کے ساتھ ہو گئے، اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ میں مل گئے اور ان کے ساتھ رہ کر مشرکوں اور کافروں سے جہاد کرنا شروع کیا اور عبداللہ بن عامر کی امارت میں خراسان کی مہم میں نکلے،

عرب کے ان ہندوستانی جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ ہی وہ جاٹ اور سیابجہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے جن کو ایرانیوں نے گرفتار کر کے اپنی سندھی فوج میں شامل کر لیا تھا، جب ان لوگوں نے اساورہ کے اسلام اور مسلمانوں کی پذیرائی کا قصہ سنا تو وہ بھی ابو موسیٰ اشعری کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے اور ابو موسیٰ اشعری نے اساورہ کی طرح ان کو بھی بصرہ میں آباد کیا، عراق میں اسلامی فوج کے مرکز کا قیام، ایرانی فوج کے اساورہ کا یہ انقلاب' ایرانی فوج کے ہندوستانیوں اور عرب کے جاٹ اور سیابجہ کا اسلام اور پھر بصرہ میں ان سب کا قیام، ان سب باتوں کی وجہ سے مکران اور قندابیل وغیرہ پر فوج کشی کے امکانات شروع ہو گئے، اور دو سال کے اندر ۱۶ھ سے ۱۸ھ تک ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ شاہان ایران کے ہندوستانی مقبوضات میں مجاہدین اسلام کی سرگرمیاں جاری ہو جائیں، مگر اب بھی اس طرف توجہ نہیں کی گئی، یہاں تک کہ ۱۸ھ کے بعد عربوں اور عجمیوں کی آویزش میں

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۶ و ص ۳۶۷

ہندوستان کے راجوں مہاراجوں نے عربوں کے مقابلہ میں کھل کر ایران کی مدد کی، اور سنہ ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں یہ لوگ اپنے تمام جنگی ساز و سامان اور فوجی سپاہیوں کے ساتھ ایرانیوں طرف سے عربوں کے مقابلہ کے لئے پہونچے!

ہندوستان کے راجے مہاراجے اسلامی فوج کے مقابلہ میں سنہ ۲۱ھ	طبری نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم و خبر کے بغیر اسلامی فوج نے حضرت علاء حضرمی رض

کی زیر قیادت فارس کے شہر اصطخر پر حملہ کیا، جس میں ایرانی فوجوں نے اسلامی فوج کو اپنے محاصرہ میں لے کر بہت زیادہ نقصان پہونچایا، جب حضرت عمر رض کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو آپ نے بصرہ سے مدد روانہ کی اس کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں سے اپنے نقصان کا پورا پورا بدلہ لیا، اور ان کے امیر فوج ہرمزان کو بھی زخمی کر دیا۔ اس شکست کے بعد ایرانیوں نے مسلمانوں پر زبردست اجتماعی حملہ کی تیاری کی۔ اور ان کا جوش و خروش اس درجہ بڑھ گیا کہ اطراف و جوانب کے بادشاہوں کو اپنی مدد کے لئے پکارا، اسی سلسلہ میں انھوں نے اپنے قدیم وفاداروں یعنی ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کو بھی آواز دی اور انھوں نے حسب معمول اس پر لبیک کہا، اور چار پانچ سال تک پوری تیاری کر کے سنہ ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں مجاہدین اسلام سے مقابلہ کیا، اس موقع پر طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

کاتبوا ملکھم وھو	جس وقت شاہ ایران مقام مرو میں شکست
یومئذ بمرو فحرکوہ	کھا کر مقیم تھا، ایرانیوں نے اس کو خط
فکاتب الملک اھل	لکھ کر آمادہ کیا اور اس نے باب الابواب
الجبال من الباب والسند	کے علاقہ ترک سے لے کر سندھ، خراسان وحلوان
وخراسان، وحلوان، فتحرکوا	کے علاقہ فارس تک کے تمام بادشاہوں کو
وتکاتبوا، ورکب بعضھم الیٰ	مدد کے لئے خط لکھا جس سے وہ سب حرکت
بعض، فاجمعوا ان یوافوا نھاوند	میں آئے اور آپس میں چھٹیاں کر کے ایک

ویبرموا فیھا امود ھم نتوافی الی نھاوند اوائلھو[1]

نے دوسرے سے تعلق پیدا کیا اور طے کیا کر سب کے سب جنگ نہاوند میں جمع ہوں اور اسی میں اپنا فیصلہ کریں، چنانچہ ان کی پہلی کیمپ نہاوند میں پہونچ گئی

جیسا کہ معلوم ہوا مکران سے سرندیپ تک کے تمام ہندوستانی راجے مہاراجے شاہان ایران کے باج گذار اور وفادار تھے اور حسب ضرورت اپنے اموال اور رعایا سے ان کی مدد کیا کرتے تھے، چنانچہ ۲۰ھ کے بعد دیگر مقامات کے حکمرانوں کی طرح ہندوستان کے یہ راجے مہاراجے بھی ایرانیوں کی مدد اور عربوں سے مقابلہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے، اور ایک راجہ دوسرے راجہ کے پاس اس بارے میں رائے مشورہ کے لئے خطوط اور آدمی بھیجنے لگا یہاں تک کہ ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں ایرانیوں نے اپنی تمام اندرونی اور بیرونی طاقتیں اسلامی فوج کے مقابلہ میں جمع کر لیں، جن میں سندھ کے راجے اور یہاں کے سپاہی بھی تھے۔

اس واقعہ کے بعد اسلامی فوج نے اپنے حربی نقشہ میں ایران کے اہم مقامات کی طرح ہندوستان کے ان مقامات اور راجوں کو بھی درج کر لیا جہاں سے ان کے خلاف مدد آنے لگی تھی اور کھل کر عربوں کے مقابلہ میں صف آرائی کی نوبت آگئی تھی، اب خلافت کو ان کے خلاف تادیبی کاروائی کا موقع ہاتھ آگیا، اور مزید خاموشی مسلمانوں کی ناکامی اور ایرانیوں کی کامیابی کے مرادف تھی، چنانچہ ۲۳ھ میں جبکہ ایرانیوں نے اپنی شکست کے بعد ہندوستان اور دیگر ممالک سے خط و کتابت کر کے مدد حاصل کی مسلمانوں نے بھی اصطخر کے نقصان کی مزید تلافی اور ایرانیوں سے پورے مقابلہ کے لئے ان پر منظم طریقہ سے چوطرفہ بحری حملہ کی تیاری کی، حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ ہی میں بصرہ اور کوفہ کی فوجوں کو تیار کر کے

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۲۰

ان پر امراء مقرر کئے، اور فارس کے جنوب مشرقی علاقہ کے سات مرکزی مقامات پر حملہ کے لئے سات امراء کی زیر قیادت الگ الگ لواء اور جھنڈے تیار کئے، چنانچہ اس سلسلہ میں لواء مکران حضرت حکم بن عمرو ثعلبی رضؓ کے حوالے کیا گیا اور یہ ساتوں مہمات ۱۷ھ میں اپنے اپنے امراء کے ساتھ روانگی کے لئے تیار ہوئیں، مگر قحط عام الرماد اور بعض دوسرے اہم امور کی وجہ سے روانہ نہ ہو سکیں، حتیٰ کہ ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں اس کی باری آسکی۔

یہ پہلا موقع تھا جب کہ خلافت کی طرف سے مکران پر بحری مہم کی روانگی کا اعلان عام ہوا اس سے پہلے حضرت عمرؓ بحری مہمات کے سخت خلاف تھے، اور اس درمیان میں ہندوستان پر بعض غیر سرکاری بحری حملے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے شدت سے اس کی مخالفت کی، ان حالات و واقعات کی کڑی ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کا یہ فیصلہ اور مکران پر حملہ کا منصوبہ ہندوستان کے راجوں کی روش کا عین ردِ عمل تھا، تاکہ ایرانی فوجوں کو یہاں سے مدد نہ مل سکے، اور نہ ہی باب الابواب سے لے کر سندھ و ہند کی فوجی طاقت منظم ہو کر اسلامی فوج کے مقابلہ میں آسکے، مگر ایسے حالات پیدا ہوتے رہے کہ اس فیصلہ کے باوجود خلافت کی طرف سے بلاد فارس اور مکران پر فوج کشی کا موقع نہ مل سکا اور مخالف طاقتیں اس مدت میں پورے طور سے منظم ہو کر ۲۱ھ میں جنگ نہاوند میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئیں، بالفاظ دیگر مسلمانوں کی طرف سے مزید اتمام حجت ہو گئی اور اب ان ایرانی اور ہندوستانی جنگ بازوں سے نبٹنا بالکل ہی ضروری ہو گیا، چنانچہ اس کے بعد ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں مسلمانوں نے خلافت کی طرف سے فارس کے سات مقامات پر ایک ساتھ حملہ کر دیا، جن میں مکران بھی شامل تھا، اور جب اسلامی فوج نے مکران پر حملہ کیا تو حسب مشورہ مکرانیوں کی مدد کے لئے سندھ کا راجہ راسل زبردست فوج لے کر پہونچا اور دریائے سندھ پار کر کے مکرانیوں کے بجائے وہی مسلمانوں کے سامنے آیا، نتیجہ میں سخت معرکہ پڑا اور خرابی بسیار کے بعد راجہ راسل بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا جس میں براہ راست خلافت کی سرکاری فوج

اور ہندوستان کے راجہ کی فوج میں مقابلہ ہوا اور راجہ کی شکست کی صورت میں ہندوستانی مدد کی حقیقت بھی سامنے آگئی۔

اس سے پہلے عراق کے سامنے جو ایرانی بلاد و امصار واقع تھے ان میں مسلمانوں کی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رہا کرتی تھیں اور ان کے اس ضمن میں بعض اوقات ہندوستان کے ان راجوں سے بھی جنگ ہو جاتی تھی، جو اس وقت ایرانی فوج کی مدد کرتے تھے، مگر یہ وقتی مڈبھیڑ غیر سرکاری اور رضاکارانہ و فدائیانہ طور پر ہوا کرتی تھی، اس میں حضرت عمرؓ کی مرضی و اجازت کو دخل نہیں تھا بلکہ اسلامی فوجیں ایران پر حملوں کے سلسلے میں ان کے ہندوستانی مددگاروں کی بھی خبر لیا کرتے تھے، اور جب حضرت عمرؓ کو ان حملوں کی اطلاع ہوئی تو شدت سے منع فرمایا چنانچہ سنہ ۱۹ھ اور سنہ ۲۱ھ کے درمیان مسلمانوں نے اپنے ایرانی مرکز توجّ سے ہندوستان کے تین مرکزی مقامات تھانہ (مہاراشٹر) بھڑوچ (گجرات) اور دیبل (سندھ) پر رضاکارانہ حملے کئے اور فتح پائی، مگر حضرت عمرؓ نے ان کی خبر سن کر شدت سے منع کیا، اور جب باقاعدہ بحری مہمات کا معقول انتظام ہو گیا تو خلافت کی طرف سے یہاں مجاہدین روانہ کئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رضاکارانہ حملے ان ہی راجوں مہاراجوں پر کئے گئے جنھوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کی بڑھ چڑھ کر مدد کی تھی ورنہ سجستان اور کرمان سے متصل ہندوستانی علاقوں کو چھوڑ کر دور دراز مقامات پر حملہ آور ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اگر یہ بات نہیں ہوتی تو اسلامی فوجیں سب سے پہلے قندابیل کو فتح کرنے کی کوشش کرتیں جس کے متعلق حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے معلومات حاصل کی تھیں۔

شہنشاہ یزدجرد کی ہزیمت کے بعد مکران میں | عہد فاروقی میں سنہ ۱۵ھ اور سنہ ۱۶ھ اور سنہ ۱۷ھ کے درمیان فارس میں نہایت شاندار فتوحات ہوئیں اور ایران کی قدیم ترین شہنشاہیت کا کس بل نکل گیا، سنہ ۱۶ھ میں فتح قادسیہ نے مسلمانوں پر فارس کا دروازہ کھول دیا

ایرانیوں نے اس جنگ میں رستم کی قیادت میں بھرپور مقابلہ کی تیاری کی، ایک لاکھ بیس ہزار فوج اور تیس جنگی ہاتھی تھے، اور ایرانیوں کا سب سے بڑا قومی پرچم درفش کاویانی بھی میدان میں لہرا رہا تھا، ادھر مسلمانوں کی فوج صرف نو اور دس ہزار کے درمیان سعد بن ابی وقاص رضؓ کی زیر کمان اپنے پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ میدان میں اتری اور گھمسان کی جنگ کے بعد میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، ایرانیوں میں سپاہیوں اور جنگی سامانوں کے علاوہ کھانے پینے اور نقدی کی بہتات تھی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ان کی خوراک کے لئے حضرت عمر رضؓ مدینہ منورہ سے بکریاں اور اونٹ روانہ کرتے تھے۔

فتحِ قادسیہ کے بعد ہی مدائن اور جلولار کی فتوحات ہوئیں جن کے بعد شاہ ایران یزدجرد بن شہریار کے قدم اکھڑ گئے اور اس نے شاہی خزانہ، شاہی کنبہ اور شاہی فوج لے کر حلوان کی راہ لی، اس سال ایران میں طاعون اور قحط کا بڑا زور تھا، [1]

یزدجرد نے جنوب مشرقی علاقوں کا رخ کیا اور مکران میں پناہ لی، اس لئے اسلامی فوج نے اس کے بعد اپنے دشمن کی اس پناہ گاہ کو ایرانی فتوحات کے مجوزہ نقشہ میں شامل کرلیا، ابو منصور ثعالبی نے تاریخ غرر السیر میں جو کہ شاہان ایران کی تاریخ ہے، لکھا ہے کہ قادسیہ، جلولار اور نہاوند کی فتوحات کے بعد جب عربوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تو یزدجرد کے مشیروں اور خیرخواہوں نے اسے اپنی جان بچانے کے لئے دور دراز علاقوں میں نکل جانے کا مشورہ دیا چنانچہ وہ اس حال میں شاہی کر و فر کے ساتھ مشورہ کے مطابق سجستان و کرمان ہوتا ہوا مکران بھی آیا اور یہاں کے عوام و خواص نے اس سے اظہار ہمدردی کیا، یا بالفاظ دیگر عربوں کے خلاف اپنی مستعدی ظاہر کی۔

فخرج عن دار ملکہ	یزدجرد اپنے دار السلطنت سے نکلا تو اس
ومعہ الف طباخ، والف	کے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار
مطرب، والف فہاد،	موسیقار، ایک ہزار چیتے والے ایک ہزار

[1] فتوح البلدان ص۳۶۲

والف بازیاد، فضلا عمن سواهم، وعندہ انہ فی خف، وسار الی سجستان و منھا کرمان ومکران ثم انعطف الی طبرستان[1]	بازوالے فوج وغیرہ کے علاوہ تھے، مگر اس حال میں بھی یزدجرد دیکھتا تھا کہ اس کے پاس بہت کم سازوسامان ہے، اور پھر وہ سجستان گیا، پھر وہاں سے کرمان اور مکران پہونچا پھر طبرستان کا رخ کیا،

یزدجرد کی آمد سجستان، کرمان اور مکران میں ۲۲ھ کی سات منظم مہمات سے پہلے تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس جس علاقہ میں پہنچا اور جہاں جہاں اس نے عربوں کے خلاف فضا پیدا کی وہاں وہاں ۲۳ھ میں حملہ کیا گیا، چنانچہ اس سال مکران پر بھی کامیاب حملہ ہوا، باغیوں اور دشمنوں کی مدد یہ عجیب بات ہوئی کہ مسلمانوں کی فتوحات دیکھ کر ایرانی فوج کے اساورہ اور ہندوستانی سیابجہ اور جاٹ برضا و رغبت اسلام لے آئے اور اسلامی عنصر میں شامل ہو کر مجد و شرف کے مستحق ٹھہرے، مگر خود ہندوستان کے راجے مہاراجے اور عوام ہوا کا رخ نہ سمجھ سکے، بلکہ آنکھ بند کر کے اپنے آقاؤں کی مدد میں عربوں سے مخالفت مول لیتے رہے، اور شاہ پرستی یا مجبوری کی وجہ سے عربوں سے براہ راست تعلق پیدا نہ کر سکے، حتیٰ کہ مکران میں راجہ راسل کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی ان کی آنکھ نہیں کھلی، اور اس کے بعد بھی ہر معرکہ میں مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کر کے اپنے طرز عمل سے مقابلہ کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ مکران کی جنگ کے زمانہ ہی میں ۲۳ھ میں حضرت سہیل بن عدیؓ نے کرمان پر حملہ کیا تو قفس (بلوچستان) کے لوگوں نے اہل کرمان کی مدد کی طبری کا بیان ہے۔

قد حشد لہ اھل کرمان واستعانوا بالقفس[2]	سہیل بن عدی کے مقابلہ کے لئے اہل کرمان نے پوری تیاری کی اور بلوچیوں سے مدد حاصل کی۔

[1] تاریخ نخر السیر ص ۴۹ مطبوعہ طہران ۱۹۶۳ء [2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۸

اس سے پہلے سنہ ۱۷ھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اہواز میں جنگ کی تو وہاں کے جاٹوں نے مسلمانوں سے شدید مقابلہ کیا، بلاذری نے شوکس عدوی کا بیان نقل کیا ہے۔

اتینا الاھواز، وبھاناس من الزط والاساورۃ فقاتلناھم قتالاً شدیداً[1] — ہم اہواز پہونچے تو وہاں جاٹوں اور اساورہ کی جماعت سے ہماری شدید جنگ ہوئی،

سنہ ۳۱ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ نے قفص و کرمان کو فتح کیا تو شکست خوردہ فوجوں نے ہر موز میں اطراف و جوانب سے طاقت جمع کی، مگر اس بار بھی شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور ان میں ایک جماعت کو مکرانیوں نے پناہ دی بلاذری کا بیان ہے

وھرب کثیر من اھل کرمان فرکبوا البحر، ولحق بعضھم الی مکران واتی بعضھم الی سجستان[2] — بہت سے اہل کرمان سمندری راستہ سے بھاگ کھڑے ہوئے بعض مکران چلے گئے اور بعض سجستان کی طرف نکل گئے،

الغرض ہندوستان کے راجوں مہاراجوں نے ہر موقع پر ایرانیوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور ان کے دشمنوں کو پناہ دی جس کا لازمی نتیجہ ہندوستان پر براہ راست حملہ کی شکل میں نکلا، بعض مغربی اور مقامی مورخوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کے حملہ کے وقت ہندوستان کی طاقت منتشر تھی، یہاں کے راجے مہاراجے ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے تھے بلکہ آپس میں لڑتے تھے اور اپنے مقامی دشمن کے مقابلہ میں عرب مسلمانوں کی مدد کرتے تھے، بلکہ واقعہ اس کے خلاف ہے مکران سے لے کر سرندیپ تک قدیم زمانہ سے کئی بڑی بڑی خاندانی حکومتیں قائم تھیں، اور ان کے افراد مدتوں سے حکومت کرتے تھے ان کے پاس فوج اور سامان جنگ کی فراوانی تھی، اور وہ شاہان ایران کی مدد کیا کرتے تھے، البتہ یہ درست ہے کہ ایران اور روم کی حکومتوں کے مقابلہ میں یہاں کی حکومتیں غیر منظم تھیں، اور قدیم روایات کے مطابق یہاں بہت سے چھوٹے بڑے راجے

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۰، [2] ص ۳۸۴

مہاراجے موروثی سلطنت کے مالک تھے مگر یہ اسی ملک کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ اس دور میں اس قسم کی سلطنتوں کا عام رواج تھا اور ان حکمرانوں میں اکثر عجم اور روم کی شہنشاہیت کی ماتحتی میں مشرقی اور مغربی بلاکوں میں منقسم تھیں

مرتدین عرب کی مدد ہندوستان کے راجوں اور عوام کی اس روش سے زیادہ تعجب خیز رویہ ان ہندوستانیوں کا ہے جو قدیم زمانہ سے عرب کے مختلف علاقوں میں آباد تھے، یا معاشی و تجارتی سلسلہ میں آتے جاتے تھے، انھوں نے خلافتِ صدیقی میں مشرقی عرب کے مرتدوں کا ساتھ دے کر اسلامی فوجوں سے باقاعدہ جنگ کی اور اپنے اسلحہ اور آدمیوں سے ان کی مدد کی جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔

لما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد
خرج الحطم بن ضبیعۃ اخو بنی قیس	بنو قیس بن ثعلبہ کے ایک شخص حطم بن ضبیعہ نے
بن ثعلبۃ فی من تبعہ من بکر بن	ارتداد کا جھنڈا بلند کیا اور بنو بکر بن وائل کے
وائل علی الردۃ ومن تاشب الیہ	مرتدوں اور کافروں میں غیر مرتدوں کو
من غیر المرتدین ممن لم یزل کافرا	لے کر خروج کیا اور قطیف ہجر میں آیا اور
حتی نزل القطیف وھجر، واستغوی الخط	خط کے عربوں اور وہاں کے جاٹوں اور سیابجہ
ومن بھا من الزط والسیابجۃ[1]۔	کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ کر لیا۔

اسی طرح قتالِ مرتدین کے سلسلہ میں یمامہ کی جنگ میں مرتدوں نے ہندوستان کی تلواریں استعمال کیں، اور جب اسلامی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مرتدین کو شکست فاش ہو گئی تو جاٹ اور سیابجہ براہ سمندر اپنے ملک بھاگ آئے۔

ایران اور عرب کے ہندوستانیوں کا یہ رویہ اس حقیقت کے پیش نظر اور بھی ناقابل فہم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان اور عرب کے تعلقات تاریخ کے قدیم دور سے نہایت استوار

---

[1] تاریخ طبری، ج ۳ ص ۲۵۵ و ص ۲۵۶۔

اور خوشگوار تھے، دونوں قومیں ایک دوسرے کے مزاج سے واقف تھیں، دونوں میں آمد ورفت جاری تھی، اور ان میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت پائی جاتی تھی، یہاں کے سادھوؤں سنتوں نے خدمتِ نبوی میں اپنی طرف سے ایک دینی مدمانی وفد بھیجا تاکہ براہ راست اور مستند و معتبر طریقہ سے اسلام کی تعلیمات سے واقفیت ہو اور بعض راجوں نے خدمت نبوی میں از راہ عقیدت ہدیہ اور تحفہ پیش کیا، اس درمیان میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی جس سے جانبین میں شک وشبہ کی فضا پیدا ہو، یا طرفین سے بدگمانی ظاہر ہو، اس کے باوجود عربوں کی اندرونی جنگ اور فتنۂ ارتداد میں یا عجم کے معرکوں میں ہندوستانیوں کا مسلمانوں کے مدمقابل بن کر پورے ساز و سامان کے ساتھ نکل آنا ناقابل فہم بات ہے، چنانچہ اس ناعاقبت اندیشی کا احساس عرب کے ہندوستانیوں اور ایرانی فوج کے ہندوستانیوں کو بہت جلد ہوگیا اور انھوں نے ۱۶ھ میں اجتماعی طور سے مسلمان ہوکر عربوں کو اپنا دوست بنالیا، عربوں نے بھی ان کو سینے سے لگاکر ہر طرح کے مجد و شرف سے نوازا، ان بیرونی ہندوستانیوں نے ہوا کا رخ بہت جلد سمجھ لیا، اور دیکھ لیا کہ ایران کی قدیم و قوی سلطنت مسلمانوں سے ٹکراکر پاش پاش ہورہی ہے اور اب دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوکر رہے گا، بخلاف اس کے ہندوستان کے ذمہ دار اس حقیقت سے صرفِ نظر کرکے آخر وقت تک ایرانیوں سے قصر شاہی کو اپنے اوٹ اور رٹیک کے ذریعہ گرنے سے بچانے کی کوشش کرتے رہے جس کے نتیجہ میں اس کے ملبے کے نیچے آگئے، اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کے باشندے اپنے قدیم ایرانی آقاؤں سے وفاداری کا ثبوت دے کر آخر وقت تک ان کے ساتھ رہے، اگر وہ اس معاملہ میں کامیاب ہوجاتے اور ایرانی سلطنت بچ جاتی تو ایران کی تاریخ میں ان کے کردار کو جگہ ملتی اور ان کی وفاداری اور ہمدردی کی حکایت ثبت ہوتی، مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے وہ ناعاقبت اندیش قرار پائے، فاتحوں اور

مفتوحوں کی تاریخ میں ایسے عیب وہنر قدیم زمانہ سے پائے جاتے ہیں
مسلسل خروج وبغاوت اور بدعہدی راجوں مہاراجوں نے ایک طرف شاہانِ ایران
کی مدد کی اور دوسری طرف جب عربوں نے ان کے بعض علاقے فتح کئے تو طے شدہ شرائط
کا احترام نہیں کیا، اور حربی وعدوں کی خلاف ورزی کی، اقوام وملل کی تاریخ میں یہ
باتیں مفتوح کے حق میں عیب وجرم ہوتی ہیں جب کہ فاتح کے لئے ہنر اور کردار سمجھی جاتی
ہیں چنانچہ ہندوستان کے ذمہ داروں کا یہ کردار عربوں کے نزدیک جرم تھا، اسی
وجہ سے وہ بار بار حملہ کرتے تھے اور شرائط صلح طے کر کے واپس چلے جاتے تھے، حتی کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مکران میں خلافت کی طرف سے باقاعدہ امراء و
عمال کا تقرر ہوا، عہد فاروقی میں مکران فتح ہوا اور جزیہ اور خراج وغیرہ پر معاملہ طے ہوا
مگر مقامی باشندوں نے موقع پاتے ہی خروج وبغاوت کی روش اختیار کی، نتیجہ یہ ہوا
کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں یہاں کے حالات کی تحقیق کرائی، اور شدید فوجی کاروائی
کر کے مکران سے کابل تک کا تمام سرکش علاقہ طاقت کے زور سے زیر کیا، اور مکران میں
مستقل امراء مقرر کئے، ورنہ اس سے پہلے یہاں امراء وعمال کی تقرری نہیں ہوتی تھی
یہ پہلا موقع تھا کہ مکران میں یکے بعد دیگرے تین عمال رکھے گئے، مگر حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں
پھر یہاں کے لوگوں نے بدعہدی کر کے تمام معاہدات وشرائط ختم کر دئے، یا یوں کہئے کہ
اپنی آزادی کا علم بلند کیا جس کے بعد حضرت حارث بن مرہ عبدی نے بلاد مکران کے
ساتھ سندھ کا شہر قندابیل اور "قیقان" وغیرہ کو فتح کیا، اس طرح کم از کم تین بار
خلافتِ راشدہ میں شرائط ومعاہدات کی خلاف ورزی پر مکران اور سندھ میں فوجی
مہمات آئیں، نیز دوسرے مقامات کے لوگوں کا یہی رویہ رہا چنانچہ بلوچستان (قُفْص)
پہلی بار عہد فاروقی میں کرمان کے ضمن میں حضرت سہیل بن عدی اور نسیر بن ثور عجلی
کے ہاتھوں فتح ہوا، مگر بعد میں بدعہدی ہوئی تو عہد عثمانی میں دوبارہ بلوچستان کی طرف

توجہ کرنی پڑی اور حضرت مجاشع بن مسعودؓ سلمیؓ نے خراسان و سجستان کی جنگ کے سلسلہ میں
اسے بھی رام کیا، اسی طرح سجستان کی حدود میں واقع سندھ کا ایک علاقہ عہد فاروقی
میں حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا، مگر یہاں کے باشندے عہد عثمانی
میں اپنے وعدوں سے پھر گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے سجستان کی جنگ کے ضمن میں
اس علاقہ کو دوبارہ زیر نگیں کیا، الغرض خلافت راشدہ میں مکران اور سندھ میں مسلمانوں
کے لئے سکون واطمینان کی صورت پیدا نہیں ہوئی اور خراسان، سجستان، کرمان وغیرہ فتح
ہو جانے کے بعد بھی انکے حق میں ہندوستان غیر اطمینان بخش علاقہ رہا، مگر اس کے باوجود انھوں نے
یہاں اپنی آبادیاں قائم کیں بود وباش اختیار کی۔ اور مکران اور قندابیل میں اپنے لئے دو مرکز
بنائے جن کی حیثیت ہندوستان میں دارالامارۃ کی تھی، کیونکہ وہ اس یقین کے ساتھ یہاں آئے
تھے کہ ہم کو یہاں رہنا ہے اور اس ملک کے عوام وخواص تک ایمان کی امانت پہونچانی ہے،
اسی لئے ان حالات میں بھی مسلمانوں نے اپنے حربی کردار پر حرف نہیں آنے دیا اور ان کے
ایفائے وعدہ اور شروط ومعاہدات کے احترام کا یہ حال تھا کہ ان ہی ایام میں یعنی ۲۳ھ
میں حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ نے زرنگ کا علاقہ مقامی باشندوں سے چند شرائط پر فتح کیا
جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ یہاں کے بنجر علاقے اور میدان چراگاہ رہیں گے اور ان
پر مسلمان نہیں قابض ہوں گے، مسلمانوں نے اس شرط پر اس شدت سے عمل کیا کہ جب وہ
میدان کی طرف نکلتے تھے تو ڈر ڈر کر قدم رکھتے تھے کہ کہیں چراگاہ میں ہمارا قدم نہ پڑ جائے
اور ہم نے اہل زرنگ سے جو وعدہ کیا ہے اس کے احترام میں فرق آجائے۔

فکان المسلمون اذا خرجوا تناذروا — مسلمان باہر نکلتے ہوئے ڈرتے تھے کہ
خشیۃ ان یصیبوا منھا — ان چراگاہوں اور میدانوں کے بارے
شیئا فیخفروا [1] — میں ہم سے وعدہ خلافی نہ ہو جائے

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱، والبدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۲۔

جس قوم نے حالت صلح و جنگ میں اپنے کردار پر حرف نہ آنے دیا ہو وہ اپنے دشمنوں سے بھی اسی کردار کی توقع رکھتی تھی مگر افسوس کہ یہاں معاملہ اس کی امید کے برخلاف ہوا اور بار بار تادیبی کاروائی کرنے پر بھی اس میں فرق نہیں آیا، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں اسی غدر اور بدعہدی کی وجہ سے اسلامی فوج کو زبردست جانی نقصان برداشت کرنا پڑا اور سرزمین قیقان میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مجاہدین اسلام اپنے امیر کے ساتھ شہید ہو گئے ظاہر ہے کہ ان حالات میں کوئی فاتح قوم خاموش نہیں رہ سکتی، اور اپنے بڑے دشمن کو ختم کرنے کے بعد چھوٹے دشمن کی اس طرح کی جرات و جسارت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتی

ہندوستان میں غزوات کے توقف کے اسباب مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی فضیلت و بشارت سنائی تھی اور کئی صحابہ کبار یہاں کے جہاد میں شرکت کی آرزو کرتے تھے، مگر واقعہ یہ ہے کہ کئی ایرانی علاقے فتح کر لینے کے بعد بھی مسلمان براہ راست بحری فوجی مہم روانہ کرنے پر تیار نہ تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری مہمات کی روانگی کے حق میں نہیں تھے اور جب تک بحری بیڑے کا معقول انتظام نہ ہو مسلمانوں کی جان کو خطرات میں ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے دور میں یہ کام نہیں ہوا تھا اس لئے وہ بحری مہم کے خلاف تھے، طبری نے ۱۵ھ سے پہلے حضرت عمرؓ کے رویہ کے بارے میں تصریح کی ہے۔

وکان عمرؓ لایاذن لاحد فی رکوبہ غازیا، یکرہ التغریر بجندہ استنانا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وبابی بکر[1]	حضرت عمرؓ کسی کو بحری راستہ سے جہاد کی اجازت نہیں دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے اسوہ کو سامنے رکھ کر یہ اقدام ناپسند کرتے تھے۔

چنانچہ ان ایام میں جب حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی امیر بحرین و عمان نے توجہ کی راہ

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۱۳۔

ت ہندوستان کے ساحلی مقامات پر حملہ کیا اور تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر وہ اور انکے دونوں بھائی حکم بن ابوالعاصی ثقفی رض اور مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفی رض نے فوج کشی کر کے فتح حاصل کی تو حضرت عمر رض نے اس اقدام کے خلاف اپنی شدید برہمی کا اظہار فرمایا، حضرت عثمان ثقفی رض کو اس واقعہ کے بعد جو خط لکھا اس میں ان کے یہ الفاظ تھے،

یا اخا ثقیف! حملت دودًا علیٰ عودٍ، وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا الاخذت من قومک مثلهم[1]	اے ثقفی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالہ کر دیا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کا نقصان ہوا تو ان کے برابر تمہاری قوم بنو ثقیف سے بدلہ لے لوں گا،

اس کے بعد حضرت عمر رض نے ہندوستان پر فوج کشی سے منع فرمادیا تھا

مکران اور سندھ کے ناگفتہ بہ حالات اس کے علاوہ مکران اور سندھ وغیرہ کے علاقے ہر اعتبار سے ناگفتہ بہ حالت میں تھے، یہاں ریگستان، صحرا اور پہاڑ تھے، کھانے پینے کی شدید قلت تھی، معاشی بدحالی کے ساتھ معاشرتی بدحالی بھی کچھ کم نہ تھی، عام باشندوں کا معیارِ زندگی نہایت پست تھا ان کے قول و قرار کا کوئی اعتبار نہیں تھا اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے طور طریقہ سے ناواقفیت عام تھی، فوج اگر کم تعداد میں ہو تو دشمن اسے لقمہ تر بنالیں، زیادہ ہو تو کھانے پینے کی تنگی کی وجہ سے اپنی موت آپ مر جائے ان حالات میں ہندوستان میں فوجی مہم روانہ کرنا بڑا مشکل کام تھا، خلفائے راشدین نے بار بار یہاں کے حالات معلوم کئے اور آنے جانے والوں سے پتہ چلایا مگر ہر مرتبہ ایک ہی قسم کی باتیں معلوم ہوئیں چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر رض نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں سندھ کے شہر قندابیل کے متعلق پتہ چلایا تو بتایا گیا کہ

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۰۔

یا امیرالمؤمنین! ماؤھا وشل، وتمرھا دقل	اے امیرالمومنین! وہاں کا پانی ردی کھجور
ولصھا بطل، ان کان بھا الکثیر جاعوا	خراب، اور چور بہادر ہے، اگر وہاں فوج
وان کان بھا القلیل ضاعو!	زیادہ ہو تو بھوکی رہے اور اگر کم ہو تو ضائع ہو جائے

یہ حالات سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ یہاں فوج کشی نہیں کرنی ہے کیونکہ ان خطرناک حالات و مقامات میں اسلامی فوج کو روانہ کرنا اس کو ہلاکت کی دعوت دینا ہے اور اس وقت فرمایا کہ۔

لایسألنی اللہ عن احدٍ بعثتہ الیھا	اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی ایسے شخص کے بارے
ابداً۔ [1]	میں سوال نہ کرے جسے میں وہاں بھیجوں؛

مگر اس کے چند ہی سال کے بعد پھر حضرت عمرؓ نے ایک موقع سے ہندوستان کے حالات معلوم کئے، یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری کو عراق کا گورنر بنا کر ان کی ماتحتی میں ربیع بن زیاد حارثیؓ کو کرمان اور مکران پر فوج کشی کے لئے امیر مقرر کیا اور ابوموسی اشعری کو لکھا کہ وہ ہندوستان، مکران، کرمان اور عراق وغیرہ کے حالات کا پتہ لگائیں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عثمان بن ابوالعاصی ثقفیؓ اور ان کے بھائی حکمؓ اور مغیرہؓ نے یہاں کے تین مقامات پر بحری حملے کر کے فتح پائی تھی اور بقول صاحب چچ نامہ مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفیؓ دیبل میں شہید کر دئے گئے تھے، جب اس بار بھی یہاں کے نامناسب حالات معلوم ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ایسے اقدام سے شدت سے منع فرمایا، اس موقع پر صاحب چچ نامہ نے لکھا ہے "وہم در خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بعراق نامزد شدہ بود، وربیع بن زیاد حارثی را در خیل او بہ کرمان و مکران نصب کردند، و بجانب ابوموسی اشعری از دارالخلافہ نبوشتند کہ از حالِ ہند و کرمان و عراق اعلام دہ، چون حال ابن ابی العاصی معلوم شد کہ ہند و سندرا رائے پیدا آمدہ کہ تمرد و تعند می کنند

---

[1] عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹

وطریقہ عصیان در دل دارد، ابو موسیٰ اشعری آن حال را بہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ
بنوشت و اعلام داد، و از غزو ہند منع بلیغ فرمودند [1]

اس کے بعد ۱۷ھ میں مشرقی ممالک میں بحری مہمات کی روانگی طے ہوئی اور عام
روایت کے مطابق ۲۳ھ میں بیک وقت سات مقامات پر براہ سمندر فوجیں روانہ
کی گئیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی اس کے باوجود حضرت عمر رضؓ سندھ و مکران کے
حالات سے مطمئن نہیں تھے چنانچہ جب حضرت صحار عبدی رحؒ مکران کی فتح کی بشارت اور
غنیمت لے کر دربار خلافت میں پہونچے تو حضرت عمر رضؓ نے پھر ان سے بھی مکران کے بارے
میں سوال کیا اور صحار عبدی رحؒ نے وہی جچا تلا جواب دیا جو حضرت عمر اس سے پہلے قندابیل
کے بارے میں سن چکے تھے، بلکہ اس کے آخر میں نہایت اہم جملہ یہ بھی تھا۔

وما ورائها شرٌ منها۔ — اور اس کے پیچھے کے علاقہ کے حالات اس سے بھی برے ہیں

جس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کے ان شمالی مغربی ساحلی مقامات کے بعد
اس کے اندرونی علاقے اور بھی خطرناک ہیں، حضرت عمر رضؓ نے یہ روداد سن کر فرمایا کہ تم شاعری
کر رہے ہو یا خبر دے رہے ہو؟ صحار نے کہا خبر دے رہا ہوں اس پر حضرت عمر نے فرمایا

واللہ لا یغزوها جیش لی — خدا کی قسم جب تک میری اطاعت کی جائے گی
ما اطعت۔ — میری فوج وہاں جہاد نہیں کرے گی

اور مکران کی فوج کے امیر حضرت حکم بن عمرو تغلبی رضؓ اور کرمان کی فوج کے امیر حضرت
سہیل بن عدی رضؓ کو لکھا کہ

ان لا یجوزن مکران احد من جنودکما — تم دونوں کی فوج کا کوئی سپاہی مکران سے
واقتصرا علی ما دون النهر [2] — آگے نہ بڑھنے پائے، بلکہ تم لوگ دریائے سندھ
کے اسی پار رک ہو جاؤ۔

---

[1] چچ نامہ ص ۷۳، [2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۳

چنانچہ خلافت فاروقی میں مکران سے آگے پیش قدمی نہیں کی گئی، حالانکہ مکران کی فتح کے بعد اسلامی فوج کے حوصلے نہایت بلند ہو گئے تھے، اور وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے مگر خلافت کی ممانعت سے مجبور تھے، چنانچہ فتح مکران کے بعد امیر لشکر حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ نے جو اشعار کہے تھے ان میں ایک شعر یہ بھی تھا

فلولا ما نهى عنه اميرى　　قطعناه الى البلد الزوانى

اگر میرے امیر و خلیفہ نے پیش قدمی سے روکا نہ ہوتا تو ہم مکران کے آگے سندھ میں بجیر واکے بت خانے تک پہنچ جاتے

۲۳ھ سے ۳۱ھ تک کا جائزہ ۲۳ھ میں مکران فتح ہوا، اور اسی سال کے آخر میں حضرت عمرؓ کی شہادت ہو گئی، اور محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران سندھ و مکران کے حالات پھر خراب ہو گئے اور حضرت عثمان کو از سرِ نو یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی پڑیں تاکہ اسی کی روشنی میں آگے قدم اٹھایا جائے، چنانچہ خلافت عثمانی کی ابتدا میں حضرت حکیم بن جبلہ عبدی نے مکران آکر یہاں سے ہر طرح کی معلومات حاصل کیں اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہونچ کر کہا کہ

يا امير المؤمنين! قد عرفتها وتنحرتها.　　اے امیر المؤمنین! میں نے ثغر ہند کے بارے میں پوری معلومات بہم پہونچائی ہیں۔

پھر وہی تمام مسجع کلمات دہرائے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے یہاں کے بارے میں مشہور تھے، حضرت عثمان نے بھی مصلحت یہی سمجھی کہ فی الحال وہاں فوجی مہم نہ بھیجی جائے چنانچہ اس وقت کوئی کاروائی نہیں کی گئی [۱] مگر چار پانچ سال کے بعد ۲۹ھ میں سندھ و مکران سجستان اور خراسان کی سرکشی اور بغاوت کے خلاف حضرت عثمان نے نہایت منظم اور کامیاب فوج کشی کرائی، عمیر بن عثمان بن سعد نے خراسان سے شمال میں فرغانہ تک

---

[۱] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۹۷ و فتوح البلدان ص ۴۲۱

کا علاقہ فتح کیا، عبداللہ بن عمیر لیثی نے سجستان سے کابل تک کو رام کیا اور عبیداللہ بن معمر تیمی نے مکران سے دریائے سندھ تک کے علاقہ پر قبضہ کیا، اس کے بعد حضرت عثمان نے مشرقی ممالک کے حربی اور انتظامی معاملات میں مناسب تبدیلی کر کے ہر علاقہ پر امیر و حاکم مقرر کیا، اور بوقت ضرورت ان مقامات کے امراء و عمال میں تغیر و تبدل فرمایا، اس سلسلہ میں فتح مکران ۲۹ھ سے شہادت ۳۵ھ تک پانچ چھ سالہ مدت میں مکران میں تین عمال مقرر کئے، پہلے امیر عبیداللہ بن معمر تیمی فاتح مکران تھے، دوسرے امیر عمیر بن عثمان بن سعد ہوئے حضرت عثمان نے ان کو خراسان سے ہٹا کر مکران میں مقرر کیا اور عبداللہ بن معمر تیمی کو یہاں سے ہٹا کر فارس کا امیر بنایا اور تیسرے امیر سعید ابن کندیر قشیری تھے جو حضرت عثمان کی شہادت کے وقت مکران کی امارت پر موجود تھے، اس طرح ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک یہ علاقہ باقاعدہ خلافت راشدہ کی ماتحتی میں رہا اور امراء و عمال یہاں کام کرتے رہے، اسی لئے امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں افریقہ اور خراسان کی طرح سندھ کے بعض علاقوں کو فتوحات عثمان میں شمار کیا ہے [1]

حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بعد پھر سندھ و مکران کے حالات ابتر ہو گئے، مرکز میں باہمی مشاجرات کی وجہ سے ان علاقوں میں خود سری اور سرکشی کی ہوا چل پڑی اور مکران میں پھر بغاوت ہو گئی اس لئے بقول خلیفہ بن خیاط ۳۶ھ میں یا بقول بلاذری ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کی ابتداء میں حضرت حارث بن مرہ عبدی نے حضرت علیؓ کی اجازت سے فدائیوں کی بھاری تعداد لے کر مکران کا رخ کیا اور جنوب میں بلاد قندابیل جبال اور قیقان تک فتوحات حاصل کر کے تین چار سال کے ابتر حالات کو تیزی سے درست کر لیا جس وقت اسلامی فوج بڑھ بڑھ کر بغاوت کو فرو کر رہی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت (رمضان ۴۰ھ) ہو گئی اور اس کی خبر سن کر مجاہدین اپنے مرکز مکران واپس آ گئے [2]

ان تفصیلات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کا معاملہ اس دور میں

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۵۶ [2] چچ نامہ ص ۷۷ و ص ۸۷

مسلمانوں کے حق میں کس قدر پیچیدہ اور کٹھن تھا، ایک طرف یہاں کے راجے مہاراجے پورے طور سے شاہان ایران کی مدد میں مسلمانوں سے نبرد آزما تھے ۔ دوسری طرف یہاں ظروف و احوال کی ناگواری اس درجہ تھی کہ ادھر کا رخ کرنا گویا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، آب و ہوا کی ناموافقت، اشیاء خورد و نوش کی قلت، عوام کی نامناسب افتاد طبع، اور راستوں کی مشکلات یہ تمام چیزیں کسی منظم اقدام کے حق میں نہیں تھیں، مگر چونکہ مسلمانوں کا مقصد ملک گیری، جبایت اموال اور حکمرانی نہیں تھا بلکہ دین و ایمان کی تبلیغ واشاعت اور اسلام کی امانت دنیا میں پہونچانی تھی، اس لئے انھوں نے اس دور دراز، دشوار گذار اور زندگی کی عام قدروں سے محروم ملک کو اپنے اقدامی نقشہ میں رکھا، ورنہ یہاں کے ناگفتہ حالات سے ان کو بھی معلوم تھا کہ اس میں کوئی مادی فائدہ نہیں ہے بلکہ ملوکیت و وجاہت کے اعتبار اپنا ہی نقصان ہے اور اس ملک سے کچھ لینے کے بجائے اسے کچھ دینا ہی پڑے گا، مسلمانوں کے لئے یہ شکل بہت آسان اور نفع بخش تھی کہ ایران کی قدیم شہنشاہیت پر قبضہ کر کے ہندوستان کے راجوں مہاراجوں سے قدیم اصول پر معاملے کر لیتے، اور ان کی مدد سے وسط ایشیا میں اپنا اقتدار قائم رکھتے، اگر ان میں ملک گیری اور مال و زر کی ہوس کام کرتی تو وہ نہایت آرام و عافیت کے ساتھ صلح و مصالحت اور عہد و پیمان کر کے یہاں سے فائدہ اٹھاتے رہتے، مگر چونکہ مسلمانوں کو توحید و رسالت کا کام کرنا تھا اس لیے انہوں نے یہاں کی ہر طرح کی ناگواری اور دشواری کو برداشت کر کے اپنا کام کیا، خود عرب میں بھی فتنہ ارتداد کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر مرتدوں سے صلح و مصالحت کر کے امن و عافیت کو پسند نہیں کیا، بلکہ بحق اسلام ان سے جہاد کیا، اور تن آسانی و سہل پسندی کے بجائے عزیمت و استقامت سے کام لیا ۔

خلافت راشدہ کی ہندوستان میں فتوحات کی تعداد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے مکران اور سندھ کی فتوحات درحقیقت خراسان و سجستان اور کرمان وغیرہ کی فتوحات کا تتمہ و تکملہ تھیں اور ان کا

شمار مشرقی ممالک کی فتوحات میں ہوتا تھا اس کے باوجود مکران اور قندابیل وقیقان وغیرہ کو ثغر ہندوسندھ میں شمار کر کے ان کو ایک جدا ملک مانا جاتا تھا۔ اور خلافتِ راشدہ ہی میں مکران اور سندھ کو ہندوستان کا علاقہ قرار دے کر یہاں کے حربی اور انتظامی امور و معاملات کو خراسان و سجستان سے علحدہ کیا گیا، اور یہاں مستقل امرار و اعمال رکھے گئے ان حالات میں یہاں کی فتوحات کو جنوبی مشرقی ممالک کی فتوحات سے الگ کرنا ایک گونہ مشکل ہے، اور تحقیق کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دورِ خلافت میں یہاں کی فتوحات کی تعداد کیا ہے اور فتوحات بامارت میں یہاں کون کون حضرات تشریف لائے، البتہ اس زمانہ کی تقسیم کو ملحوظ رکھ کر مکران اور سندھ کے حدود اور ان کی فتوحات کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

یوں تو کابل تک تمام علاقہ قدیم زمانہ میں ہندوستان میں شامل تھا مگر ذہنی اور سرکاری طور سے مکران کے بعد جنوب میں سندھ اور ہندوستان (بشمولیت ہند و پاکستان) کا ملک مانا جاتا تھا اور اس زمانہ کے کرمان، بامیان، قفص اور سجستان کے جنوبی علاقے مکران اور سندھ میں داخل تھے، چنانچہ آج بھی پورا قفص (بلوچستان) پاکستان میں شامل ہے، اس لئے ان شمالی ممالک کے جنوب میں جو فتوحات مکران و سندھ کے حدود میں ہوئی ہیں ہم ان کو بھی یہاں کی فتوحات میں شمار کرتے ہیں، اور اس طرح سے خلافت راشدہ میں تقریباً پندرہ فتوحات ہوئی ہیں،

عہد فاروقی میں (۱) تھانہ (۲) بھڑوچ (۳) دیبل (۴) مکران کی پہلی فتح (۵) مکران کی دوسری فتح (۶) بلوچستان (۷) سجستان سے متصل علاقہ سندھ کی فتوحات،

عہد عثمانی میں (۸) مکران (۹) بلوچستان (۱۰) سجستان کے متصل سندھ کے علاقہ داور کی فتوحات (۱۱) فہرج کی فتح (۱۲) قندابیل کی پہلی فتح۔

عہد علوی میں (۱۳) مکران (۱۴) قندابیل (۱۵) قیقان کی فتوحات، ان میں عہد فاروقی کی پہلی تین فتوحات مطوعانہ و فدائیانہ تھیں اور ایران میں جہاد کرنے والی فوجوں کے

بعض دستوں نے اپنے طور پر اور اپنی صوابدید سے ان میں حصہ لیا تھا، باقی دس فتوحات سرکاری تھیں اور ان کے بارے میں خلافت سے باقاعدہ اجازت دی گئی تھی البتہ آخر کی تین فتوحات کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صرف مرضی اور اجازت کافی سمجھی گئی اور ان کی حیثیت بھی سرکاری رہی۔

(۴)

غزوات وفتوحات

قدیم زمانہ سے ملک عرب کا شمالی مشرقی حصہ اور پورا مشرق یون شاہان فارس کے اثرونفوذ کے ماتحت تھا کہ عراق، بحرین، قطیف، دارین، ہجر سے کریمن کا پورا علاقہ شاہان فارس کی ماتحتی میں ملوک عرب یا ابنائے فارس کے قبضہ میں تھا عراق کے سامنے فارس میں قادسیہ مدائن اور جلولاء وغیرہ ایران کے مشہور فوجی اور مرکزی مقامات واقع تھے جو عربوں کی بالکل زد پر تھے، مگر چونکہ وہ ایرانی شہنشاہیت کے رعب وداب اور اثر واقتدار سے ایک گونہ مرعوب رہتے تھے اس لئے انھوں نے اپنی سرحدوں سے متصل ایرانی علاقوں پر کبھی نظر نہیں ڈالی۔

مشرقی ممالک سے چھیڑ چھاڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے تمام علاقے جن میں مشرقی عرب کے کئی ایرانی مقبوضات بھی شامل تھے فتح ہو گئے تھے، البتہ عراق اور شام میں فارس و روم کے علاقے اس میں شامل نہیں تھے، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی علاقوں پر توجہ فرمائی اور جنگ یرموک کے بعد جیش اسامہ کی تیاری کی مگر آپ کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الاخری ۱۳ھ) خلیفہ ہوئے خلافت صدیقی میں ارتداد کا خطرناک فتنہ اٹھا اور اس میں اکثر عرب علاقے خصوصاً مشرقی علاقے اسلام سے برگشتہ ہو گئے جس کو فرو کرنے میں حضرت ابوبکرؓ نے بڑی ہمت وجرأت سے کام لیا خلافت صدیقی کا بیشتر زمانہ اسی فتنہ کے استیصال میں گذرا، البتہ آخر میں جب اس طرف سے اطمینان ہوا تو عراق وشام کی طرف توجہ ہوئی اس دوران میں مسلمانوں کو وہ پیشین گوئیاں اور بشارتیں بار بار یاد آتی رہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کی فتوحات اور کسریٰ کی ہلاکت

کی خبر دی تھی، اور خود ایرانی شہنشاہیت ان نشانیوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد سے مختلف صورتوں میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی تھیں، حتیٰ کہ اسی مرعوبیت اور خوف کی وجہ سے کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک کر دیا، اور آپ نے فرمایا کہ اس کسریٰ کی ہلاکت کے بعد دوسرا کسریٰ ایران میں نہیں ہو سکے گا چنانچہ عہد صدیقی میں فارس کی قدیم شہنشاہیت کا زوال شروع ہو گیا اور اکیس سال کی عمر میں یزدجرد ایران کی قسمت کا مالک بنا، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے فارس کی شہنشاہیت میں ابتری اور مسلمانوں میں فتنۂ ارتداد کے استیصال کے بعد تازگی دیکھ کر ایک جماعت تیار کی اور عرب سے متصل ایرانی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ حیرہ کی سمت سے اور حضرت سوید بن قطبہ عجلی رضی اللہ عنہما ابلہ کی طرف سے اپنے اپنے آدمیوں کو لے کر ایرانی شہروں پر چھاپہ مارتے، اور عرب کے صحراؤں میں چلے جاتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال مرتدین کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایران کی مہم پر روانہ کیا اور مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ ان کی فوج میں شامل ہو جائیں۔ [1]

الغرض عہد صدیقی کے آخر میں فارس سے باقاعدہ نبرد آزمائی شروع ہو گئی، اور جب عہد فاروقی میں فارس کا علاقہ فتح ہوا تو اسی سلسلہ میں مکران اور سندھ میں فتوحات کی باری آئی،

عہد صدیقی میں فتحِ مکران کی روایت اور اس پر تنقید	عہد صدیقی میں نہ فارس کا کوئی علاقہ فتح ہوا اور نہ ہی مکران یا ہندوستان کے علاقہ میں مجاہدین اسلام آئے

بلکہ ان دونوں مقامات میں عہد فاروقی میں فتوحات ہوئی ہیں، علامہ ابن اثیر نے حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں تصریح کی ہے۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۱۱۱، البلاذری ص ۸۷

وان فتح فارس من خلافة ابی بکر	فارس کی فتح کو خلافت صدیقی سے کیا تعلق،
فتحت فارس ایام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ[1]	فارس تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوا ہے۔

مگر معلوم نہیں کیسے یعقوبی نے اپنی تاریخ میں سنہ وار واقعات لکھنے کے التزام کے باوجود مکران اور اس کے حدود کے فتح ہونے کی روایت عہد صدیقی میں درج کی ہے، اور لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابوالعاصی رضی اللہ عنہ کو مکران کے علاقہ میں بھیجا اور انھوں نے وہاں فتوحات حاصل کیں چنانچہ عہد صدیقی کی فتوحات میں تصریح کی ہے۔

وبعث ابوبکر عثمان بن ابی العاص، ومن بعہ عبد القیس، فسار فی جیش الی توّج فافتتحھا وسبیٰ اھلھا، وافتتح مکران ومایلیھا[2]۔	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابوالعاص کو جہاد پر روانہ کیا اور ان کے ساتھ بنو عبد القیس تھے چنانچہ انھوں نے ایران کے مقام توج پر فوج کشی کر کے اسے فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو قیدی بنایا اور مکران اور اس کے اطراف کو بھی فتح کیا۔

حالانکہ یہ واقعہ عہد فاروقی کا ہے جیسا کہ تمام مورخوں نے تصریح کی ہے کہ ۱۵ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن ابوالعاصی رضی اللہ عنہ کو طائف کی امارت سے منتقل کر کے بحرین و عمان کا امیر بنایا اور انھوں نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصی رضی اللہ عنہ کو بلا کر مقامی حالات درست کیے پھر ایران کے مرکزی شہر توج پر قبضہ کر کے وہاں مسلمانوں کا پہلا مرکز بنایا اس کے بعد عثمان، حکم اور مغیرہ تینوں بھائیوں نے تھانہ بھڑوچ اور دیبل پر حملہ کر کے فتوحات حاصل کیں مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ یعقوبی نے عہد فاروقی میں عثمان بن ابوالعاصی کی فتح مکران کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اس لئے یہ عبارت عہد صدیقی کے بجائے عہد فاروقی میں

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۰۔ [2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱۔

ہونی چاہیے اور اس میں "ابوبکر" کے بجائے "عمر بن خطاب" ہونا چاہیے، یعقوبی سے ایسی غلطی کا سرزد ہونا سمجھ میں نہیں آتا، ہوسکتا ہے کہ بعد کے کسی نسخہ میں یہ واقعہ عہد فاروقی سے پہلے عہد صدیقی میں درج ہوگیا ہو، اور "عمر بن خطاب" کے بجائے "ابوبکر" لکھ گیا ہو، تاریخ یعقوبی کے یورپ اور بیروت کے مطبوعہ نسخوں میں یہ واقعہ اسی طرح درج ہے جو خلاف واقعہ ہے

فتنہ ارتداد میں عرب کے ہندوستانیوں کی شرکت

عہد صدیقی میں ہندوستان میں نہ غزوہ ہوا اور نہ ہی فتح حاصل ہوئی، البتہ عرب میں ہندوستان کے لوگوں سے جنگ ہوئی اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں نے فتح پائی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ عراق سے لے کر مشرقی عرب کے ساحلی علاقوں میں ہندوستان کے جاٹوں اور سیابجہ کی بڑی تعداد رہتی تھی اور جب وہاں پر ارتداد کی وبا پھوٹی تو انھوں نے مرتدوں کے ساتھ ہوکر اسلامی فوج کا مقابلہ کیا، اور ان کو آدمی اور سامان جنگ دیئے، مگر مرتدوں کی طرح ان کو بھی شکست فاش ہوئی اور وہ بھی اپنے ملک ہندوستان کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوئے، تاریخ طبری میں ہے۔

لما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج الحطم بن ضبیعة اخو بنی قیس بن ثعلبة فی مَن تبعه مِن بکر بن وائل علی الردة، ومن تاشب الیه من غیر المرتدین ممن لم یزل کافراً، حتی نزل القطیف وهجر، واستغوی الخط، ومَن بها مِن الزط والسیابجة[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنی قیس بن ثعلبہ کے ایک شخص حطم بن ضبیعہ نے بنو بکر بن وائل اور اب تک کافر رہنے والوں کی جماعت کو لے کر ارتداد پر کمر باندھی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر قطیف اور ہجر میں آیا اور مقام خط میں جو جاٹ اور سیابجہ آباد تھے ان کو گمراہ کیا،

حضرت ابوبکرؓ نے حطم بن ضبیعہ اور دوسرے مرتدین سے قتال کے لئے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت فوج روانہ کی اور انھوں نے ان کو شکست دی، اس کے بعد ان

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۵ و ص ۲۵۶، و کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۱

کا ایک بہت بڑا گروہ دارین کی بندرگاہ پر آیا اور کشتیوں پر سوار ہو کر اپنے اپنے وطن کی طرف بھاگا اسی کے ساتھ ہزیمت خوردہ کفار و مشرکین بھی اپنی قوم اور اپنے وطن کی طرف چلے گئے [1] ان میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ بھی تھے جو اب تک غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مجوسیوں کی طرح اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے اور مسلمانوں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، اس زمانہ میں عرب کے مشرقی ساحل پر دارین ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھی اور بڑی تعداد اور بھاری مقدار میں ہندوستان کے لوگ اور سامان تجارت رہا کرتے تھے، اور تجارتی کشتیوں کے ذریعہ عرب و ہند کے درمیان آمد و رفت جاری تھی۔ اس فتنہ میں مرتدوں نے ہندوستانیوں سے آلات جنگ بھی حاصل کیے اور ان کو اسلامی فوج کے مقابلہ میں استعمال کیا، خاص طور سے اہل یمامہ نے یہاں کے لوگوں سے ہندی تلواریں لیں، جب اہل یمامہ کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولیدؓ اپنی فوج لے کر آرہے ہیں تو انھوں نے مقابلہ کی پوری تیاری کی، حضرت خالد کو دور ہی سے بستی کے باہر تلواروں کی چمک نظر آئی اور انھوں نے اپنی فوج سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی طرف سے تم لوگوں کو مطمئن کر دیا ہے، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ان کی تلواریں آپس ہی میں چل رہی ہیں؟ میرا خیال ہے کہ ان میں اختلاف ہو گیا ہے، اور وہ آپس میں لڑ پڑے ہیں، ان باتوں کو سن کر حضرت مجاعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد سے کہا۔

کلا، ولکنها الهندوانية، خشوا تحطمها فابرزوها للشمس لتلين متونها [2]	نہیں نہیں یہ ہندی تلواریں ہیں، ان کو ڈر تھا کہ زنگ کی وجہ سے ٹوٹ جائیں گی اس لئے ان کو دھوپ میں ڈال کر نرم و تیز کر رہے ہیں

عرب میں زمانہ قدیم سے ہندی تلواریں اپنی برش و جوہریت میں مشہور تھیں اور مختلف ناموں سے یاد کی جاتی تھیں جیسے ہندی، مہند اور ہندوانی، زہیر بن ابی سلمٰی نے کہا ہے

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۹، [2] فتوح البلدان ص ۹۸

کالهند دانی لایخزیك مشهده   وسط السیوف اذا ما تضرب البهم

جب اسلحہ ہند نوجوانوں سے جنگ کی باری آئے تو تلواروں کے درمیان ہندی تلوار تم کو رسوا نہیں ہونے دیگی

عرب اور ہندوستان میں اس کے اثرات ونتائج | عرب کے یہ جاٹ اور سیابجہ قدیم زمانہ سے امن وعافیت کی زندگی بسر کرتے تھے، اور تمام عرب پر اسلامی اقتدار وقبضہ کے باوجود مسلمانوں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ غیر عرب ہونے کی وجہ سے وہ اپنے قدیم مذہب اور رسم ورواج پر قائم رہے، مگر انھوں نے اسلام کے خلاف پہلے فتنہ میں جس کی حیثیت خانگی اور قومی قضیہ کی تھی دشمنوں کا ساتھ دیا، مسلمانوں کے حسن سلوک کا یہ کچھ اچھا بدلہ نہیں تھا، اس کے نتیجہ میں ان کو عرب چھوڑ کر ہندوستان آنا پڑا، مگر اس صورت حال کا ایک اچھا رخ یہ نکل آیا کہ انھوں نے یہاں آکر مسلمانوں کے عقائد واعمال اور بہادری وجانبازی کا تذکرہ کیا اور یہاں کے باشندے اپنے آدمیوں کے ذریعہ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے کردار سے مزید واقف ہوئے اور مخالفانہ انداز بیان میں بھی اہل نظر کو کچھ اہم باتیں معلوم ہوگئیں، اور جس مقصد کے لئے عہد رسالت میں سرندیپ سے ایک مذہبی وفد مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا، اس کی واپسی سے پہلے ہی اس کی بعض باتیں معلوم ہوگئیں، جن سے یہاں کے سنجیدہ اور مذہبی طبقہ نے اچھا اثر لیا نیز حدود عراق میں رہنے والے جاٹ اور سیابجہ نے ہجر اور خط وغیرہ کے جاٹ اور سیابجہ کے اس اقدام اور اس کے انجام سے یہ اثر لیا کہ اس واقعہ کے تین چار سال کے بعد عہد فاروقی میں وہ سب کے سب برضا ورغبت اسلام میں داخل ہوگئے اور سنہ ۱۶ھ میں ایرانی فوج کے اساورہ کو دیکھ کر انھوں نے بھی اسلام اور اسلامی معاشرہ میں عزت واحترام کا مقام حاصل کر لیا۔

عہد صدیقی میں عرب کے ان ہندوستانیوں کے طرز عمل کا اثر طبعی طور سے مسلمانوں کے دل پر پڑا ہوگا اور عجب کیا ہے کہ انھوں نے اس معاندانہ اقدام کو شدت سے محسوس کرکے اپنے فاتحانہ عزائم کے سامنے ہندوستان کو بھی رکھ لیا ہو جس کے نتیجہ میں چند ہی سال کے بعد عہد فاروقی میں اسلامی فوج کے چند دستوں نے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل

پر حملہ کرکے ان سے انتقام لیا ہو، عہد فاروقی میں مکران کے باقاعدہ حملے سے پہلے ان تینوں مقامات پر عربوں کے حملہ آور ہونے کی وجہ غالباً یہی تھی، ورنہ ظاہر یہ ہے کہ ان کو اندرونِ ہند ان ساحلی علاقوں کے دور دراز سفر کرنے کے بجائے، ایرانی حدود سے متصل مکران و سندھ کی طرف رخ کرنا چاہئیے تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتال مرتدین میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے والے جاٹ اور سیابجہ ان ہی علاقوں سے تھے، اور شکست کے بعد تھانہ، بھڑوچ اور دیبل چلے آئے تھے۔

ایران کی ابتدائی فتوحات میں ہندوستان کی فتوحات کے امکانات

ہندوستان پر ان غیر منظم اور ابتدائی غزوات و فتوحات کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت (جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳ھ تا ذوالحجہ سنہ ۲۳ھ) کے ابتدائی دور ہی میں فارسی کی مہمات تیز کر دی گئیں، عہد صدیقی سے حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضؓ اور حضرت سوید بن قطبہ عجلی رضؓ اپنی اپنی جماعت لے کر حیرہ اور ابلہ کے سامنے ایرانی علاقوں میں چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، اسی درمیان میں بحرین کے حاکم حضرت علاء بن حضرمی رضؓ نے اپنی امارت کے آخری ایام میں سنہ ۱۴ھ حضرت ہرثمہ ابن عرفجہ بارقی ازدی رضؓ کو بلاد ایران کی مہم پر روانہ کیا اور ہرثمہ نے ایک جزیرہ فتح کیا، اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی سنہ ۱۵ھ کے آخر یا سنہ ۱۶ھ کے شروع میں سوق اہواز کو فتح کیا ان ایام میں سنہ ۱۶ھ حضرت ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ میں فتح مبین پائی، اور "باب مملکۃ الفرس" مسلمانوں کے سامنے کھل گیا، یزدجرد کی تخت نشینی اور ایران کی اندرونی ابتری کے بارے میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو اطلاع دے کر ایران پر فوج کشی کا مشورہ دیا تھا اور حضرت عمر رضؓ نے محضر صحابہ سے مشورہ کرکے حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی امارت میں مہم روانہ کی تھی اسی اثنار میں حضرت عمر رضؓ نے حضرت علاء بن حضرمی رضؓ کو بحرین سے علیحدہ کرکے حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہ کو طائف سے بلا کر بحرین و عمان کی

امارت پر روانہ کیا، انھوں نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاصی ثقفی کو بھی بلالیا اور سال دو سال میں دونوں بھائیوں نے بحرین و عمان کے حالات درست کر لیے، حضرت علاء رضؓ کی زندگی قتال مرتدین اور ایرانیوں کی چھیڑ چھاڑ میں گذری تھی، بحرین کی امارت سے علحدگی کے بعد ایرانی علاقوں کی فتوحات خصوصاً قادسیہ کی فتح نے حضرت علاء کے مجاہدانہ حوصلہ کے لئے مہمیز کا کام کیا اور ۱۷ھ میں حضرت عمر رضؓ کی مرضی ومشورہ اور اجازت کے بغیر اہل بحرین کو جہاد پر آمادہ کر کے حضرت جارود بن معلیٰ، حضرت سوار بن ہمام عبدی، اور حضرت خلید بن منذر ساوی رضی اللہ عنہم کی قیادت میں بحرین کے راستہ سے ایران میں فوجی مہمات روانہ کیں اور خود اس فوج کے امیر بنے، مقام اصطخر میں ایرانی فوجوں سے پہلی مڈبھیڑ ہوئی جس میں ایرانی فوجوں نے اسلامی فوج کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا، جب حضرت عمر رضؓ کو اس سانحہ کی خبر ملی تو آپ نے ان کی مدد کے لئے بصرہ سے تازہ دم فوج روانہ کرائی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، یہ پہلا موقع تھا جبکہ اسلامی فوج بھاری تعداد میں بحری راستہ سے ایران میں داخل ہوئی اور اسے نقصان اٹھانا پڑا، حالانکہ اس سے پہلے قادسیہ اور سوق اہواز وغیرہ میں مسلمانوں کو کھلی ہوئی کامیابی ہوئی تھی، اس حادثہ کے بعد ایران پر باقاعدہ سرکاری سطح پر بحری حملے کے بارے میں غور کیا گیا، اس سے پہلے حضرت عمرؓ اس کے حق میں نہیں تھے اور اسلامی فوج کا ان حالات سے دوچار ہونا پسند نہیں کرتے تھے، جن کا سامنا حضرت علاء اور ان کی بحری فوج کو اصطخر میں کرنا پڑا، مگر اب اس پر غور ہوا اور بعض حالات کی بنا پر ۲۳ھ میں بیک وقت ایران کے سات مقامات پر بحری فوج کشی کی گئی جن میں مکران بھی شامل تھا۔

مگر اس درمیان میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ہندوستان سے خصوصی دلچسپی پیدا ہو گئی اور ان کے فاتحانہ عزائم اس کی سمت اڑنے کے لیے پر تولنے لگے، بلکہ یہاں کے کئی مقامات پر انھوں نے حملہ بھی کر دیا، خلافت فاروقی کے دوسرے سال ۱۵ھ میں

میں مسلمانوں نے عراق کے ایرانی مرکز اُبلّہ کو فتح کر کے اسی کے قریب بصرہ کے نام سے اپنی فوجی چھاؤنی قائم کی، اور بلاد فارس کے سامنے اپنی حربی طاقت کا مستحکم قلعہ تیار کر لیا جو اس سے قبل چین، فارس اور ہندوستان کے تجارتی جہازوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھا اور ان ممالک کے لوگ اور سامان تجارت یہاں آتے جاتے تھے، اسی لئے اُبلّہ کو ارض الہند اور فرج ارض الہند کے نام سے یاد کرتے تھے، چنانچہ اسی کے بعد حضرت عمرؓ نے سندھ کے قدیم فوجی اور مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہاں پر فوج کشی کے امکانات پر غور فرمایا مگر یہاں کے نامناسب حالات کی بنا پر اس طرف فی الحال توجہ نہیں کی [1]

نیز اسی دوران میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سوچنے اور سمجھنے کے لئے ایک نئی راہ کھل گئی، ۱۶ھ میں ایران کے شہر سوس کے محاصرہ کے وقت ایرانی فوج کے بہت سے اسوار یعنی شہ سوار سیاہ اسواری کی قیادت میں مسلمان ہو کر عجم کی اسلامی فوج کے ساتھ مل گئے اس کے بعد عراق اور دوسرے علاقوں کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ بھی اجتماعی طور سے برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اساورہ کی طرح انھوں نے بھی اسلامی فوج میں شامل ہو کر اپنی بہترین خدمات پیش کیں، اور کہنا چاہیے کہ عہد صدیقی میں جاٹوں اور سیابجہ کے غلط اقدام کی وجہ سے عرب کے ہندوستانیوں کی حیثیت کو جو زد پہونچی تھی عہد فاروقی میں انھوں نے مسلمان ہو کر اس کا تدارک کر دیا، ان لوگوں کے مسلمان ہونے اور اپنے کو فوجی خدمت کے لئے پیش کرنے کی وجہ سے یقیناً مسلمانوں کو ہندوستان میں جہاد کے لیے مزید امکانات نظر آئے ہوں گے، اور ان نومسلم ہندوستانی مجاہدین نے بھی ان میں زور پیدا کیا ہوگا، [2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۶، فتوح البلدان ص ۳۳۰، الاخبار الطوال ص ۱۱۷، عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹ [2] فتوح البلدان ص ۳۶۶ و ص ۳۶۸

ایران کے ہندوستانیوں پر فتح و غلبہ

ہندوستان کے جاٹ بڑے جنگ جو اور جنگ باز تھے اور ایران کے مختلف علاقوں میں ان کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ ایرانی فوج میں بھی تھے، ایران کے بعض علاقے جاٹوں کی کثرت اور قدیم آبادی کی وجہ سے ان کے نام پر مشہور تھے، ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ فارس میں حومۃ الزط اور خابران دو نام کا ایک علاقہ تھا اور اس کے دو حلقے دو دریاؤں کے کنارے پر واقع تھے، یہ مقام اہواز سے سترہ فرسخ دوری پر تھا[1]

۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ نے اہواز میں جہاد کیا تو یہاں کے جاٹوں سے سخت جنگ ہوئی، شویس عدوی کا بیان ہے کہ ۱۷ھ میں ابوموسیٰ اشعری نے اہواز میں جنگ کی، اور جب ہم لوگ وہاں پہونچے تو وہاں کے اساورہ اور جاٹوں (زط) نے ہم سے مقابلہ کیا اور ہم نے ان سے سخت جنگ کے بعد فتح پائی اور بہت سے اساورہ اور جاٹ کو گرفتار کر کے اسلامی لشکر میں تقسیم کیا[2] حضرت ابوموسیٰ کے ہاتھ پر ایرانی اساورہ اور ہندوستانی سیابجہ اور جاٹوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد ایران کے ان جاٹوں کی شکست اور غلامی یقیناً مسلمانوں کے ارادوں میں طاقت کا باعث بنی ہوگی۔ نیز ۱۷ھ میں ایک اور اہم واقعہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی نظر خاص طور سے ہندوستان کی طرف اٹھنے لگی، اور انھوں نے یہاں پر جہاد کا ارادہ کیا، صورت یہ ہوئی کہ ۱۷ھ میں جب حضرت علاء بن حضرمی نے اصطخر پر حملہ کیا اور اسلامی فوج ایرانیوں کے نرغے میں گھر گئی، اور حضرت عمر رضہ نے بصرہ سے بھاری تعداد میں فوج بھیج کر نہ صرف اسلامی فوج کو بچایا بلکہ اسلامی فوج نے ایرانی فوج کے افسر ہرمزان کو بھی اپنی زد میں لے کر زخمی کر دیا، اس واقعہ سے ایرانیوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید جوش و خروش پیدا ہو گیا اور انھوں نے شمال میں باب الابواب سے لے کر جنوب میں سندھ

---

[1] المسالک والممالک ص ۴۳ و ص ۴۴ [2] فتوح البلدان ص ۳۰۰

تک کے تمام بادشاہوں اور راجوں کو اپنی مدد کے لئے پکارا اور ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے باب الابواب، خراسان، حلوان اور سندھ وغیرہ کے تمام حکمران اور ان کے نمایندے جنگی آدمیوں اور سامان کے ساتھ جنگ نہاوند (۲۱ھ) میں پہونچے اور اسلامی فوج سے مقابلہ کیا، [۱] اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے بھی اسی سال بحری مہمات کی روانگی اور بیک وقت فارس کے سات مرکزی مقامات پر فوج کشی کا انتظام کیا جس میں ہندوستان کے ان راجوں مہاراجوں کے خلاف تادیبی کاروائی بھی شامل تھی جنھوں نے ان کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا اور جنگ نہاوند میں ایرانیوں کی طرف سے حصہ لیا تھا ان تمام واقعات کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہاں واقعات کے تسلسل کے خیال سے مختصر طور پر ان کا بیان کر دیا گیا ہے،

تھانہ، بھڑوچ اور دیبل کی فتوحات ہندوستانیوں کی طرف سے عہد صدیقی میں مرتدین کی طرفداری اور عہد فاروقی میں ایرانیوں کی طرفداری کی وجہ سے عربوں کو ان کے بارے میں اپنا ذہن بدلنا پڑا، اور ہزاروں سال کے گوناگوں تعلقات کا لحاظ پاس جب ایک طرف نہیں رہا تو دوسری طرف سے بھی جوابی کاروائی کی بات ہونے لگی، چنانچہ جس زمانہ میں اسلامی فوجیں اپنے اپنے امراء کی قیادت میں فارس کے مختلف مقامات کو فتح کر رہی تھیں ان میں سے ایک لشکر کے امیر نے اپنی صوابدید سے ہندوستان کے مختلف ساحلی مرکزوں پر فوج کشی کر دی اور ایران کی جنگ کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے بھی جنگ کی ابتداء ہو گئی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفیؓ کو طائف کی امارت سے نکال کر حضرت علاء بن حضرمیؓ کی جگہ بحرین و عمان کا امیر مقرر کیا، انھوں نے اپنے بھائی حکم بن ابو العاصی ثقفیؓ کو بھی بلا لیا، اور دونوں بھائیوں نے دونوں صوبوں کے نظم و نسق کو درست کر کے دیگر امراء و مجاہدین کی طرح ایران پر

[۱] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۲۰

فوج کشی کردی اور حکم بن ابوالعاصی رضؓ یا خود عثمان بن ابوالعاصی رضؓ نے عبدالقیس، ازد، تمیم اور بنو ناجیہ وغیرہ بحرین وعمان کے قبائل کی ایک بھاری فوج تیار کرکے براہ سمندر ایران کی طرف کوچ کیا اور وہاں کے ساحلی مرکزی شہر توج کو فتح کرکے اسے اسلامی شہر اور فوجی چھاؤنی قرار دیا، اور بنو عبدالقیس وغیرہ کو آباد کرکے مسلمانوں کے لئے مکانات بنائے اور مسجدیں تعمیر کیں، اور اس مرکز سے اطراف وجوانب کے بلاد وامصار میں اپنی جولانی دکھائی، یہ حدود سنہ ۱۹ھ کا واقعہ ہے، اس کے بعد ایرانی غزوات وفتوحات کے ضمن میں ہندوستان میں غزوات وفتوحات کی باری آئی۔ ان کا تذکرہ مندرجہ ذیل مورخوں نے اپنے اپنے انداز میں کیا ہے،

علامہ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں عثمان بن ابوالعاصی ثقفی رضؓ کو بحرین وعمان کا امیر مقرر کیا، انھوں نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصی ثقفی رضؓ کو بلاکر بحرین روانہ کیا، اور خود عمان پہونچ کر ایک لشکر تھانہ کی طرف روانہ کیا، جب یہ لشکر واپس آیا تو عثمان رضؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی خبر دی، اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے لکھا کہ "اے ثقفی! تونے کیڑے کو لکڑی پر سوار کرکے سمندر کے حوالہ کردیا ہے۔ خدا کی قسم اگر مسلمانوں کو نقصان پہونچا تو میں تمہاری قوم قبیلۂ ثقیف سے ایک ایک کا بدلہ لوں گا، نیز عثمان رضؓ نے اپنے بھائی حکم رضؓ کو بھڑوچ کی طرف روانہ کیا اور دوسرے بھائی مغیرہ رضؓ کو دیبل کی مہم پر بھیجا جہاں انھوں نے دشمن سے مقابلہ کرکے فتح پائی[1]

مورخ احمد بن یعقوب یعقوبی نے عہد صدیقی میں غزوہ اجنادین کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے عثمان بن ابوالعاصی رضؓ کو قبیلۂ عبدالقیس کی جمعیت کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ کیا، انھوں نے توج فتح کرکے وہاں کے باشندوں کو قید کیا اور مکران اور اس کے اطراف وجوانب کو بھی فتح کیا[2] اس روایت پر کلام گذر چکا ہے اور یہ عہد فاروقی کا واقعہ ہے اور مکران ومایلیھا سے مراد دیبل وغیرہ کے حدود ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲، [2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱ (لیڈن)

امام ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے جمہرۃ انساب العرب میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن ابو العاصیؓ بہترین صحابہ میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طائف کا امیر مقرر فرمایا تھا، انھوں نے فارس میں اور ہندوستان کے تین شہروں میں جہاد کیا اور ان کی بہت سی فتوحات ہیں، ؎۱ یہ ہندوستان کے تین وہی شہر ہیں جن کے نام بلاذری نے درج کئے ہیں، یعنی تھانہ، بھڑوچ اور دیبل،

یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ نے معجم البلدان میں خود دیبل کے بیان میں تصریح کی ہے کہ دیبل کی کھاڑی سندھ کی جانب واقع ہے، اور دیبل بحر ہند کے ساحل پر ایک شہر ہے، عثمان بن ابو العاصیؓ نے اپنے بھائی حکمؓ کو یہاں جہاد کے لئے بھیجا جسے انھوں نے فتح کیا ؎۲ یاقوت نے یہاں کے تین تحقیقی فتوحات میں صرف دیبل کی فتح کو بیان کیا ہے اور حکم کا نام لیا ہے جب کہ اس سے پیشرو مورخ بلاذری نے مغیرہ کے نام کی تصریح کی ہے۔

شیخ علی بن حامد کوفی اوچی نے چچ نامہ میں (تصنیف ۶۱۳ھ میں) لکھا ہے کہ ہندوستان اور سندھ میں سب سے پہلے جہاد عہد فاروقی ۱۵ھ میں ہوا حضرت عمرؓ نے عثمان بن ابو العاصیؓ کو بحرین روانہ کیا، اس کے بعد وہ ایک لشکر لے کر عمان روانہ ہوگئے اور بحری بیڑا اور سامان جہاد تیار کر کے اس لشکر کو اپنے بھائی مغیرہ بن ابو العاصیؓ کی قیادت میں بحرین بھیجا تاکہ مغیرہؓ وہاں سے دیبل کی طرف روانہ ہوں اس زمانہ میں سندھ کا راجہ چچ پسر سیلائج نامی تھا اور اس کی سلطنت پر پینتیس سال گذر چکے تھے، دیبل کے عام باشندے تاجر تھے، اور راجہ چچ کی طرف سے وہاں کا حاکم سامہ پسر دیوائج نامی ایک شخص تھا، جب اسلامی لشکر دیبل میں پہونچا تو وہاں کے حاکم نے شہر پناہ کے باہر نکل کر مقابلہ کیا، ثقیف کے ایک راوی کا بیان ہے کہ جس وقت سندھی فوجوں اور اسلامی فوجوں میں مقابلہ ہوا مغیرہ بن ابو العاصی نے اپنی تلوار کھینچی، اور بسم اللہ وفی سبیل اللہ کہہ کر میدان جنگ میں کود پڑے اور لڑتے

؎۱ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶، ؎۲ معجم البلدان ج ۳ ص ۱۰۴

لڑتے لڑتے شہید ہو گئے [1] اس روایت میں مغیرہؓ کی شہادت کی تصریح خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہے، بلاذری کا بیان گذر چکا ہے کہ وہ دیبل کے جہاد سے مظفر و منصور واپس ہوئے تھے، نیز اس میں تھانہ اور بھڑوچ کی فتوحات کا تذکرہ نہیں ہے،

بہرحال ہندوستان کے تین مرکزی مقامات میں عہد فاروقی میں سرکاری جہاد سے پہلے جہاد کی یہ روایات ہیں جنھیں بلاذری، یعقوبی، ابن حزم، حموی اور علی بن حامد اوچی نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، جن میں بلاذری نے تین مقامات کے ناموں کی تصریح کی ہے اور علامہ ابن حزم نے اجمالی طور سے "وثلاثۃ من بلاد الھند" لکھا ہے، اور حموی اوچی نے صرف دیبل کا نام لیا ہے، غالباً ان شہروں کے باشندوں نے عہد صدیقی میں مرتدوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے دشمنی یا ان کی بد دلی مول لی تھی، اور ان ہی علاقوں کے راجوں نے عہد فاروقی میں ایرانیوں کا ساتھ دے کر نہاوند کی جنگ میں مسلمانوں سے مقابلہ کیا تھا۔ ان تین غزوات و فتوحات کے زمانہ کی صحیح تعین مشکل ہے، بلاذری اور اوچی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۵ھ یا اس کے معاً بعد کا ہے، ہم نے اپنی کتاب "عرب و ہند عہد رسالت میں" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں اسی کو مانا تھا، بعد میں "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" میں ۱۵ھ اور ۲۱ھ کے درمیان مانا اور قرین قیاس و تحقیق یہی ہے کیونکہ یہ واقعہ فتح توج کے بعد کا ہے اور خلیفہ بن خیاط کی تصریح کے مطابق ۱۹ھ میں توج آباد کیا گیا اور وہیں سے سواحل پر فوجی مہمات کا سلسلہ جاری ہوا خلیفہ نے لکھا ہے۔

وفیھا نزل عثمان بن ابی العاصی توج و مصّرھا و بعث سوار بن ھمام العبدی	۱۹ھ میں عثمان بن ابو العاصی رضؓ نے توج آکر اسے آباد کیا، اور سوار بن ہمام عبدی کو

[1] چچ نامہ ص ۷۲، و ص ۷۳۔

الی سابور، فقتل فی عقبۃ الطین، واغار عثمان علی سیف البحر والسواحل[1]

سابور کی مہم پر بھیجا جہاں وہ عقبۃ الطین نامی مقام میں شہید ہو گئے اور عثمان رضؓ نے سمندر کے سواحلی مقامات پر یلغار کی،

نیز اسی سال حضرت عثمان بن ابو العاصیؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اصطخر پر فوج کشی کی اور جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو دونوں حضرات کے مشورہ سے اسلامی فوج نے اطراف و جوانب کے علاقوں پر یلغار کر کے اپنے لیے سامانِ رسد مہیا کیا، بہت ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ نے توّج کے مرکز سے سواحل میں جو مہمات روانہ کی تھیں، ان ہی میں ہندوستان کے یہ مقامات شامل رہے ہوں، یا پھر اصطخر کے محاصرہ کے دوران اسلامی فوج کے دستوں نے یہاں بھی حملے کئے ہوں۔

موجودہ زمانہ کے بعض عرب فضلاء نے تھانہ کی فتح کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ بنو عبد القیس نے سواحل ہند پر پے در پے حملے کئے اور جزیرۂ سیلان کو فتح کیا جسے بلاد یاقوت بھی کہتے ہیں یہ تصریح قدماء کی تصریحات کے خلاف ہے اور جب تک اس پر دلائل و شواہد نہ ہوں صحت میں تامّل رہے گا، چونکہ توّج کی فوج میں بحرین و عمان کے بنو عبد القیس، بنو تمیم، بنو ازد اور بنو ناجیہ وغیرہ شامل تھے اور اسی فوج کے سپاہیوں نے ہندوستان کے سواحل پر فتوحات حاصل کی تھیں اس لئے اس ملک میں سب سے پہلے ان ہی قبائل کے مجاہدین کے قدم آئے، اور قبیلہ ثقیف کے آل ابو العاصی میں سے تین بھائی عثمانؓ، حکمؓ اور مغیرہؓ ان کے امیر تھے، ان تینوں امرائے لشکر کے علاوہ اور کسی کا نام معلوم نہیں، ان تینوں غزوات و فتوحات کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے اور ہر کتاب میں اجمالی طور سے ان کا ذکر ہے، البتہ ادبی کے بیان میں دیبل کی جنگ میں مقامی حاکم سے جنگ کا تذکرہ ہے، تھانہ بمبئی سے متصل موجودہ مہاراشٹر کا آخری شمالی شہر ہے جو سمندر کی ایک خورد (کھاڑی) واقع ہے، بھڑوچ وسط گجرات کا قدیم مرکزی

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ا ص ۱۰۵ و ص ۱۲۶

شہر ہے اور دریائے نربدا کے کنارے پر واقع ہے، دیبل صوبہ سندھ میں کراچی سے کچھ دور ساحلی شہر تھا اور موجودہ زمانہ میں اس کے آثار نکلے ہیں، ان غزوات کے دو مرکز تھے پہلا مرکز بحرین تھا اور یہیں کے امیر نے مقامی عرب قبائل کی فوج تیار کی تھی، یہ موجودہ بحرین نہیں ہے بلکہ یہ سعودی حکومت کا منطقہ شرقیہ ہے جس میں احساء اور قصیم وغیرہ واقع ہیں، اسی مقام سے شہر توج فتح کر کے اسے مشرق میں فوجی مہمات کا مرکز بنایا گیا حضرت عثمان بن ابوالعاصی گرمی کے ایام میں جہاد کرتے تھے اور جاڑے کے ایام توج میں گذارتے تھے، ان کے اس اصول کے مطابق ہندوستان کی یہ فتوحات گرمی کے زمانہ میں ہوئی تھیں، ۱؎ یہ تینوں فتوحات نہ باقاعدہ جنگ کا نتیجہ تھیں اور نہ ہی ان کا مقصد فی الحال ہندوستان پر قبضہ کرنا تھا بلکہ یہ ایرانیوں سے جنگ کے ضمن میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تنبیہی اقدام تھا، اور اس کا مقصد ہندوستانیوں کو ایرانیوں کی امداد کے بارے میں نئے انداز میں سوچنے کی تنبیہہ تھی، اس لئے ان غزوات کی حیثیت وقتی چھیڑ چھاڑ سے زیادہ نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان اقدامات کے بعد نہ یہاں کے کسی مقام پر قبضہ ہوا نہ صلح و مصالحت کی باری آئی اور نہ ہی کسی قسم کا معاہدہ ہوا بلکہ ان کی مثال اس سیلاب کی تھی جو آیا اور چلا گیا، مگر اپنے پیچھے اپنے اثرات نفع ونقصان کی صورت میں چھوڑتا گیا، ان غزوات میں مسلمانوں کو کچھ وقتی فوائد وغنائم حاصل ہو گئے، اور اہل ہند کو مسلمانوں کے بارے میں نئے نقطۂ نظر سے غور وفکر کرنے اور اپنی روش بدلنے کا موقع مل گیا، مسلمانوں کے حق میں ان غزوات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ ہندوستان کی حربی طاقت وحیثیت اور یہاں کے حالات

۱؎ علامہ شبلی نعمانی رح نے الفاروق میں فتح مکران کے سلسلے میں لکھا ہے "چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے، لیکن یہ طبری کا بیان ہے، مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں، اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آچکا تھا، چونکہ علامہ شبلی کو تینوں غزوات وفتوحات پر صرف مورخ بلاذری کا بیان مل سکا اس لئے اسے بھی درج کر کے احتمالی نتیجہ ظاہر کیا اگر ان کے سامنے بلاذری کے علاوہ یعقوبی، ابن حزم اور یاقوت حموی کی تصریحات ہوتیں تو انداز بیان دوسرا ہوتا،

کے سلسلے میں اسلامی لشکر اور اس کے امیر کو معلومات حاصل ہوگئیں، جن کے لئے خلافت کی طرف سے کوشش ہو رہی تھی، چنانچہ اسی کے بعد ہندوستان میں باقاعدہ فوجی مہم کی روانگی ہوئی اور ۲۳ھ میں ایران کے سات مرکزی مقامات میں بحری مہمات روانہ کرنے کے سلسلے میں مکران میں بھی مجاہدین اسلام اپنے عزم و حوصلہ اور ساز و سامان کے ساتھ داخل ہوگئے، اس لئے ہم ان تینوں غزوات کو آزمائشی اور معلوماتی اقدام قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی سرزمین پر ایمان کی ان ہی پہلی کرنوں کے بعد آفتاب اسلام کی ضیاباری پوری آب و تاب کے ساتھ ہوئی اگر یہاں آکر براہ راست قسمت آزمائی نہ کی گئی ہوتی اور یہاں کے نامساعد حالات کے سننے ہی پر اکتفا کیا گیا ہوتا تو شاید کچھ دنوں اور انتظار کرنا پڑتا اور ۲۳ھ ہی میں مکران کی سرکاری مہم کی روانگی نہ ہوتی۔

مکران کی پہلی فتح ۲۳ھ نیز مکران پر براہ سمندر باقاعدہ سرکاری فوج کشی سے پہلے اسی سال ایک اور آزمائشی فوج کشی براہ خشکی کی گئی جس کا مقصد بظاہر فتح حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مزید حالات معلوم کرنا اور بڑی مہم کے امکانات پر غور کرنا تھا، ان دنوں حضرت عثمان بن ابوالعاصیؓ، امیر بحرین، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ امیر بصرہ کی امارت و قیادت میں اسلامی لشکر ایران میں مصروف فتوحات تھا۔ حضرت ابوموسیٰؓ حضرت عثمانؓ کے معاون کی حیثیت سے ان میں شریک ہوتے اور پھر بصرہ واپس آ جایا کرتے تھے، ان دنوں عثمان بن ابوالعاصیؓ نے قلعہ شبیر، قلعہ ستوج، جرہ، گازرون، نوبند جان، شیراز، سینیر، قلعۂ بامان، دراجبر دجرم وغیرہ سابور اور اردشیر خرہ کے مقامات کو فتح کیا، پھر ۲۳ھ یا ۲۴ھ میں شہر سابور کو شرائط صلح پر فتح کیا [1] غالباً حضرت عثمان بن ابوالعاصی نے ان ہی ایام میں اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصی کی امارت میں ایک مہم مکران کی سمت روانہ کی، جہاں ان کو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، اس کا تذکرہ ہماری تحقیق میں بعد کے دو نہایت ثقہ مورخین اسلام نے کیا ہے،

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۰

قدماء کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی، امام ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر الاعلام میں ۲۳ھ کے واقعات وحوادث میں تصریح کی ہے کہ

وفیہا فتحت مکران، وامیرھا الحکم اخو عثمان، وھی بلاد جبل [۱]	۲۳ھ میں مکران فتح ہوا، اس غزوہ کے امیر عثمان رضؓ کے بھائی حکم رضؓ تھے، یہ پہاڑی علاقہ ہے،

پھر امام ذہبیؒ کے حوالہ سے امام ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ

وقال شیخنا ابو عبداللہ الذہبی فی تاریخہ فی سنۃ ثلاث وعشرین وفیہا فتحت مکران وامیرھا الحکم بن ابی العاصؓ اخو عثمان [۲]	ہمارے استاذ امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں ۲۳ھ کے بیان میں ذکر کیا ہے کہ اس سال مکران فتح کیا گیا اس جہاد کے امیر عثمان رضؓ کے بھائی حکم بن ابوالعاصؓ تھے

ان دونوں تصریحات کی رو سے مکران کی فتح فارس وکرمان کے بلاد وامصار کی فتوحات کے ضمن میں تھی جو عثمان بن ابوالعاصؓ کی امارت وقیادت میں ۲۳ھ میں جاری تھیں، اور عثمان رضؓ نے اپنے بھائی حکم کو براہ کرمان مکران کی طرف روانہ کیا تھا اس وقت تک وہ بحری مہمات بصرہ سے روانہ نہیں ہوتی تھیں جن کی تیاری ۱۷ھ سے جاری تھی اور بیک وقت فارس کے سات مرکزوں پر حملہ کر دینے کا انتظام ہو رہا تھا، بلکہ اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ان کی باری آئی اور مکران پر بھی باقاعدہ سرکاری طور پر فوج کشی ہوئی اور اس کے بعد سے اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا یوں باقاعدہ عمل دخل شروع ہوا کہ اس کے علاقے خلافت کے ماتحت آئے۔

مکران کی دوسری فتح ۲۳ھ | جیسا کہ معلوم ہوا ۱۷ھ میں حضرت علاء بن حضرمی رضؓ نے خلافت کی مرضی واجازت حاصل کئے بغیر بحرین سے ایک بھاری جمعیت لے کر فارس کے اہم ترین مرکز اصطخر پر حملہ کیا جس میں ایرانیوں نے اسلامی فوج کا محاصرہ کر کے بہت زیادہ نقصان پہنچایا

[۱] تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۴۰، اصل عبارت میں "حکم بن عثمان" غلط چھپ گیا ہے،

[۲] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۱۔

بعد میں جب حضرت عمرؓ کو اس حادثہ کی خبر لگی تو آپ نے بصرہ سے تازہ دم مدد روانہ کر کے اسلامی فوج کو دشمن کے نرغہ سے نکالا اور ایرانیوں کے بھاری نقصان کے بعد اسلامی فوج مظفر و منصور واپس آئی، اس واقعہ سے حضرت عمرؓ بہت زیادہ متاثر ہوئے، ان کے سامنے ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیشرو خلیفہ کا اسوہ تھا کہ ان حضرات نے اسلامی غزوات و فتوحات میں بحری مہم سے کام نہیں لیا تھا، دوسری طرف مجاہدین اسلام کے بڑھتے ہوئے حوصلے اور عجمیوں کی شدید مقاومت تھی، جس سے اسلامی فوج کو سخت نقصان پہونچ رہا تھا بالآخر حضرت عمرؓ نے بحری مہمات کے بارے میں مشورہ کیا، حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ایرانیوں پر بحری راستوں سے بیک وقت متعدد حملے کرنے چاہئیں تاکہ وہ کسی ایک مقام پر اپنی طاقت جمع نہ کر سکیں اور اسلامی فوج ان کی منتشر طاقت کے مقابلہ کامیاب ہو، حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بصرہ اور کوفہ کی فوجوں پر امراء مقرر کئے اور ۱۷ھ میں اجازت دیدی کہ ایک ہی وقت میں فارس کے مختلف مقامات پر فوج کشی کی جائے اور بصرہ کی اسلامی فوج سے ہر علاقہ کے لئے الگ الگ امیر اور اس کا جھنڈا بنایا اور حضرت سہل بن عدی کو امیر الامراء مقرر کر کے سات مقامات کی فوج کشی کے لئے سات امیر اور سات جھنڈے یوں متعین کئے (۱) لوار خراسان احنف بن قیس رضؓ کو (۲) لوار اردشیر خرہ اور سابور مجاشع بن مسعود سلمی رضؓ کو (۳) لوار اصطخر عثمان بن ابوالعاصی ثقفی رضؓ کو (۴) لوار فسا و دارالجبر د سار یہ ابن زنیم کنانی رضؓ کو (۵) لوار کرمان سہیل بن عدی رضؓ کو (۶) لوار سجستان عاصم بن عمروؓ کو اور (۷) لوار مکران حکم بن عمرو تغلبی رضؓ کو، اور یہ ساتوں مہمات اپنے اپنے امیر اور لوار کے ساتھ ۱۷ھ ہی میں مقررہ علاقوں میں روانگی کے لئے تیار ہوئیں، مگر قحط عام الرمادہ وغیرہ کی وجہ سے ۲۱ھ تک ان کی روانگی نہ ہو سکی، اس درمیان میں حضرت عمرؓ نے کوفہ کی فوج سے ان مہمات کے لئے مزید سپاہی دیئے اور ان کو حکم دیا کہ بصرہ کی ساتوں فوجوں میں شامل ہو جائیں، چنانچہ سہل بن عدیؓ کے ساتھ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبانؓ کو، احنف بن قیس رضؓ کے ساتھ علقمہ بن نضر رضؓ،

عبداللہ بن ابو عقیل رضؓ ربعی بن عامر رضؓ، اور ابن ام غزال رضؓ کو، عاصم بن عمرو رضؓ کے ساتھ عبداللہ بن عمیر اشجعی رضؓ کو، اور حکم بن عمرو رضؓ کے ساتھ شہاب بن مخارق مازنی رضؓ کو شامل کیا اور یہ تمام حضرات کوفے سے اپنی اپنی فوج لے کر بصرہ کے لوار بردار امرائے فوج کی مدد کو نکلے تا کہ ایک وقت میں فارس کے سات مرکزی مقامات (بشمولیت مکران) پر حملہ بول دیا جائے اور ایرانی فوجیں کسی خاص مقام پر جم کر مقابلہ نہ کر سکیں بالآخر خلافت فاروقی کے دسویں اور آخری سال ۲۳ھ میں اس کی باری آئی، اور خراسان، اردشیر خرہ، سابور، فسا، دراجرد، کرمان، سجستان اور مکران پر منظم طور پر فوج کشی کی گئی، مگر اب بھی قندابیل اور سندھ کے دوسرے علاقوں کا رخ نہیں کیا گیا، بلکہ سجستان کی جنوبی سرحد مکران پر جو کہ سندھ کے شمال میں واقع تھا حملہ ہوا اس جنگ میں سندھ کے راجہ نے مکرانیوں کی طرف سے مسلمانوں کا پورا پورا مقابلہ کر کے مکران کی جنگ کو سندھ کی بھی جنگ بنا دیا، مکران پر حملہ کی اہمیت و شدت کا احساس تھا اور متعدد بار کی معمولی جنگوں اور مخبروں کی اطلاعات کی وجہ سے مسلمانوں نے تیاری بھی خوب کی، اور جب حضرت حکم بن عمرو تغلبی رضؓ بصرہ کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو ان کی مدد کو کوفہ کے فوجی دستے بھی شہاب بن مخارق مازنی اور عبداللہ بن عبداللہ عتبان رضؓ کی قیادت میں آگئے، نیز کرمان کی جنگ کے امیر حضرت سہیل بن عدی رضؓ اپنی فوج کے ساتھ آپہونچے، اس طرح چار امرا اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ مکران پر حملہ آور ہوئے ادھر مکرانی بھی اس صورت حال سے اچھی طرح واقف تھے، ایرانیوں کی پے درپے شکست اور مسلمانوں کی فتوحات کی خبروں سے ان کو معلوم تھا کہ مکران پر فوج کشی بہت شدید قسم کی ہوگی، اس لئے انھوں نے بھی اطراف و جوانب سے پوری طاقت جمع کر لی تھی، اور سندھ کے راجہ راسل نے تو اس جنگ کو گویا اپنی جنگ سمجھا اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکران میں آکر مقابلہ کی تیاری کی، درحقیقت ہندوستان والوں سے مسلمانوں کی یہ پہلی باقاعدہ اور سرکاری جنگ تھی اس لیے دونوں طرف پوری تیاری ہوئی، اور پہلی تمام تمہیدی جنگوں اور خبروں کا نتیجہ ایک بار ظاہر ہوا۔

طبری کا بیان ہے کہ سنہ ۲۳ھ میں سندھ تجویز کے ماتحت حکم بن عمرو تغلبی رضؓ نے بصرہ سے اپنی فوج لے کر مکران کا رخ کیا اور ان کے مکران پہونچنے پر حضرت عمرؓ کے حکم سے شہاب بن مخارق مازنی کوفہ سے اپنی فوج لے کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے ادھر سہیل بن عدی کرمان کی فتح سے فارغ ہو گئے تھے لہذا وہ اپنی فوج کے ساتھ اور ان کے مددگار عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اپنی کوفی فوج کے ساتھ مکران آکر حکم بن عمرو تغلبیؓ سے مل گئے اور یہ تمام امراء دریائے سندھ کے اس پار تھوڑی دور پر فروکش ہوئے، کیونکہ اسلامی فوج کی آمد کی خبر سن کر مکرانیوں کی فوج پہلے ہی دریائے سندھ کی طرف روانہ ہو چکی تھی، اس درمیان میں سندھ کا راجہ راسل بھی سندھیوں اور مکرانیوں کی فوج کو اپنی کمان میں لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں ڈٹ گیا، جب مسلمانوں نے دیکھا کہ راجہ راسل سندھی اور مکرانی فوج لے کر آگے بڑھ رہا ہے تو وہ بھی آگے بڑھے، راجہ راسل نے جنگی تدبیر سے اپنی فوج کو دریائے سندھ سے چند دن کی دوری پر رکھا تھا تاکہ مسلمانوں کی پیش قدمی رک جائے اور اگر وہ آگے بڑھیں تو سندھی فوجیں انھیں روک سکیں اور سندھیوں اور مکرانیوں کی مزید فوجیں آکر اس کی فوج میں مل جائیں، جب وہ اپنے منصوبہ کے مطابق پوری طاقت سے آگے بڑھا تو مسلمانوں نے بھی بڑھ کر مقابلہ کیا، اور دونوں طرف سے گھمسان کی جنگ ہوئی، سندھیوں اور مکرانیوں کی فوجوں نے راجہ راسل کے زیر کمان اپنے جوہر دکھائے، اسلامی فوج نے بھی اپنے چاروں امراء کی قیادت میں شجاعت و مردانگی کی داد دی، اس جنگ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے راجہ راسل اور اس کی تمام فوج کو شکست دی اور اسلامی فوج مظفر و منصور ہوئی، دشمن کے بہت سے مال و اسباب اور اسلحہ مسلمانوں کے ہاتھ آئے، راجہ کی فوج بڑی تعداد میں میدان جنگ میں کام آئی، اس کے بعد کئی دن تک مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور جب وہ بہت دور نکل گئے تو مسلمانوں نے مکران واپس آکر وہیں قیام کیا، یہ پہلا دن تھا جب کہ پورا علاقہ مکران اسلام اور مسلمانوں کے زیر تصرف آگیا اور خلافت راشدہ کا قانونی حصہ بن گیا۔

اس جنگ میں راجہ راسل اور مکرانیوں نے خاص طور سے جنگی ہاتھیوں سے کام لیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے، عربی گھوڑے ان کو دیکھ کر بدک جاتے ہیں اور میدان میں ہاتھیوں کے سامنے نہیں ٹکتے، مگر اسلامی فوجوں نے ایران کی لڑائیوں میں جنگی ہاتھیوں سے مقابلہ کی ترکیب معلوم کر لی تھی، اس لئے مکرانیوں کی یہ ترکیب بھی کامیاب نہیں ہوئی اور ان کے بہت سے ہاتھی مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے۔

حضرت حکم بن عمرو رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کے پاس اس فتح کی تحریری بشارت اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت صحار عبدی رحؒ کے ذریعہ مدینہ منورہ روانہ کیا، نیز حضرت عمر رضؓ سے دریافت کیا کہ مکران کی فتح میں جو ہاتھی ہاتھ لگے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ صحار عبدی کے پہونچتے ہی حضرت عمر رضؓ نے سب سے پہلے اپنی عادت کے مطابق مکران کے حالات دریافت کیے اور انھوں نے وہی جواب دیا جسے حضرت عمر رضؓ اس سے پہلے قندابیل کے بارے میں سن چکے تھے، یعنی حضرت صحار نے بتایا کہ "اے امیر المومنین مکران ایسی سرزمین ہے کہ اس کی مٹی پہاڑ ہے، پانی ردی ہے، پھل خراب ہے، دشمن بہادر ہے، اچھائی کم ہے، برائی زیادہ ہے، زیادہ فوج وہاں کے لئے کم ہے اور کم فوج وہاں ضائع ہے، اور اس کے بعد کا علاقہ اور بھی برا ہے"۔ حضرت عمر رضؓ نے ان مقفی و مسجع الفاظ کو سن کر صحار عبدی سے فرمایا کہ تم شاعری کر رہے ہو، یا مکران کے بارے میں خبر دے رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں شاعری نہیں کر رہا ہوں بلکہ خبر دے رہا ہوں، اس پر حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ جب تک میری اطاعت کی جائے گی میری فوج کا کوئی سپاہی وہاں جہاد نہیں کرے گا۔ نیز حضرت عمر رضؓ نے مکران کے امیر لشکر حکم بن عمرو اور ساتھ ہی سہل بن عدی کو خط لکھا کہ تم دونوں کی فوجیں مکران کے آگے ہندوستان کی طرف نہ بڑھیں، بلکہ تم دریائے سندھ کے اسی پار ٹھہر جاؤ، اور مالِ غنیمت کے ہاتھیوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو مسلمانوں کے ملک میں فروخت کر کے ان کی قیمت مجاہدین میں بقدرِ حصہ تقسیم کر دی جائے۔ مکران میں اس پہلی جنگ میں کامیابی پر اسلامی فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس

کے امیر حکم بن عمروؓ نے اپنے فاتحانہ حوصلے اور مجاہدانہ جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ اشعار کہے

لقد شبع الارامل غیر فخرٍ بفیءٍ جاءَ من مُکّران

یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ مکران سے آئے ہوئے مال غنیمت اور فئی سے بیوائیں شکم سیر ہوئیں

اتاھم بعد مسغبۃ وجھد وقد صفر الشتاء من الدخان

یہ مال غنیمت ایسے حال میں آیا کہ سخت بھوک اور تکلیف تھی، اور گھروں میں آگ نہ جلنے کی وجہ سے موسم سرما دھوئیں سے خالی تھا۔

فانی لا یذمّ الجیشُ فعلی ولا سیفی یذمّ ولا سنانی

اس لئے میرے اس کارنامہ کو نہ میری فوج برا مانتی ہے، اور نہ ہی میری تلوار اور میرا نیزہ اس کی برائی کرتا ہے

غداۃ اُدفع الاوباش دفعا الی السند العریضۃ والمدانی

وہ صبح یاد رہے گی جبکہ میں فوجی دستوں کو سندھ کے دور اور نزدیک علاقوں میں آگے لئے جا رہا تھا

ومھرانٌ لنا فی ما اردنا مطیعٌ غیر مسترخی العنان

اور دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کے لئے پوری مستعدی کے ساتھ ہمارا مطیع و فرماں بردار رہا

فلو لا ما نھیٰ عنہ امیری قطعناہ إلی البُدّ ذِ الزّوانی

اگر امیر المومنین عمرؓ آگے بڑھنے سے نہ روکے ہوتے تو ہم اپنی فوج کو زنا کار عورتوں کے بت خانہ تک پہونچا دیتے[1]

اس قصیدہ کے آخری شعر میں جس بت خانہ کا ذکر ہے اس سے مراد غالباً سندھ میں بھیروا کا بتخانہ ہے جس پر زنا کار عورتوں کی آمدنی وقف تھی اور اس کے پجاریوں اور سادھوؤں کی معیشت کا دار و مدار اسی آمدنی پر تھا، مقدسی بشاری رحمہ نے لکھا ہے کہ بھیروا کے بت خانہ کے خدام زانیہ عورتوں کی آمدنی کھاتے پیتے ہیں، اور اس کے لیے بڑے بڑے اوقاف ہیں، جو شخص اپنی لڑکی کو بہت ہی عزیز سمجھتا ہے اسے اس بت خانہ پر وقف کر دیتا ہے، جو اپنے پیشہ کی آمدنی بت خانہ کو ادا کرتی ہے اس لئے یہ بت خانہ بہت بڑے فتنہ کی جگہ ہے،[2]

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲ و ص ۱۸۳ و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰ و تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۱۲۔

[2] احسن التقاسیم ص ۴۸۳۔

بلوچستان کی فتح ۲۳ھ جیسا کہ معلوم ہوا فارس کی سات مہمات میں سے ایک مہم کرمان کے لیے روزانہ ہوئی تھی جس کے امیر حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ تھے، کرمان کا علاقہ عملاً ایران میں شامل تھا، مگر اس کے حدود کے کئی مقامات سندھ سے متعلق تھے، چنانچہ بلوچستان جسے عربی میں قُفص اور قفص کہتے ہیں وہ بھی حدود کرمان سے ملا ہوا تھا اور کرمان کی فتوحات میں وہ بھی فتح ہوا، نیز اسی سلسلہ میں سجستان سے متصل سندھ کے بعض علاقے فتح ہوئے، اس طرح کہنا چاہیئے کہ فارس کی فتوحات کے سلسلے میں کئی فتوحات کا تعلق ہندوستان سے تھا اور یہ علاقے خلافت فاروقی کے آخر میں عالم اسلام میں شامل ہو گئے، فتح بلوچستان کی تفصیل تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں یوں درج ہے کہ ۲۳ھ میں سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے کرمان کا قصد کیا، اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ بھی کوفہ کی فوج کے ساتھ ان کی مدد کو آگئے، ادھر اہل کرمان نے بھی مقابلہ کی پوری تیاری کی، اور بلوچستانیوں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے ملک کے قریبی علاقہ میں مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے، حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے نسیر بن ثور عجلیؒ کو اپنی فوج کے مقدمہ جیش (ہراول دستہ) کا امیر مقرر کیا، اور دونوں جانب سے میدان کارزار گرم ہوا، اللہ تعالیٰ نے کرمانیوں اور بلوچستانیوں کو شکست دی، اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور نسیر بن ثور عجلیؒ نے ان کے حاکم کو قتل کیا اس کے بعد اسلامی فوجوں نے مقام جیرفت پر دو طرف سے دھاوا بول دیا، سہل بن عدی رضی اللہ عنہ بہاتوں کے راستہ سے اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ مقام شیر کے ریگستانوں کی طرف سے حملہ آور ہوئے، اور کامیابی کے بعد مسلمانوں کو مال غنیمت میں بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں، ان جانوروں کی تقسیم کے وقت ان کی قیمت مقرر کرنے میں دقت پیش آئی، کیونکہ عربی اونٹوں کے مقابلہ میں کرمان اور بلوچستان کے بختی اونٹ قد و قامت اور ڈیل ڈول میں بڑے تھے، مگر مسلمان بختی اونٹوں کو زیادہ حیثیت نہیں دینا چاہتے تھے آخر اس معاملہ میں دربارِ خلافت سے رجوع کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ عربی اونٹ کی قدر و قیمت اس کے گوشت کے اندازہ سے مانی جاتی ہے اور بختی اونٹ میں بھی یہی بات ہے، پھر بھی تم لوگوں کے نزدیک بختی اونٹ میں زیادتی

ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسے مان لو یہ زیادتی بھی اس کی قدر وقیمت میں شامل ہے لہ بلوچستان کی یہ پہلی فتح عہد فاروقی میں ہوئی جو کرمان کی فتوحات کے ضمن میں تھی، اور اس کی دوسری اور مستقل فتح عہد عثمانی میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضؓ کے ہاتھوں ہوئی۔

بلوچستان مغربی پاکستان میں واقع ہے اس کے وسطی پہاڑوں کو عربوں نے جبال قفص لکھا ہے جن کو آج کل ساراوان، اور جھالاوان کی پہاڑیاں کہتے ہیں، اور قفص یا تفس وہی قوم ہے جسے بلوص یا بلوج یعنی بلوچ کہتے ہیں، اس وقت کرمان کے امیر سہیل بن عدی ہندوستان کے علاقہ بلوچستان کے بھی امیر تھے۔

سجستان سے متصل سندھی علاقوں کی فتح سنہ ۲۳ھ میں سندھ کے بعض ایسے علاقے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے جو سجستان کی حدود سے متصل تھے، اس طرح اس سال تین فتوحات ہندوستان میں ہوئیں ایک مکران کی مستقل فتح اور دوسری بلوچستان کی اور تیسری سجستان سے متصل سندھ کے بعض مقامات کی ضمنی فتوحات، طبری نے لکھا ہے کہ سنہ ۲۳ھ میں حضرت عاصم بن عمرو بصرہ کی فوج اور لوار کے ساتھ عازم سجستان ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمیر رضؓ تمیمی کوفہ کی فوج لے کران سے جاملے، جب سجستان والوں نے اسلامی فوج کی آمد کی خبر سنی تو مقابلہ کی پوری تیاری کی اور اپنے قریبی علاقہ میں نکل کر مسلمانوں سے جنگ کی، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے مقام زرنگ میں محاصرہ کر لیا، اور جیسے چاہا سجستان کو فتح کیا، سجستانیوں نے شکست کے بعد مسلمانوں سے زرنگ اور دارا اور کچھ زیر تصرف علاقوں کے بارے میں صلح ومصالحت کا مطالبہ کیا، مسلمانوں نے ان کی گذارش منظور کرتے ہوئے چند شرائط پر صلح کر لی، ان کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام صحرا اور میدان چراگاہ کے طور پر ہمارے زیر استعمال ہوں گے، اور مسلمان ان کو اپنی ملکیت قرار نہیں دیں گے اور نہ اپنے تصرف میں لائیں گے، اس شرط کے احترام میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جب وہ کہیں باہر آتے جاتے تھے تو ڈرتے تھے کہ ان چراگاہوں

لہ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰ و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷

سے کسی قسم کا استفادہ نہ ہو جائے اور ہمارے سواری کے جانور وغیرہ ان میں چرنہ لیں ورنہ بدعہدی ہو جائے گی اور ہم نے اہل سجستان سے جو وعدہ کیا ہے اس میں فرق آجائے گا، یہاں سے سجستان اپنے حدود کی وسعت کے اعتبار سے خراسان سے بھی بڑا علاقہ تھا، اس کے فتح ہو جانے کے بعد اسلامی فوجیں یہاں سے قندہار اور ترکستان تک جہاد کرتی تھیں، سجستان کا ملک سندھ سے لیکر دریائے بلخ تک پھیلا ہوا تھا، اور اس مرکز سے شمال میں بلخ اور اس کے آگے تک اور جنوب میں سندھ کے حدود تک غزوات و فتوحات کی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں، ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ سجستان کی سرحدیں نہایت لمبی چوڑی تھیں اور اس کے شہر سندھ اور دریائے بلخ کے درمیان دور دور تک پھیلے ہوئے تھے[۱] الغرض ۲۳ھ میں مکران کے فتح ہو جانے کے بعد جنوب میں حدود سندھ تک یہ اسلامی فتوحات ہوئی تھیں اس وقت سجستان کے امیر عاصم بن عمرو ان ہندوستانی علاقوں کے بھی امیر تھے، مکران اور سندھ کی یہ تمام فتوحات ۲۳ھ کے اس منظم حملہ کے سلسلہ میں تھیں جو فارس کے سات مقامات پر ایک وقت میں کیا گیا، اسی سال ذوالحجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی جو درحقیقت ایرانیوں کی طرف سے ان فتوحات کے انتقام کا نتیجہ تھی، اور ابولولؤ فیروز مجوسی ایرانی نے اپنے یہاں کی اسلامی فتوحات کا بدلہ آپ کے قتل کی صورت میں لیا تھا، ان فتوحات اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے درمیان کتنی مدت تھی؟ اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا البتہ اتنا یقینی ہے کہ یہ مدت ایک سال سے کم ہی تھی، ظاہر ہے کہ اتنی سی مختصر مدت میں ایران اور ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں باقاعدہ امراء کی تقرری اور ملکی انتظامات کی بحالی کا موقع نہیں مل سکتا تھا، خاص طور سے کرمان سجستان مکران اور ان سے ملحقہ علاقوں میں اس سلسلہ میں شدید دشواریاں تھیں، آب و ہوا کی ناسازگاری اشیائے خورد و نوش کی نایابی، اور مقامی باشندوں کی نافرمانی، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن پر قابو پانے کے لیے کچھ مدت درکار تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ کی شہادت کی وجہ سے ان مقبوضہ ممالک کے انتظامات میں بڑی

---

[۱] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰ و ص ۱۸۱، البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۳۲

حدتک کم رہ گئی، اور یہاں کے عوام اور راجے مہاراجے سر اٹھاتے لگے، حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت (محرم ۲۴ھ تا ذوالحجہ ۳۵ھ) کے ابتدائی ایام میں مکران اور سجستان وغیرہ میں بدعہدی اور سرکشی کی ہوا چل پڑی، تمام سابقہ عہد وپیمان ختم ہوگئے، اور چار پانچ سال گذرتے گذرتے یہاں کے حالات میں یوں تبدیلی آگئی کہ خلافت کی طرف سے نئے سرے سے ان پر غور ہوا اور یہاں پر مستقل فوج کشی کی گئی۔

مکران کی تیسری فتح ۲۹ھ حضرت عثمان رضی نے ۲۹ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریز رض کو عراق کا گورنر بنا کر ان کو لکھا کہ کسی آدمی کو ہندوستان روانہ کریں جو وہاں کے موجودہ حالات معلوم کرکے دربار خلافت کو خبر کرے تاکہ اس کی روشنی میں وہاں کے نئے حالات ورجحانات کو دیکھ کر آئندہ کوئی قدم اٹھایا جائے، چنانچہ حضرت حکیم بن جبلہ عبدی رح فوجی مبصر بن کر ہندوستان آئے اور واپسی پر یہاں کے حالات سے حضرت عثمان کو باخبر کیا خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ خود حضرت عثمان رض نے حکیم بن جبلہ عبدی رح کو منتخب کرکے ہندوستان روانہ کیا تھا جس وقت حکیم ہندوستان سے حضرت عثمان رض کی خدمت میں پہونچے آپ نے بیتابی سے یہاں کے بارے میں سوال فرمایا تو انھوں نے تقریباً وہی الفاظ دہرا دیے جو حضرت عمر رض کے زمانے میں یہاں کے متعلق کہے گئے تھے، یعنی "اے امیرالمومنین! میں نے ہندوستان کے شہروں کی چھان بین کرکے وہاں کے حالات معلوم کیے ہیں وہاں کا پانی ردی ہے، پھل خراب ہے، چور بہادر ہے، اگر وہاں فوج کم ہو تو ضائع ہو جائے اور اگر زیادہ ہو تو بھوکوں مرجائے"، حضرت عثمان رض نے بھی ان باتوں کو سن کر حکیم بن جبلہ سے وہی بات کہی جو حضرت عمر رض نے صحار عبدی سے کہی تھی، یعنی تم خبر دے رہے ہو یا شاعری کرتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں خبر دے رہا ہوں، اس کے بعد حضرت عثمان رض نے وہاں کسی کو جہاد کے لئے روانہ نہیں کیا [1]

چچ نامہ میں ہے کہ فارس اور ہندوستان میں امن وامان اور نظم ونسق کے قیام وبقار کے

[1] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۹۷، وفتوح البلدان ص ۴۲۱

لیے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مکران اور قندابیل میں فوجی طاقت رکھی گئی تھی اور یہ دونوں مقام جنوبی مشرقی ممالک کے حربی مرکز تھے، جہاں فوجیں اور اسلحہ رکھے جاتے تھے، تاکہ ہنگامی حالات کا فوری مقابلہ کیا جاسکے، مگر چونکہ ان مرکزوں کی طاقت اطراف وجوانب کی بغاوت و سرکشی فرو کرنے کے لیے کافی نہیں تھی اس لیے یہاں کے حالات قابو میں نہیں رہے اور حضرت عثمانؓ نے ہندوستان میں فوجی کاروائی کرنی چاہی اس لیے امیر عراق عبداللہ بن عامر بن کریز کو لکھا کہ وہ کسی نیک اور عقلمند مبصر کو ہندوستان روانہ کریں جو وہاں کے حالات معلوم کرکے دربار خلافت کو خبر دے، عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عبدی کو اس کام کے لیے مامور کیا اور ایک روایت کے مطابق خود عثمانؓ نے حکیم کا انتخاب کرکے عبداللہ کو لکھا کہ وہ ان کو ہندوستان بھیجیں، حکیم کے واپس آنے پر عثمانؓ نے یہاں کے شہروں، موسموں، آب وہوا، طور وطریقہ اور جنگی طریقوں کے بارے میں سوالات کیے اور حکیم نے جوابات دیے، پھر آپ نے خاص طور سے پوچھا کہ ہندوستان کے باشندے عہد وپیمان اور وعدہ میں کیسے ہیں، حکیم نے بتایا کہ وہ لوگ معاہدوں اور وعدوں کا کوئی احترام نہیں کرتے، نہ ان کو اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس رہتا ہے یہ سنکر حضرت عثمانؓ نے سندھ پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا، یعنی مستقل طور سے صرف سندھ ہی پر فوج کشی نہیں کی بلکہ چونکہ اطراف وجوانب میں بھی اس کی شدید ضرورت تھی اس لیے تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عمرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کو بھی ایران، سندھ اور مکران وغیرہ میں نہایت منظم طریقہ پر مہمات روانہ کرنی پڑیں جن روایتوں میں یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ہندوستان میں جہاد نہیں کیا کرایا اس کا مطلب یہی ہے۔ عہد عثمانی کے ابتدائی دور میں ان علاقوں میں کسی کاروائی کا تذکرہ نہیں ملتا، اس درمیان میں خراسان، کرمان، سجستان اور سندھ ومکران کے حالات میں بہت زیادہ ابتری پیدا ہوگئی تھی، ہر جگہ سرکشی اور بغاوت کی ہوا چل پڑی۔ مقامی لوگوں نے عہد فاروقی کے تمام شرائط صلح اور معاہدوں کو توڑ دیا دربار خلافت سے بے تعلقی کی فضا پیدا ہوگئی اور سخت ضرورت تھی کہ باغیوں اور سرکشوں

کی سرکوبی کی جائے اور ان کے خلاف نہایت منظم طور سے کاروائی کرکے حالات پر قابو پایا جائے
چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے ۲۹ھ میں ان ممالک کے نظام میں تبدیلی کرکے عمیر بن عثمان بن سعد رضؓ
کو خراسان کا امیر مقرر کیا، عبداللہ بن عمیر لیثی رضؓ کو سجستان کی امارت دی، عبداللہ بن معمر تیمی رضؓ
کو مکران پر رکھا اور عبدالرحمن بن غبیس کو کرمان بھیجا، ساتھ ہی فارس اور اہواز کے حربی و
ملکی انتظامات کیلئے چند امراء و حکام مقرر کیے اور سواد بصرہ پر حصین بن ابوالحر کو متعین فرمایا
اور فارس، اہواز، سندھ، مکران، بلوچستان اور قندابیل وغیرہ ان کے زیر انتظام آگئے، اس
نئے نظام اور جگہ جگہ امراء و عمال کی تقرری سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کی شہادت کے
بعد ان علاقوں میں شدید قسم کی ابتری پھیل چکی تھی اور چار پانچ سال کے اندر اندر ہر جگہ
لاقانونیت اور خودسری پورے طور سے سرایت کر گئی تھی اس لئے ان کی طرف مزید خاموشی
روا نہیں رکھی جا سکتی تھی، چنانچہ ۲۹ھ میں خراسان، کرمان، سجستان اور مکران کے خلاف
سخت تادیبی کاروائی کی گئی، اور بدعہدی اور بے وفائی کے نتیجہ میں مقامی لوگوں کو بڑے
سخت حالات کا مقابلہ کرنا پڑا کیونکہ ان تمام بلاد و امصار کے باشندوں نے بڑی حد تک اپنی شرائط
پر صلح و مصالحت کی تھی اور اسلامی فوج نے ان کے مفاد کے پیش نظر ان سے عہد و پیمان لیے اور ان
معاہدوں کے پاس اور احترام میں انتہائی احتیاط کی، پھر بھی یہاں کے ذمہ داروں نے شورش و سرکشی
کی راہ اختیار کرکے انتشار اور لاقانونیت کی گرم بازاری کی، اس لیے ان کے ساتھ وہی سلوک ہوا
جو کسی ملک کے باغیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تمام علاقے قانوناً خلافت اسلامیہ کے حصے ہو چکے تھے،
اور ان میں بدامنی اور بدعہدی کی وجہ سے خلافت کے اندرونی علاقوں میں بدنظمی اور غیر اطمینان بخش
حالت پائی جاتی ہے، اس لئے سخت تادیبی کاروائی کرنا پڑی۔ اس نئے انتظام اور تازہ کاروائی
کے تحت مذکورہ بالا مقامات کی شورش ختم کرنے کے لئے امراء فوج نے سخت اقدامات کئے، امیر
خراسان عمیر بن عثمان بن سعد رضؓ نے پورے علاقہ خراسان کی ابتری اور بغاوت فرو کرتے ہوئے شمال
میں فرغانہ تک کا علاقہ فتح کیا، اور شدید قسم کی سیاست پر عمل کرکے سرکشوں کے جان و مال کی

کوئی پرواہ نہیں کی، امیر سجستان عبداللہ بن عمیر لیثی رض نے پورے سجستان کو قتل و غارت کے ذریعہ رام کیا اور کابل تک کا پورا علاقہ اپنے زیر تصرف کر لیا، اسی طرح امیر مکران عبید اللہ بن معمر تیمی رض نے شدید جنگ کے بعد دریائے مکران تک فتح کر لیا[1] اور یہ مفتوحہ ممالک چار پانچ سال کی خودسری اور شورش پسندی کے بعد کڑی تادیب و سیاست کے نتیجہ میں پھر خلافت اسلامیہ کے قلمرو میں، نہ صرف باقاعدہ شامل ہو گئے، بلکہ مکران میں پہلی بار دربار خلافت سے امراو عمال کی تقرری ہوئی اور یہاں خلافت کے احکام و اوامر کا اجرا ہوا۔

پھر اسی سال ۲۹ھ میں مشرقی ممالک کے عراقی مرکز بصرہ کے نظام میں تبدیلی ہوئی اور اسی کے ساتھ اس سے متعلقہ علاقوں اور ممالک میں نظم و نسق میں تغیر و تبدل کیا گیا، چنانچہ حضرت عثمان رض نے عبداللہ بن عامر بن کریز رض کو بصرہ کی حکومت دے کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کو معزول قرار دیا، اور سواد بصرہ کے تمام علاقوں کے انتظام پر حصین بن ابوالحر کے بجائے عبداللہ بن عامر بن کریز ہی امیر بنائے گئے، اس طرح ان کے اختیارات مشرقی ممالک یعنی خراسان سجستان، کرمان اور سندھ مکران کے بارے میں اور زیادہ ہو گئے اور ان ممالک کی حربی اور انتظامی امارت بھی ان کے سپرد ہو گئی، نیز حضرت عثمان نے کچھ دنوں کے بعد مشرقی ممالک کی امارتوں میں حسب ضرورت و مصلحت یوں تبدیلی فرمائی کہ عبیداللہ بن معمر تیمی رض کو مکران کی امارت سے ہٹا کر فارس کی حکومت دی، اور ان کی جگہ مکران میں عمیر بن عثمان بن سعد رض کو متعین کیا، مگر کچھ دنوں کے بعد یہاں کے انتظام و امارت میں پھر تغیر و تبدل کرنا پڑا، اور عمیر بن عثمان رض کی جگہ مکران کی امارت ابن کندیر قشیری رح کو دی گئی جو حضرت عثمان کی شہادت ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ) تک اپنے عہدہ پر قائم رہے، یعنی ۲۹ھ سے ۳۵ھ تک (چھ سال کی مدت میں) مکران میں خلافت کی طرف سے تین امرا و حکام مقرر کئے گئے (۱) فاتح مکران عبیداللہ بن معمر تیمی رض (۲) عمیر بن عثمان بن سعد رض اور (۳) سعید بن کندیر قشیری رح۔ عہد فاروقی میں ۲۳ھ کے بعد فاتح مکران حکم بن عمرو تغلبی رض کے علاوہ کسی اور امیر و حاکم کا نام نہیں ملتا پھر ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ فتح کے بعد کتنے دن یہاں مقیم رہے، ابتدا میں سہل بن عدی

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۶۰ - کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸

بھی یہاں کے امور و معاملات میں حکم بن عمرو کے ساتھ تھے چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے دربار خلافت سے آگے نہ بڑھنے کے سلسلہ میں جو تحریری ممانعت روانہ کی تھی وہ دونوں بزرگوں کے نام تھی اس اعتبار سے عہد فاروقی میں یہ دونوں حضرات مکران کے امیر و حاکم تھے، باقاعدہ امیر حکم بن عمرو تھے اور سہل بن عدی کی حیثیت معین و مددگار کی تھی،

فہرج اور مکران کی چوتھی فتح ۳۰ھ سنہ ۳۰ھ میں کرمان و سجستان کی فتوحات کے ضمن میں سندھ کا مشہور علاقہ فہرج بھی فتح ہوا، بلاذری کا بیان ہے کہ سنہ ۳۰ھ میں حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضؓ بصرہ سے فوج لے کر کرمان کے علاقہ شق شیرجان کی بغاوت فرو کرنے کے ارادے سے چلے، اور حضرت ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو سجستان کی سمت روانہ کیا، ربیع بن زیاد بصرہ سے چل کر فہرج آئے اور اسے فتح کر کے پچھتر فرسخ کا صحرا فتح کیا اور مقام زالق پران کے جشن کے دن حملہ کیا وہاں کے حاکم نے بہت زیادہ سونا چاندی دے کر اپنا فدیہ ادا کیا، اس کے بعد ربیع بن زیاد کرکویہ ہیسون اور زرنگ فتح کرتے ہوئے دریائے ہندمند کے اس پار گئے اور نوق، دشت، ناشروز وغیرہ فتح کئے [1] اس سے پہلے امیر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے ربیع بن زیاد حارثی رضؓ کو کرمان اور مکران کے فوجی شہ سواروں کا امیر بنایا تھا، نیز آگے چل کر حضرت معاویہ رضؓ کے دور خلافت میں ربیع بن زیاد نے بست، رخج اور سندھ کے بلاد داور کو فتح کیا،

ربیع بن زیاد نے سنہ ۳۰ھ میں فہرج کے علاوہ مکران اور سندھ کے دیگر علاقوں میں شاندار فتوحات حاصل کیں، چنانچہ ان ہی ایام میں عرب کے مختلف قبائل نے جمع ہو کر اپنے اپنے مجاہدانہ و فاتحانہ کارناموں پر مفاخرہ کیا اور اپنی خدمات کے اعتراف و اظہار میں قصائد پڑھے، اسی مجمع میں مشہور شہ سوار اور بہادر صحابی حضرت عمرو بن معدیکرب نے تیس اشعار کا ایک رزمیہ و رجزیہ قصیدہ سنایا جس کے آخری چار اشعار میں مکران اور سندھ میں حضرت ربیع کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ تھا اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۵

لمن الدیار بروضۃ السّلان فالرقمتین، فجانب الصمان

روضۂ سلان، مقام رقمتین اور حمان کی سمت میں یہ کس محبوبہ کے دیار ہیں

اور آخر کے چار اشعار یہ ہیں

والقادسیۃ حیث زاحم رستم کنا الحماۃ بھن کالاشطان

جنگ قادسیہ میں جب رستم نے سخت مقابلہ کیا تو ہم رسیوں کی طرح عورتوں کے محافظ و نگراں تھے

الضاربین بکل ابیض مخذم والطاعنین مجامع الاضغان

ہم تیز دھار والی چمکتی ہوئی تلواروں سے دشمنوں کو مار رہے تھے اور کینہ سے بھرے ہوئے سینوں پر نیزوں کی بارش کر رہے تھے

ومضیٰ ربیعٌ بالجنود مشرقا ینوی الجہاد وطاعۃ الرحمٰن

اور ربیع بن زیاد فوجوں کو لے کر بڑھتے چلے جاتے تھے، ان کی نیت جہاد اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی

حتی استباح قریٰ سواد وفارس والسھل والاجبال من مکران

یہاں تک کہ انھوں نے سواد عراق کے دیہاتوں اور فارس کو اور مکران کی نرم زمینوں اور دشوار سخت پہاڑوں کو فتح کیا[1]

فہرج یا بہرج سندھ کے مشہور شہروں میں سجستان کی طرف جبال پایہ کے حدود میں واقع تھا، اصطخری نے لکھا ہے کہ سواہی، بہرج اور سدوسان یہ تینوں شہر دریائے سندھ کے مغرب میں ہیں، مقدسی بشاری نے اسے منصورہ کی سلطنت میں شمار کیا ہے، اور یاقوت حموی نے بہرہ نام سے مکران کے ایک شہر کا ذکر کیا ہے، جس سے مراد یہی شہر ہے، چونکہ یہ مکران اور سندھ کی شمالی حدود میں سجستان سے متصل تھا، اس لئے اس کا شمار سندھ اور مکران دونوں میں ہوا ہے، حضرت عمرو بن معدیکرب نے بھی آخری شعر میں اس جہاد کے ذکر میں مکران ہی کا نام لیا ہے، ہمارے خیال میں فہرج، بہرج اور بہرہ تینوں نام کوہ پایہ کی تعبیر ہیں اور اس سے مراد پایہ کے پہاڑی علاقے ہیں جو سجستان سے مکران اور سندھ کی طرف آتے ہوئے پڑتے ہیں، حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں حضرت حارث بن مرہؓ اپنی فوج لے کر جبال پایہ ہی سے مکران اور قندابیل وقیقان میں فاتحانہ

[1] الامالی لابی علی قالی ج ۳ ص ۴۶

داخل ہوئے تھے، یہ مقام سجستان مکران اور سندھ کے درمیان میں واقع تھا، اور یہاں سے ان تینوں علاقوں کی سرحدیں ملتی تھیں، اسی لئے کسی نے فہرج کو سجستان کی حد میں شمار کر کے اس کی فتح کو سجستان کی فتوحات میں بیان کیا ہے، کسی نے اسے سندھ کا علاقہ مان کر اس کی فتح کو یہاں کی فتح مانا ہے اور کسی نے اسے مکران کے حدود میں داخل کیا ہے،

بہر حال فہرج اور اطراف وجوانب کے سرکش علاقوں کو زیر کرنے کے بعد ربیع بن زیاد ڈھائی سال تک مقام زرنگ میں مقیم رہے، اس مدت میں حضرت امام حسن بصریؒ ان کے کاتب اور میر منشی یا سکریٹری بن کر غزوات وفتوحات اور سفر وحضر میں ساتھ ساتھ رہے[1] ظاہر ہے کہ فہرج کی فتح میں حضرت حسن بصریؒ بھی حضرت ربیع بن زیاد کے شریک رہے ہوں گے حضرت ربیع دیگر مقامات کی طرح ڈھائی سال تک (۳۰ھ سے ۳۳ھ تک) فہرج کے بھی امیر تھے

یاقوت حموی نے عمرو بن معدیکرب کے قصیدہ کے دو اشعار معمولی اختلاف کے ساتھ یوں نقل کیے ہیں۔

قوم ھم ضربوا الجبابر اذ بغوا　　　بالمشرقیۃ من بنی ساسان

انھوں نے بنی ساسان (شاہان ایران) کے جابروں کو جب انھوں نے سرکشی کی تو چمکتی ہوئی تلواروں سے مارا

حتی استبیح قُریٰ السواد وفارس　　　والسھل والاجبال من مکران

یہاں تک کہ سواد عراق کے دیہات اور فارس کے مقامات اور مکران کے نرم وسخت علاقہ جات فتح کر لیے گئے

اور لکھا ہے کہ مکران کی عملداری تیز سے قصدار تک بارہ مرحلہ ہے، مکران سے مراد اس شعر میں یہی علاقہ ہے[2]

بلوچستان کی دوسری فتح معلوم ہو چکا ہے کہ عہد فاروقی میں ۲۳ھ میں حضرت سہیل بن عدی نے کرمان کی فتوحات کے ضمن میں قفص یعنی بلوچستان کو فتح کیا تھا، مگر بعد میں یہاں کے باشندوں نے بھی مکران وغیرہ کے باشندوں کی طرح بغاوت وشورش اور بدعہدی کا بازار گرم کیا، اس

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۰۶ [2] معجم البلدان ج ۸ ص ۱۳۲

لیے عہد عثمانی ۔ سنہ ۳۱ھ میں پھر کرمان ہی کی مہم میں بلوچستان دوبارہ فتح کیا گیا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ سنہ ۳۱ھ میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضؓ خراسان اور سجستان فتح کرتے ہوئے کرمان پہونچے اور اسے فتح کرنے کے بعد قفص (بلوچستان) آئے تو مقام ہرموز میں کرمان وغیرہ سے بھاگے ہوئے عجمیوں اور ایرانیوں کی ایک جمعیت نے مقابلہ کیا حضرت مجاشع نے ان سے جنگ کر کے فتح حاصل کی، اور بہت سے دشمنوں نے بحری راستہ سے راہ فرار اختیار کی، ان میں سے کچھ تو جنوب میں مکران میں اگر پناہ گزیں ہوئے اور کچھ شمال میں سجستان چلے گئے، ان کے ادھر ادھر بھاگ جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے کرمان اور ہرموز میں ان کے مکانات اور کھیتیوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں آباد ہو کر کھیتی باڑی کی، اور ان کے عشر کی رقم دربار خلافت کو روانہ کی، آب پاشی اور پانی پینے کے لیے کنویں بھی کھودے [1]

اس سلسلہ میں ابن اثیر نے بھی سنہ ۳۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے عبداللہ بن عامر بن کریز رضؓ نے کرمان کو فتح کر کے وہاں کی حکومت مجاشع بن مسعود سلمی رضؓ کو دی، اور انھوں نے باقی علاقوں کو فتح کیا، پھر سیرجان اور جیرفت کی فتح کے بعد بلوچستان آئے جہاں ہزیمت خوردہ دشمنوں نے بھاری جمعیت اکٹھا کر رکھی تھی، حضرت مجاشع نے ان کو شکست دے کر یہاں بھی قبضہ جمایا [2]

عہد عثمانی میں ہندوستان کے شمالی علاقہ میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہم پہلی بار دیکھ رہے ہیں جہاں وہ کھیتی باڑی، آب پاشی اور مکانات کی تعمیر میں مصروف نظر آتے ہیں اور یہ پہلا موقع ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی طرف سے عشر کی رقم بیت المال میں داخل کی گئی، اس سے پہلے عہد فاروقی میں یہاں کے مال غنیمت کا خمس بیت المال میں داخل کیا جا چکا تھا۔ مگر عہد عثمانی میں یہاں مسلمانوں کی پہلی آبادی ہوئی اور ان کی رقم مدینہ منورہ روانہ کی گئی، مستقل امراء کی تقرری کے بعد اس ملک میں عہد عثمانی کی یہ دوسری خصوصیت ہے، اس زمانہ میں بلوچستان کرمان میں شامل تھا اس لئے کرمان کے امیر و حاکم حضرت مجاشع بن مسعود سلمی بلوچستان کے بھی

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۹۴ [2] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۴۹

امیر تھے جبکہ مکران میں مستقل امراء موجود تھے۔

علاقہ سندھ داور کی فتح ۳۳ھ۔ اسی عہد میں سندھ کا شمالی علاقہ داذرکش کے اطراف کے بعض ہندوستانی علاقے بھی فتح ہوئے، بلاذری کا بیان ہے ۳۳ھ میں والی عراق عبداللہ بن عامر بن کریز رضنے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضؓ کو سجستان کی امارت وحکومت دی، اس وقت یہاں بھی بغاوت اور بدعہدی پھیل چکی تھی۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضنے حاکم زرنگ کے قلعہ کا محاصرہ کیا اس وقت وہاں ایرانیوں کا تہوار منایا جارہا تھا، حاکم زرنگ نے جنگ کرنے کے بجائے مسلمانوں سے صلح کرلی، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن سمرہ رضنے جنوبی علاقوں کا رخ کیا اور ایک طرف زرنگ اور کش کے درمیان ہندوستان کی سمت کا تمام علاقہ فتح کرلیا اور دوسری طرف رُخج اور داور کے درمیان کا سارا علاقہ ان کے قبضہ میں آگیا، اس کے بعد علاقہ داور میں جاکر زور یا زون نامی پہاڑی مقام میں دشمن کا محاصرہ کیا، اور صلح ومصالحت کے ذریعہ فتح حاصل کی، اور روز یا زون کے بت خانے کا رخ کیا، اس میں سونے کا بت تھا جس کی دونوں آنکھیں یاقوت کی تھیں آپ نے اس کا ہاتھ جدا کرکے آنکھوں سے دونوں یاقوت نکال لئے، اور حاکم داور سے کہا کہ تم یہ سونا اور جوہرے لو، مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، میں تو تم کو بتا رہا تھا کہ یہ بت نفع یا نقصان نہیں پہونچا سکتا، داور کی فتح کے موقع پر مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اسلامی فوج کی تعداد آٹھ ہزار تھی، اور ہر سپاہی کے حصہ میں چار چار ہزار کی رقم آئی [1]

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ سرزمین سندھ کے بلاد داور میں زور نامی سونے کا ایک بت تھا جو جواہر سے مرصع تھا، اسے زون بھی کہتے تھے، [2] ان سرکش علاقوں کی فتوحات کے بعد عبدالرحمٰن بن سمرہ نے مقام زرنگ میں مستقل طور سے قیام کیا۔ اور اسی زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اندرونی ابتری پیدا ہونی شروع ہوگئی تو وہ امیر بن احمر یشکری کو اپنی جگہ مقرر کرکے سجستان سے واپس چلے آئے، عبدالرحمٰن بن سمرہ ۳۳ھ سے ۳۵ھ تک سجستان کی امارت کے

[1] فتوح البلدان ص ۲۸۶۔ [2] معجم البلدان ج ص

زمانہ میں ہندوستان کے ان شمالی علاقوں کے بھی امیر رہے جو کیکشن کی سمت واقع تھے اور جن کو انھوں نے سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں فتح کیا تھا، اسی طرح سندھ کے شمالی علاقہ داور کے بھی امیر تھے، جب کہ مکران میں بھی مستقل امراء و حکام موجود رہتے تھے۔

قندابیل کی پہلی فتح | حضرت عمر رضی اللہ نے سندھ کے مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں پہلی مرتبہ معلومات حاصل کیں اور وہاں کے ابتر حالات سے آپ کو باخبر کیا گیا، اس کے بعد آپ نے وہاں کوئی مستقل مہم روانہ نہیں فرمائی، اور نہ ضمنی طور سے وہاں پر حملہ کی کوئی روایت ملتی ہے، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں مجاہدین اسلام کے حملہ آور ہونے کا پتہ چلتا ہے، مگر اس سلسلہ میں کوئی مستقل روایت نظر سے نہیں گذری بلکہ طبقات ابن سعد میں حضرت شہیبہ بنت عمیر شیبانیہ رح کے ذکر میں ان کے شوہر حضرت صیفی بن فُسیل شیبانی رح کے عہد عثمانی میں قندابیل میں ہونے کی تصریح پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہاں فتوحات ہوئی تھیں۔ وہ اپنے شوہر کے بارے میں بیان کرتی ہیں کہ۔

نُعی الیٰ زوجی من قندابیل صیفی	میرے شوہر صیفی بن فسیل کے مرنے کی خبر میرے
بن قسیل فتزوجت بعدہ العباس	پاس قندابیل سے آئی تو میں نے ان کے بعد
بن طریف اخا بنی قیس، ثم	بنی قیس کے ایک شخص عباس بن طریف سے
ان زوجی الاول جاءنا فارتفعنا	شادی کرلی اس کے بعد میرے پہلے شوہر
الیٰ عثمان الخ[1]	آگئے اور ہم اپنا معاملہ حضرت عثمانؓ کے پاس لے گئے

اس روایت سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں قندابیل پر فوج کشی کی گئی اور وہاں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت موجود تھی، البتہ اس کے زمانہ کی تعیین نہ ہو سکی، اس روایت سے چچ نامہ کی اس تصریح کی تصدیق ہوتی ہے کہ قندابیل حضرت عثمان کے دور خلافت میں اسلامی فوج کی چھاؤنی تھا اور یہاں شہ سواروں کی ایک جماعت ہر وقت موجود

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۱۔

رہا کرتی تھی تاکہ بوقت ضرورت اطراف وجوانب کی حربی سرگرمیوں میں اس سے مدد لی جاسکے۔
الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دور خلافت میں سنہ ۲۹ھ سے سنہ ۳۵ھ
تک چھ سات سال کی مدت میں ہندوستان کے حدود میں چار زبردست فتوحات ہوئیں
اور یہاں خلافت کی طرف سے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر سیاسی وملکی انتظامات کیے گئے، ان
حدود میں مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہوئیں، اور کسی علاقہ میں بدعہدی اور بدنظمی نہیں
ہونے پائی۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ کا دور خلافت (ذوالحجہ سنہ ۳۵ھ تا رمضان سنہ ۴۰ھ) آیا۔ آپ	مکران کی پانچویں فتح اور فہرج بھال پائیقیقان اور قندابیل وغیرہ کی فتوحات سنہ ۳۶ھ تا سنہ ۳۸ھ

کا ہنے پانچ سالہ دور زیادہ تر باہمی مشاجرات میں گذرا، اور جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ
نہروان وغیرہ کی وجہ سے بیرونی ممالک کی فتوحات وانتظامات کی طرف نسبتاً زیادہ توجہ نہ ہو سکی
پھر بھی متعدد فتوحات ہوئیں، مکران، سجستان اور سندھ وغیرہ کی پرانی ابتری لوٹ آئی، اور
ان کے باشندے اپنی روایت کے مطابق تمام عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر خودسری پر
اتر آئے، بلکہ حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا ہو گئے جنہوں
نے سندھ و مکران سے متصل ملک سجستان میں مفاد پرستی اور استحصال کی روش اختیار کر کے یہاں
کے سرکشوں اور باغیوں سے میل جول پیدا کر لیا، اور حضرت علیؓ کو پہلی فرصت میں ان
حالات سے نمٹنا پڑا۔ جیسا کہ معلوم ہوا حضرت عثمان کے آخری دور میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ
سجستان کی امارت پر امیر بن احمر یشکریؒ کو زرنگ میں متعین کر کے واپس چلے آئے تھے، اس کے
بعد حضرت عثمان رضؓ کی شہادت، اور حضرت علی رضؓ کی اندرونی کشمکش کی وجہ سے زرنگ والوں نے
امیر بن احمر کو نکال کر شہر کا دروازہ بند کر دیا، اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اس موقع سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے حسکہ بن عتاب حبطی اور عمران بن فضیل برجمی نے عرب کے سرکشوں کی ایک جماعت لے کر
سجستان کا رخ کیا، پہلے مقام زالق میں آئے جہاں کے باشندے بدعہدی و سرکشی کر چکے تھے، ان

لوگوں نے یہاں سے بہت ساماں حاصل کیا، پھر زرنگ پہونچے جہاں سے امیر بن احمر کو نکال دیا گیا تھا، حاکم زرنگ نے ڈر کر ان سے صلح کرلی، اور ان عرب ہواخواہوں نے سجستان کے علاقہ میں اپنی امارت وحکومت کا رنگ اختیار کرلیا، جب حضرت علی رضؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے جنگ جمل سے فارغ ہوتے ہی ۳۶ھ میں عبدالرحمن بن جزء طائی کو سجستان روانہ کیا جن کو حسکہ بن عتاب حبلی نے قتل کر دیا، اس کے بعد عون بن جعدہ مخزومی کو روانہ کیا ان کو بھی بہدالی طائی چور نے راستہ میں قتل کر دیا، آخر حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کسی مناسب آدمی کو چار ہزار فوج کے ساتھ سجستان روانہ کریں چنانچہ انھوں نے ربعی بن کاس عنبری کو چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا، نیز ان کے ساتھ حصین بن ابوالحر عنبری اور ثابت بن ذی الحرہ حمیری کو بھیجا، ربعی بن کاس عنبری نے سجستان پہونچتے ہی تمام خرابیاں دور کیں اور عرب کے ہوا پرستوں اور سجستان کے سرکشوں کی سرکوبی کرکے ہر طرف امن وامان قائم کیا[1] اس طرح سجستان کی بدعہدی اور شورش کو بہت جلد ختم کر دیا گیا اور سال دو سال کے اندر اندر یہاں خلافت کی طرف سے باقاعدہ امارت قائم ہوگئی، مگر ۳۵ھ کے بعد سے مکران اور سندھ کی ابتری کئی سال تک جاری رہی،

سجستان، کی شورش اور بغاوت درحقیقت قدیم ہندوستان کی شورش اور بغاوت تھی اور اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مکران اور سندھ وغیرہ پر خلافت سے بغاوت اور عہدو پیمان سے انحراف کا رنگ کس قدر گہرا چڑھ گیا تھا، اور یہاں پر فوج کشی کرکے تادیب وسیاست کی کتنی شدید ضرورت تھی، مگر حضرت علیؓ کو اندرونی خلفشار کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع چار پانچ سال کے بعد ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اس کے چھ سات ماہ کے بعد جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں واقعہ جمل پیش آیا، پھر سات آٹھ ماہ کے بعد صفر ۳۷ھ میں واقعہ صفین رونما ہوا، اور ۳۸ھ میں مقام نہروان میں خوارج سے جنگ ہوئی، خلافت راشدہ کا یہ آخری دور بڑے ابتلاء وآزمائش میں گذرا اور بیرونی معاملات پر بہت کم توجہ ہوسکی، مگر جوں ہی اس سے مہلت ملی

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۷

فوراً ان کی درستگی کے لیے اقدام کیا گیا اور مکران و سندھ میں پہلی فرصت میں مہم روانہ کی گئی۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضؓ کے آخری دور خلافت میں ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں حضرت حارث بن مرہ عبدی نے حضرت علیؓ کی مرضی و اجازت سے فدائیانہ اور متطوعانہ طور سے بھاری فوج لے کر ثغر ہند کا رخ کیا، اور یہاں ان کو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں اور اس قدر کثیر مقدار اور تعداد میں مال غنیمت اور جنگی قیدی ہاتھ آئے کہ انھوں نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی اپنے سپاہیوں میں تقسیم کیے[1]

مگر خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں اسے ۳۶ھ کے واقعات میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس سال حارث بن مرہ عبدی نے مسلمانوں کو غزوہ ہند کی دعوت دی، وہ مکران کے علاقہ کو عبور کرتے ہوئے بلاد قنداہبیل پہونچ گئے، پھر یہاں غزوات و فتوحات کر کے آگے بڑھے اور قیقان کے اندر پہاڑی علاقوں میں گھستے چلے گئے اس جنگ میں بہت سے قیدی ہاتھ آئے پھر خلیفہ بن خیاط نے آگے چل کر حضرت علیؓ کے عمال و حکام کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں حارث بن مرہ عبدی رحؒ نے ایک لشکر تیار کر کے مکران کا رخ کیا اور جنگ کے بعد فتحیاب ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مگر اس کے بعد (۴۲ھ) میں دشمنوں نے ہر طرف سے جمعیت اکٹھا کر کے زبردست فوجی تیاری کی اور حارث بن مرہ عبدیؒ اور دشمنوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا جس کے نتیجہ میں چند مجاہدوں کے علاوہ حارث بن مرہ اور ان کے تمام ساتھی شہید کر دیے گئے اس کے بعد حضرت معاویہ کے زمانہ تک اس علاقہ میں جہاد نہیں ہوا۔[2] حارث بن مرہ اور ان کی بیشتر فوج کی شہادت ۴۲ھ کا تذکرہ بلاذری وغیرہ نے بھی کیا، یہ حادثہ حضرت معاویہ رضؓ کے دور خلافت میں ہوا اور انھوں نے اسی سال راشد بن عمرو خبدی جدیدی کی قیادت میں مکران پر فوج کشی کرائی جیسا کہ آئے گا۔

اس سلسلے میں چچ نامہ کا بیان سب سے زیادہ مفصل ہے مگر اس میں اس مہم کی امارت

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۱ [2] ص ۱۸۱ [3] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۸۱ و ص ۲۱۵، و ص ۲۲۹

میں تاغر بن دعر دان دونوں ناموں میں شدید قسم کی تحریف و تصحیف ہے) کا نام ہے اور حارث بن مرہ عبدی کو اس فوج کا بہادر سپاہی بتایا گیا ہے جو تمام مورخوں کی تصریح کے خلاف ہے اور حارث بن مرہ عبدی کی امارت و قیادت صحیح ہے، بہر حال اس کتاب میں لکھا ہے کہ ۳۸ھ کے آخر میں حضرت علی رضؓ نے مشائخ و اشراف کی ایک جمعیت کے ساتھ تاغر بن دعر کو ہندوستان کی مہم پر روانہ کیا، اسلامی فوج میں حارث بن مرہ نہایت بہادر اور جانباز سپاہی تھے، ان کے علاوہ تین غلام تھے جو بہادری میں یکتا تھے، تاغر نے ان تینوں میں سے ایک غلام کو ایک ہزار شہ سواروں کا امیر بنایا اور باقی دو کو پانچ پانچ سو کی پیدل فوج کی امارت دی، اسلامی فوج بہرج اور پایہ کے پہاڑی راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئی اور مکران کو فتح کرتے ہوئی قیقان تک پہونچ گئی، راستہ میں جبال پایہ کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مقابلہ کی پوری تیاری کی، اور بہت بڑی جمعیت اکٹھا کر کے جنگ کی مگر مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر آگے کی راہ لی، اور جب قیقان کے قریب پہونچے تو مقامی باشندوں نے اطراف و جوانب سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا، ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی، سخت معرکہ کے بعد اہل قیقان شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ گزین اور روپوش ہو گئے، اور مجاہدین اسلام فاتح و غانم بن کر اپنے مرکز پر واپس چلے گئے،

مگر اہل قیقان اس ہزیمت کے بعد بھی ہمت نہیں ہارے، بلکہ اندر ہی اندر اطراف و جوانب سے زبردست طاقت جمع کر کے اسلامی فوج پر اچانک حملہ آور ہوئے، مجاہدین اسلام نے بھی ہمت اور بہادری سے کام لے کر مقابلہ کیا، اور فرط جوش میں اللہ اکبر کے نعرے اس طرح بلند کیے کہ چاروں طرف سے پہاڑوں کی گھاٹیاں گونج اٹھیں اور قیقانیوں کے دل دہل گئے، ان میں سے بہت سے اس آواز کے رعب و داب کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اور کتنے ہی اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، عین اسی جنگ میں اسلامی فوج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہونچی اور مسلمان اس خبر کو سنتے ہی مکران واپس چلے گئے [1] اس کے بعد

[1] چچ نامہ ص ۷۰ و ص ۷۱

حضرت حارث بن مرہ عبدی کی امارت وقیادت میں اسلامی فوج مکران، قندابیل اور قیقان وغیرہ کے سرکشوں کو غزوات وفتوحات کے ذریعہ زیر کرتی رہی حتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں سنہ ۴۲ھ میں قیقان کے معرکہ میں حارث بن مرہ اور اسلامی فوج کا بیشتر حصہ شہادت سے ہمکنار ہو گیا۔

خلافت راشدہ میں یہ پہلی بار قندابیل اور قیقان کی فتوحات سننے میں آئیں ورنہ اس سے پہلے مکران اور سندھ کے نام آتے تھے، درحقیقت یہ دور علوی کی تلب سندھ میں پیش قدمی تھی، اس سے پہلے مکران مسلمانوں کا آخری مرکز تھا اور وہاں سے وقتاً فوقتاً جنوب میں سندھ کے علاقوں میں مجاہدین کی یلغار اور للکار ہوا کرتی تھی، سنہ ۳۶ھ یا سنہ ۳۸ھ میں پہلی بار مسلمانوں نے سندھ کے دو مرکزی شہروں قندابیل اور قیقان پر قبضہ کیا اور حضرت عمر رضی نے قندابیل کے بارے میں جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پورا ہوا اور مکران کے بعد سندھ بھی باقاعدہ قانونی طور سے خلافت اسلامیہ کا حصہ قرار پایا، قیقان گیگان کا معرب ہے، قدیم زمانہ میں قلات کو قیقان کے نام سے یاد کرتے تھے یہاں کے قیقانی گھوڑے مشہور ہیں، قندابیل قلات ڈویژن میں واقع ہے، آج کل اسے گھنڈادہ کہتے ہیں درہ بولان اسی میں واقع ہے۔ یہ دونوں مقامات شمالی ہند میں واقع ہیں

حضرت عثمان رضی کی شہادت کے وقت ابن کندیر قشیری رح مکران کی امارت پر فائز تھے اس کے بعد معلوم نہیں عہد علوی میں ان کی امارت باقی رہی یا ختم ہو گئی تھی البتہ سنہ ۳۶ھ یا سنہ ۳۸ھ سے سنہ ۴۲ھ تک مکران اور سندھ دونوں علاقوں کے حربی اور انتظامی امور و معاملات کے ذمہ دار حارث بن مرہ عبدی تھے، حتی کہ سنہ ۴۲ھ میں حضرت معاویہ کے ابتدائی دور میں شہید ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی کے زمانہ کی طرح حضرت علی رضی کے زمانہ میں بھی ہندوستان میں متعدد شاندار فتوحات ہوئیں اور مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے بہرج ،جبال بایہ ، مکران قندابیل اور قیقان وغیرہ کی فتوحات عہد علوی کے خصوصی کارنامے اور روشن خدمات ہیں، اور اس

دور میں دور رس نتائج ظاہر ہوئے۔

مکران اور سندھ کے برّی اور بحری راستے

جیسا کہ معلوم ہوا، خلافتِ راشدہ میں مکران اور سندھ میں مسلمانوں کی آمد عام طور سے فارس، خراسان، سجستان اور کرمان کی طرف سے ہوئی اور دشوار گزار ریگستانی راستوں اور پہاڑی دَرّوں سے ان کے قافلے اس ملک میں داخل ہوئے، اور بعض اوقات بصرہ سے بحری راستے سے بھی آئے،

مکران کا آخری شہر جو بلاد سجستان سے ملا ہوا تھا۔ وہاں سے سندھ کے آخری شہر برہمناباد تک جسے بعد میں منصورہ کہتے تھے۔ کل بری مسافت ۲۵۸ فرسخ تھی[1]، اور بعد میں اس علاقہ سے گزرنے کے لیے حسب ذیل منزلیں اور مسافتیں طے کرنی پڑتی تھیں۔

(۱) فہرج سے طابران (طوران) دس فرسخ (۲) وہاں سے باسورجان چودہ فرسخ (۳) وہاں سے قریہ یحییٰ بن عمرو دس فرسخ (۴) وہاں سے ندار دس فرسخ (۵) وہاں سے مدر دس فرسخ (۶) وہاں سے وماره نو فرسخ (۷) وہاں سے درک بالویہ نو فرسخ (۸) وہاں سے بجتین دس فرسخ (۹) وہاں سے مقاطعۃ البلوص (بلوچستان) بیس فرسخ (۱۰) وہاں سے جبل مالح (نمکین پہاڑ) چھ فرسخ (۱۱) وہاں سے نخل نو فرسخ (۱۲) وہاں سے قلمان چھ فرسخ (۱۳) وہاں سے سرائے خلف چار فرسخ (۱۴) وہاں سے قنزپور (قنزبور) تین فرسخ، (۱۵) وہاں سے جلیشہ دس فرسخ۔ (۱۶) وہاں سے قصدار (قزدار) دس فرسخ۔ (۱۷) وہاں سے جور چالیس فرسخ (۱۸) وہاں سے اسدوشان (سدوسان) چالیس فرسخ (۱۹) وہاں سے منصورہ (سابق برہمناباد) اسی فرسخ اور سجستان کے شہر زرنگ سے پنجاب کے شہر ملتان تک کی درمیانی مسافت دو ماہ کی تھی۔ یہ تمام راستے جاٹوں کے علاقوں میں تھے۔ اور قافلوں کو ان کی لوٹ مار اور غارت وقتل سے نبٹنا پڑتا تھا۔ قدیم اعداد و شمار کے لحاظ سے ایک فرسخ بارہ ہزار ذراع کا ہوتا ہے اور ایک

[1] المسالک والممالک ص ۵۵،

ذراع چوبیس انگلی کا، اور ایک انگلی چھ جَو کی اور ایک تہائی فرسخ کو ایک میل کہتے ہیں۔

مکران اور سندھ کے علاقوں میں بری راہ سے مسلمانوں کی آمد عام طور سے تین راستوں سے ہوئی تھی۔ اور ان سے وہ شمال سے چل کر جنوب میں داخل ہوتے تھے کرمان کی طرف سے بمیند، بروخرہ، شیرجان، بم، اندغار، جیرفت، کو طے کرتے ہوئے قفص یعنی بلوچستان میں داخل ہوتے تھے۔ حضرت مجاشع بن مسعود سلمی ان ہی راہوں سے بلوچستان میں آئے تھے۔ سجستان کی سمت سے دو راستے پڑتے تھے۔ ایک فہرج اور دوسرا داور، ایک طرف سے سجستان کے علاقوں کو طے کرتے ہوئے۔ سندھ کے انتہائی شمالی علاقہ فہرج میں آتے تھے۔ پھر پچھتر فرسخ کا ریگستانی علاقہ طے کرکے آگے بڑھتے تھے۔ ربیع بن زیاد حارثی اسی راہ سے فہرج میں داخل ہوئے تھے۔ دوسری طرف سے بجستان سے زرنگ اور رخج ہو کر سندھ کی شمالی سرحد یعنی بلاد داور میں آتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ ان ہی راہوں سے یہاں آئے تھے۔

بعد کے جغرافیہ نویسوں نے عرب و ہند کے درمیان بحری راستوں کی منزلوں اور مسافتوں کا اسی طرح تذکرہ کیا ہے۔ ابن خردازبہ نے بصرہ سے ہندوستان کے بحری راستوں کی تفصیل دی ہے۔ جن سے قدیم زمانہ سے عربوں کے تجارتی اور معاشی تعلقات ہندوستان اور چین سے تھے۔ اور ان کے درمیان جہازوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ (۱) بصرہ سے جزیرۂ خارک پچاس فرسخ (۲) وہاں سے جزیرۂ لاوان آٹھ فرسخ (۳) وہاں سے جزیرہ ابرکاوان سات فرسخ (۴) وہاں سے جزیرہ خین سات فرسخ (۵) وہاں سے جزیرۂ کیسی (یا قیس) سات فرسخ (۶) وہاں سے جزیرہ ابن کاوان اٹھارہ فرسخ (۷) وہاں سے ارموز (ہرمز) سات فرسخ (۸) وہاں سے تارات سات دن، یہی مقام فارس اور سندھ کے درمیان حد فاصل تھا، (۹) وہاں سے دیبل آٹھ دن (۱۰) دریائے سندھ کا دہانہ سمندر

۱؎ فتوح البلدان ص ۳۸۲۔ ۲؎ ایضاً ص ۳۸۵۔ ۳؎ ایضاً ص ۳۸۶۔

میں دو فرسخ، یہاں پر سندھ کا علاقہ ختم ہو جاتا تھا۔ اور سوراشٹر، کچھ اور گجرات وغیرہ کا ہندوستانی علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ دریائے سندھ سے ہو کر براہ سمندر ہندوستان کا پہلا علاقہ (۱۱) اوتکین چار دن (۱۲) وہاں سے میدد و فرسخ (۱۳) وہاں سے کولی دو فرسخ (۱۴) وہاں سے سندان (سنجان بمبئی) اٹھارہ فرسخ (۱۵) وہاں سے ملی و ملیبار پانچ دن (۱۶) وہاں سے بلین دو دن، بلین سے دو راستے ہو جاتے تھے۔ ایک خشکی میں ہندوستان کے اندر دوسرا سمندر میں چین کی طرف جاتا تھا۔ ان بحری راہوں اور منزلوں سے عربوں کے جہاز مشرقی ممالک میں آتے جاتے تھے۔ اور عہد رسالت عہد بنو امیہ اور عہد بنو عباسیہ میں بھی یہی راستے تھے۔ بلکہ آج بھی بصرہ لائن کے جہاز بمبئی سے ان راستوں سے آتے جاتے ہیں۔

فارس کے علاقے اور شہر یعنی خراسان، سجستان، کرمان، بامیان، جیرفت، داور بست زرنگ وغیرہ، مکران کے شہر تیز، کیز، ارمائیل، قنزبور، درک وغیرہ۔ طوران کے شہر قصدار، قندابیل، کیز کانان، ایل وغیرہ۔ سندھ کے شہر دیبل، منصورہ (قدیم برہمن آباد) قیقان، سیوستان (سدوسان) الور، نیرون بانیہ، بغرور وغیرہ سوراشٹر و گجرات کے شہر کچھ، کیرج بھڑوچ، گندھارا، دھنج، بھیلمان وغیرہ، یہ تمام علاقے اور شہر ہندوستان کے مغربی سواحل پر شمال سے جنوب تک واقع ہیں اور ان کے بالمقابل عرب کے بلاد بحرین، جزائر قطر شط بنی جذیمہ، بلادِ عمان، ارض مہرہ، شحر، احقاف وغیرہ کے صحرا اور ریگستانی علاقے واقع ہیں۔ اور دونوں ملکوں کے باشندے ان ہی بحری راستوں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے۔ اور خلافتِ راشدہ میں ہندوستان میں بحری مہمات ان ہی راہوں سے آتی جاتی تھیں۔

تمام غزوات و فتوحات خراسان و سجستان کے برّی راستوں سے ہوئیں، مگر بعض اوقات بحری راستوں	برّی اور بحری راہوں سے قافلۂ اسلام کی آمد

لہ المسالک الممالک ص۶۱ ص۶۲ و ص۶۳۔

سے بھی مسلمانوں کی آمد و رفت ہوئی ہے، ہماری تحقیق میں اس زمانہ میں دو مرتبہ اسلامی فوجیں بحری راستہ سے اس ملک میں داخل ہوئی ہیں پہلی مرتبہ توج سے حضرت عثمان ثقفی اوران کے بھائیوں نے تھانہ، بھروچ اور دیبل پر فوج کشی کی اس کی تصریح اس خط میں موجود ہے جسے حضرت عمرؓ نے عثمان ثقفی کے نام روانہ فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ۔

یا اخا ثقیف! حملت دودًا علی عودٍ۔ — اے ثقفی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کردیا ہے۔

اور دوسری بار ۲۳ھ میں مکران میں بحری راستہ سے اسلامی فوجیں آئی تھیں تاریخ طبری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام بصرہ سے براہ سمندر آکر دریائے سندھ میں داخل ہوئے۔" اور پھر وہاں سے مکران پہنچے یا پھر مکران کی قدیم بندرگاہ تیز پر اترے۔ ان کے دریائے سندھ کی راہ سے آنے پر حضرت سہل بن عدی کے اس شعر سے روشنی پڑتی ہے۔

ومهرانُ لنا فيما اردنا مطيع غير مسترخی العنان

دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کے لیے ہمارا اطاعت گزار و فرمانبردار ہے

اس معرکہ میں خود مکران اور سندھ کی فوجوں نے بھی براہ دریا پیش قدمی کی تھی اور سندھ کا راجہ راسل اپنے تمام لشکر اور سامان جنگ کو لیکر دریائے سندھ کے پار آیا طبری نے تصریح کی ہے۔

وعَبَرَ اليهم راسل مَلِكهم ملك السند۔ — سندھ کا راجہ دریا عبور کر کے مکرانیوں کے پاس آیا۔

اور عہد عثمانی جب کرمان اور بلوچستان کو حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ نے فتح کیا تو ہزیمت خوردہ فوجیں اور آدمی براہ سمندر مکران اور سجستان میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ بلاذری نے لکھا ہے۔

لہ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔

وھرب کثیر من اھل کرمان فرکبوا البحر، ولحق بعضھم الی مکران واتی بعضھم سجستان۔[1]

ان میں بہت سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ سمندر کچھ تو مکران پہنچے اور کچھ سجستان چلے گئے۔

الغرض خلافتِ راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات اور یہاں کی فتوحات میں بعض اوقات بحری اور دریائی راستوں اور کشتیوں اور جہازوں سے کام لیا گیا ہے۔ اور عرب کے مسلمان اور ہندوستان کے باشندے دونوں ہی کبھی کبھی بحری اور دریائی اسفار و مواصلات سے کام لیتے تھے۔ ویسے باقاعدہ بحری بیڑا حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں رومیوں سے بحری جنگوں کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ مگر اس سے پہلے خلافتِ راشدہ میں مشرقی ممالک کی مہمات میں سمندری جہازوں اور دریائی کشتیوں کا استعمال بھی تھا عام طور سے بصرہ سے مجاہدین اور امرار خراسان اور سجستان آتے اور وہاں سے صحراؤں ریگستانوں اور پہاڑوں کو طے کر کے مکران نہرج ناد اور سندھ، قندابیل اور قیقان وغیرہ میں داخل ہوتے تھے۔ چنانچہ اس دور کی عام فتوحات سجستان و کرمان اور خراسان کے امرا یا ان کے ماتحت امرار کے ذریعہ عمل میں آئی ہیں۔ ۲۳ھ میں بلوچستان کی فتح سہل بن عدی کے ہاتھوں ہوئی۔ اسی سال سجستان سے متصل بعض ہندوستانی علاقوں کو عاصم بن عمرو نے فتح کیا، ۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود نے بلوچستان پر قبضہ کیا، ۳۲ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے بلاذ داور کو شامل کیا، اور ۳۸ھ میں اسلامی فوجیں فہرج اور کوہ پایہ کے دشوار گذار صحرائی اور پہاڑی راستوں کو طے کر کے قندابیل، قیقان اور سندھ و مکران کے دیگر علاقوں میں داخل ہوئیں۔

سندھ و مکران میں بصرہ و کوفہ کی فوجیں اور ان کی تعداد

کوفہ کی فوجیں عام حالات میں مشرقی شمالی علاقوں میں روانہ کی جاتی تھیں

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۴،

اور ان کا اثر و نفوذ بلاد ماوراء النہر میں سمرقند کاشغر تک تھا جہاں کے باشندے ترک نسل کے تھے۔ اور بوقت ضرورت کوفہ کی فوجیں دوسرے مقامات کی فوجوں کی مدد کرتی تھیں اور بصرہ کی فوجوں کی جولان گاہ مشرقی شمالی ممالک تھے۔ جن میں خراسان، سجستان کرمان مکران طوران، سندھ، قندابیل، قیقان سب ہی شامل تھے۔ چنانچہ مکران اور سندھ وغیرہ میں عام طور سے بصرہ سے فوجی و انتظامی امور و معاملات کا اجراء ہوتا تھا، اور بصرہ کی فوجیں اور امراء یہاں آتے تھے البتہ ابتداء میں بحرین وعمان کے قبائل حضرت عثمان ثقفی وغیرہ کی قیادت میں یہاں آئے تھے۔ اور چونکہ بار بار کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا تھا کہ سندھ اور مکران میں ہر اعتبار سے شدید مشکلات ہیں، آب و ہوا ناموافق اشیائے خور و نوش کی نایابی، راستے دشوار گزار اور باشندے متوحش اور زفیائی ہیں ان وجوہ سے یہاں فوج کی روانگی میں بڑی دور اندیشی اور مصلحت سے کام لینا پڑتا تھا۔ اگر فوج کم تعداد میں ہو تو دشمن کا لقمہ بن جائے اور اگر زیادہ تعداد میں ہو تو بھوکوں مرجائے اس لیے جیسے حالات ہوتے انہی کے مناسب فوجیں بھیجی جاتی تھیں مستقل غزوہ اور جہاد کے موقع پر بڑی فوج آتی تھی۔ جیسے ۲۳ھ اور ۲۹ھ میں فتح مکران کے لیے مستقل فوج کشی ہوئی اور بھاری تعداد میں مجاہدین اسلام پورے ساز وسامان کے ساتھ آئے اسی طرح ۳۸ھ میں مکران، قندابیل اور قیقان کی فتوحات میں بہت بڑی فوج تھی۔ اور خراسان و سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں اگر ہندوستانی علاقوں میں فوجی اقدام کی ضرورت ہوتی تو حسب ضرورت مناسب تعداد میں دستے اور رسالے روانہ کئے جاتے تھے۔ چنانچہ بلوچستان، فہرج، داور وغیرہ میں خراسان اور سجستان و کرمان وغیرہ کی فوجوں کے دستے اور رسالے آئے تھے۔

۲۳ھ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سجستان کی جنگ میں سندھ کے بلاد داور پر فوج کشی کی، اس وقت ان کے ساتھ آٹھ ہزار فوج تھی۔ بلاذری نے لکھا ہے۔

فکانت عدۃ من معہ من المسلمین　　ان کے ہمراہ آٹھ ہزار مسلمان تھے۔

ثمانیۃ الاف - (فتوح البلدان ص۴۳۶)

اور جب ۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے قندابیل و قیقان میں جنگ کی تو ایک موقع پر ایک شخص کو ایک ہزار سوار فوج کا امیر بنایا۔ اور دو شخصوں کو پانچ پانچ سو پیدل فوجوں کی امارت سپرد کی جیسا کہ چچ نامہ میں ہے ان دونوں مثالوں سے سندھ و مکران کی اسلامی فوجوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فتوحات و غنائم کی حیثیت

جہاد اور غزوہ اسلامی لغت کی نہایت مقدس اور خصوصی اصطلاح ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی بلندی اور حق و صداقت کی تبلیغ کے لیے جان و مال کی قربانی دی جائے اور اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جائے' جہاد کا یہی مقصدی اور بنیادی معنی ہے۔ اور فتوحات کی صورت میں غنائم کی تقسیم اس عظیم مقصد کے لیے ذریعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور غنیمت شریعت کے احکام کی رو سے مجاہدین اسلام کو ایک مناسب مقدار میں حاصل ہوتی ہے' مالی استحصال اور طلب منفعت جہاد کے معنی میں شامل نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے لیے اسلام اور مسلمانوں نے جہاد کیا ہے' بلکہ اس کے برخلاف انہوں نے اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے اپنی جان کی طرح اپنی دولت کو بھی داؤ پر لگایا ہے۔ صاحب الفخری نے اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں یوں بیان کیا ہے'

کان المسلمون هم الجند' وکان	مسلمان ہی فوج ہوتے تھے۔ اور ان کی
قتالهم لاجل الدين لا لاجل الدنيا	جنگ دین کے لیے ہوتی تھی۔ نہ دنیا کے لیے
وکان لا یزال فیهم دائماً من یبذل	اور ان میں ایسے لوگ ہمیشہ رہا کیے ہیں
شطراً صالحاً من ماله فی وجوه البر و	جنھوں نے اپنے مال کا بہترین حصہ نیکی
القرب وکانوا لا یریدون علی اسلامهم	اور رضائے الٰہی کے کاموں میں خرچ

ونصرهم لنبيّهم صلوات الله علیہ وسلامہ جزاءً الامن عند الله تعالیٰ[1]

کیا ہے اور وہ اپنے اسلام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کی جزا صرف اللہ تعالیٰ سے چاہتے تھے۔

اور جو قوم یا جماعت اس عظیم مقصد کے لیے اپنے کو پیش کرتی ہے۔ اسے قرآن وحدیث میں فتح ونصرت کا وعدہ کرکے اس راہ میں آسانی یعنی ذرائع اور غنائم کے حصول کی بشارت دی گئی ہے، اور اجر وثواب کے ساتھ فتح ونصرت کی یقین دہانی سے اس میں تشویق تشجیع کی روحانی ومادی قوت پیدا کی گئی ہے، قرآن کریم کی ان آیات میں یہی بات بیان کی جا رہی ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ، وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ، وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا۔[2]

اللہ نے تم سے اور بھی بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے پس سردست تم کو یہ دیدی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے ہیں اور تاکہ یہ واقعہ مومنوں کے لیے ایک نمونہ بن جائے اور تاکہ تم کو سیدھی راہ پر ڈال دے، اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی ہے۔ اللہ اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسی طرح بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد میں فتح ونصرت اور غنیمت کی بشارت دی ہے۔ چنانچہ فارس وروم وغیرہ کی فتوحات

---

[1] الفخری صفحہ ۹۳، [2] سورۃ الفتح آیت ۲۰ و ۲۱،

وغنائم اور ان میں نصرت الہٰی کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں آیات و احادیث میں موجود ہیں۔ اوپر کی دونوں آیتوں میں یہی بتایا گیا ہے کہ جہاد میں نصرت الہٰی کا وعدہ برحق ہے جیسا کہ مسلمانوں نے عہدِ رسالت میں عرب کی فتوحات میں دیکھ لیا اور دوسری فتوحات جو بعد میں ہونے والی ہیں۔ وہ بھی اللہ کے علم و احاطہ میں ہیں اور ان میں فتح و نصرت کا وعدہ پورا ہوگا۔ عہدِ رسالت کے بعد کی فتوحات کے بارے میں بعض صحابہ اور تابعین کا قول ہے کہ ان سے مراد فارس و روم کی فتوحات ہیں جو خلافت راشدہ میں یا اس کے بعد قیامت تک ہوگی، چنانچہ امام طبری ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واختلف اهل التاويل فى هذه البلدة الأخرى، والقرية التى وعدهم فتحها التى اخبرهم انه محيط بها فقال بعضهم هى ارض فارس و الروم، ومايفتحه المسلمون من البلاد الى قيام الساعة[1]	مفسرین نے اس دوسرے شہر اور بستی کے بارے میں اختلاف کیا ہے جسکی فتح کا وعدہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان کو خبر دی ہے کہ وہ اس شہر اور بستی کو اپنے قبضہ میں کرلے گا چنانچہ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد فارس و روم کے ممالک اور وہ تمام شہر ہیں جن کو مسلمان قیامت تک فتح کرینگے

ان حضرات میں حضرات عبداللہ بن عباسؓ، حضرات عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رح اور حضرت حسن بصری کے نام درج کیے ہیں۔ اور جیسا کہ معلوم ہے ہندوستان کی فتوحات درحقیقت فارس کی فتوحات تھیں اور ان کا شمار یہاں کی جنوبی مشرقی فتوحات میں تھا۔ اس لیے ان علمائے اسلام کے قول کے مطابق یہ فتوحات اللہ تعالیٰ کے علم و احاطہ میں تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نصرت و غنیمت کا وعدہ فرمایا تھا۔

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۶ ص ۹۱،

اس قول کی تائید حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام نسائی نے سنن کے باب غزوۃ الہند میں اور امام طبرانی نے معجم میں سند جید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عصابتان من امتی احرزهما	میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ
اللّٰہ من النار، عصابة	نے نار جہنم سے محفوظ رکھا ہے ایک وہ
تغزوا الهند، وعصابة	گروہ جو ہندوستان میں جہاد کریگا اور دوسرا
تکون مع عیسی بن مریم	وہ گروہ جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے
علیهما السلام۔ [1]	ساتھ ہوگا۔

غالباً امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اسی حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔

قد ورد فی غزوا الهند حدیثا	غزوۂ ہند کے بارے میں ایک حدیث وارد
رواه الحافظ ابن عساکر	ہوئی ہے جسے حافظ ابن عساکر وغیرہ نے
وغیره [2]	روایت کیا ہے۔

اور اسی غزوۂ ھند کی پیشین گوئی اور نار جہنم سے آزادی کی بشارت کو سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس میں شرکت کی آرزو باین الفاظ کی تھی۔ کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ھند کا وعدہ فرمایا ہے، اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنے جان و مال کو خرچ کروں گا اس کے بعد اگر شہید ہو گیا تو افضل شہداء قرار پاؤں گا، اور اگر واپس ہوا تو میں نار جہنم سے آزاد ابو ہریرہ رہوں گا۔ [3]

فارس کی فتوحات کے ضمن میں ہندوستان کے بارے میں اس وعدۂ خداوندی اور بشارت نبوی کا ظہور خلافتِ راشدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، اور سب سے پہلے آل ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہ، اس وعدہ و بشارت کے مستحق قرار

---

[1] سنن نسائی باب غزوۃ الہند، [2] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۹۵، [3] سنن نسائی اور مسند احمد

پائے جنہوں نے ۹۳ھ کی باقاعدہ مکران کی مہم سے پہلے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل میں رضاکارانہ غزوہ کر کے فتح پائی، اور اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے داخلہ کا دروازہ کھولا۔

جہاد کے اسلامی اصول

جہاد کا مقصد نہ حکومت و دولت کا حصول ہے اور نہ دنیاوی اقتدار و بالادستی کے لیے جنگ کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد وحید دنیا کی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اسلام کو عام کرنا اور انسانوں کو فلاح و نجاح کی دعوت دینا ہے۔ اسی حوصلہ اور جذبہ کے ساتھ مجاہدین اسلام اپنے جان و مال کی بے دریغ قربانی کر کے غزوات و فتوحات میں شریک ہوتے تھے، اور اسے افضل عبادات سمجھتے تھے۔ اور اس راہ کی موت کو شہادت کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اسلامی فوجیں جس قوم کے پاس جاتی تھیں۔ اسلامی اصول حرب کی رو سے تین باتیں پیش کرتی تھیں سب سے پہلی بات یہ کہ وہ اسلام قبول کر کے ان کے بھائی بن جائیں اور جو حقوق و مراعات ہر مسلمان کے لیے ہیں وہی ان لوگوں کے لیے بھی ہوں گی، اسی طرح ذمہ داری بھی یکساں ہوگی، یہ سیدھی سادی بات اگر سمجھ میں نہیں آتی۔ اور اسلامی عقائد و اعمال کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ تو دوسری بات یہ کہ تم جزیہ ادا کر کے ہماری امان و حفاظت میں آجاؤ۔ اس صورت میں طبقہ کے مختلف حیثیات کے افراد پر سال میں ایک خاص رقم ضروری ہوگی مالدار اور خوشحال پر سالانہ اڑتالیس درہم۔ متوسط الحال پر چوبیس درہم اور معمولی فرد پر بارہ درہم ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اور نابالغ بچے عورتیں اور معذور قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اگر اس حقیر رقم پر ہماری خطیر خدمت بھی نامنظور ہے۔ تو پھر تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ جنگ ہمارا تمہارا فیصلہ کرے گی۔ اور ہم تم سے مقابلہ کریں گے، اور دیگر ممالک کی طرح خلافتِ راشدہ میں ہندوستان کے تمام غزوات و فتوحات ان ہی اصولوں کے ماتحت ہوئے ہیں۔ ہماری تحقیق میں اس دور میں یہاں کے کسی شہر نے دعوتِ اسلام پر اجتماعی طور سے لبیک نہیں کہا۔ بلکہ بعد کی دونوں صورتوں میں سے ایک کو قبول کیا

ہے، چنانچہ بعض مقامات کے باشندوں نے جزیہ کی رقم منظور کی یا سال میں خاص تعداد میں رقم یا دوسری اشیار کی ادائیگی پر صلح کی، اور بعض شہروں نے تیسری اور آخری صورت پر عمل کرکے باقاعدہ جنگ کی، جس کے نتیجہ میں یا تو شکست ہوتی تھی۔ یا پھر چند شرائط پر صلح ہو جاتی تھی۔ جن کا پورا کرنا طرفین کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ اور بدعہدی و برگشتگی کی صورت میں تادیبی کاروائی سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ خلافت راشدہ میں ہندوستان کی فتوحات عام طور سے جنگ کے بعد ہوئی ہیں یا پھر شرائط صلح پر یہاں کے علاقے فتح ہوئے ہیں۔ کسی جنگ میں اسلامی فوج کو شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے۔ اور مستقل فوج کشی کے مقابلہ میں بدعہدی اور برگشتگی پر تادیبی کاروائی زیادہ کرنی پڑی ہے۔

دعوت توحید و رسالت ہندوستان میں مجاہدین اسلام کی آمد توحید و رسالت کی تبلیغ کے لیے تھی۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ مکران و طوران اور سندھ کا علاقہ زندگی کے وسائل سے محروم ہے چہ جائیکہ وہاں سے مال غنیمت کی توقع کی جائے۔ اس لیے یہاں کے غیر متمدن اور قبائلی انسانوں کو دولت اسلام دیکر ایک جوان بخت اور بلند اقبال قوم میں شامل کرنا ان کا اصلی مقصد تھا۔ چنانچہ مجاہدین اسلام نے اپنے ان دینی و اسلامی جذبات کا اظہار بھی کیا۔ عمرو بن معدیکرب نے حضرت ربیع بن زیاد حارثی کی فتح فہرج و مکران کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

ومضی ربیع بالجنود مشرقا ینوی الجھاد و طاعۃ الرحمٰن

ربیع بن زیاد جہاد اور اطاعت الٰہی کی نیت کرتے ہوئے لشکر کو بڑھاتے چلے گئے

حتی استباح قری سواد وفارس والسھل والاجیال من مکران[1]

یہاں تک کہ سوادِ عراق اور فارس کے شہروں، اور مکران کی نرم و سخت زمینوں کو فتح کرلیا۔

ان اشعار میں ایک مجاہد اسلام جس نے خود بھی یرموک، نہاوند، قادسیہ کے

---

[1] کتاب الامالی ج ۳ ص ۴۶،

غزوات و فتوحات میں شاندار اور بہادرانہ خدمات انجام دی ہیں اپنے ایک مجاہد بھائی کی ترجمانی کرتا ہوا کہہ رہا ہے کہ ربیع بن زیاد حارثی نے جہاد کی نیت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی واطاعت کے جذبہ سے سواد عراق علاقہ فارس اور مکران کے صحرائی اور پہاڑی مقامات میں مجاہدانہ خدمات پیش کی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے داور کو فتح کر کے اس کے بت خانہ زور میں رکھے ہوئے سونے کے بت کا ایک ہاتھ توڑ دیا اور اس کی یاقوت کی دونوں آنکھیں نکال کر وہاں کے حاکم سے کہا۔

دونك الذهب والجوهر	یہ سونا اور جواہر تم لے لو، میں نے صرف
وانما اردت ان اعلمك	اس ارادہ سے اس کو توڑا ہے کہ تم کو دکھا
انه لايضر ولا ينفع[1]	دوں کہ یہ بت نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

اصابہ میں یہ واقعہ مجاشع بن مسعود سلمی کی طرف منسوب ہے اور دولابی کے حوالہ سے یوں درج ہے۔

انه غزا كابل من بلاد الهند	مجاشع بن مسعود نے بلاد ہند سے کابل
فصالحهم الاصبهبذ فدخل	میں جہاد کیا اور صلح کے بعد بعد بت خانہ میں گئے
مجاشع بيت الاصنام فاخذ	اور بت کی آنکھ سے ایک موتی نکال کر کہا
جوهرة من عين الصنم،	کہ میں نے اسے صرف اس لیے نکالا ہے کہ تم لوگوں
وقال:- لم اخذها الالتعلموا	کو معلوم ہو جائے کہ یہ بت نہ تو نفع پہونچا
انه لايضر ولا ينفع[2]	سکتا ہے اور نہ ہی نقصان دے سکتا ہے۔

اس واقعہ میں اہل ہند کو دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز میں نفع یا نقصان

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۶، [2] الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۲،

پہنچانے کی طاقت نہیں ہے اور معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے' یہ کام ایک مسلمان مجاہد و مبلغ ہی کر سکتا ہے کہ یاقوت وجواہر اور سونے چاندی سے مٹھی بھر کر اسے پھینک دے اور ان کے پجاریوں سے کہے کہ تم اسے لے لو مجھے تو تمہاری چیز سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا تھا' مال و دولت کی حریص قوم سے ایسے بلند کردار کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

اموال غنیمت اور جنگی قیدی اس میں شک نہیں کہ غزوات و فتوحات میں کبھی کبھی مال غنیمت ہاتھ آیا اور مجاہدین اسلام نے اسے خوشی خوشی لیا۔ مگر خود ان کی جانی و مالی قربانی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اور نہ یہ ان کے مقاصدِ جہاد میں شامل تھا بلکہ جہاد کی راہ میں اس سے گونہ مدد اور تشجیع ہوئی۔ پھر سندھ و مکران میں زر و اموال کی توقع ہی کیا تھی۔ مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ اس علاقہ میں معاش و معیشت نہایت تنگ ہے' بھوک پیاس کا غلبہ ہے وحشت و بداوت اور فقر و فاقہ عام ہے' حضرت عمرؓ نے قندابیل کے بارے میں سوال کیا۔ تو نہایت ہمت شکن باتیں سامنے آئیں' پھر ایک مرتبہ مکران کے متعلق دریافت کیا تو وہی باتیں معلوم ہوئیں' اور حضرت عثمانؓ نے یہاں بطور خود مبصر و مخبر بھیجا تب بھی وہی نامساعد حالات و واقعات معلوم ہوئے۔ ایسی صورت میں یہاں سے غنائم کے حصول کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندوستان اگر سونے کا مور تھا تو سندھ اور مکران اس کے دونوں پاؤں تھے۔ مگر ان حالات میں بھی مجاہدین اسلام کو یہاں کے غزوات و فتوحات میں حربی قوانین کی رو سے کچھ نہ کچھ مال غنیمت اور جنگی قیدی ہاتھ آئے' اور انہوں نے بڑے استغناء اور بے نیازی کے ساتھ ان سے اپنے حقوق لیے بھی اور اسی شان سے ان سے دست بردار بھی ہوئے۔

۲۳ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اہواز کے جاٹوں اور اساورہ کو جنگ میں گرفتار کرنے کے بعد ان کو مجاہدین اسلام میں تقسیم بھی کر دیا' مگر بعد میں حضرت عمرؓ کے حکم و مشورہ پر تمام مجاہدین نے ان کو رہا کر دیا' سویلش عدوی کا بیان ہے۔

اتینا الاھواز، وبھاناس	ہم اہواز آئے تو یہاں جاٹوں اور اساورہ
من الزط والاساورۃ فقاتلناھم	سے ہماری جنگ ہوئی اور شدید قتال کے
قتالاً شدیداً فظھرنا علیھم	بعد ہم ان پر غالب آئے اور بہت سے
وظفرنا بھم فاصبنا سبیاً	قیدی ہمارے ہاتھ آئے جن کو ہم نے تقسیم
کثیرًا اقتسمنا، فکتب الینا	کر لیا پھر حضرت عمرؓ نے ہمارے پاس لکھا
عمر انہ لاطاقۃ لکم بعمارۃ	کہ تم لوگ وہاں کی خالی زمینوں کی کاشت
الارض فخلوا مافی ایدیکم	نہیں کر سکتے ہو اس لیے اپنے اپنے قیدیوں
من السبی واجعلوا علیھم الخراج	کو رہا کر کے ان پر خراج لگا دو چنانچہ ہم نے
فرددنا السبی ولم نملکھم[1]	ان سب کو رہا کر دیا۔

اس ایک واقعہ سے سندھ و سجستان کے مجاہدین کی سیر چشمی، بے نیازی اور اسلامی اصول کی پابندی کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے اگر ان کا مقصد مال غنیمت اور غلام کا حصول ہوتا تو اتنی آسانی سے وہ اپنی ملکیت اور حق سے دست بردار نہ ہو جاتے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے جس وقت کابل فتح کیا۔ تو اسلامی لشکر کا ایک ٹکڑا ہنگامی حالات سے متاثر ہو کر مال غنیمت حاصل کرنے میں لگ گیا۔ اور لوگ اس پر لوٹ پڑے یہ بے ضابطگی دیکھکر عبدالرحمٰن بن سمرہ نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں کہا کہ۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے سنا ہے
وسلم ینھیٰ عن النھبیٰ۔	کہ آپ نے لوٹ سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث رسولؐ کا سننا تھا کہ فوج کے جن افراد نے جو مال لیا تھا فوراً واپس کر دیا اور امیر لشکر نے اسے شرعی اصول کے مطابق تمام سپاہیوں میں تقسیم کیا یقیناً اسلامی فوج کے بعض سپاہی فتح و کامرانی کے بعد اپنے حقوق پر بے تحاشا لوٹ پڑتے اور

---

[1] فتوح البلدان ص۳۷۷، [2] سنن ابوداؤد۔

اپنی چیز لینے میں عجلت کر بیٹھے اگر جوں ہی ان کے امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم سنایا سب آمنّا وصدّقنا کہہ کر امیر کے سامنے سب کچھ لاکر رکھدیا۔ اگر ان کو مال ودولت کی طمع ہوتی یا ان کے جان ومال کھپانے کا مقصد جلب منفعت ہوتا تو وہ اتنی بات پر سر تسلیم خم نہ کرتے، اس قسم کے بعض مظاہرے درحقیقت نعمت خداوندی کے حصول میں رغبت کی وجہ سے ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ مال غنیمت جہاد کے حسنات وبرکات کا عجالہ ہوا کرتا ہے جس میں ہر غازی ومجاہد کا حق ہے اور وہ اپنے حق کے لیے جلدی کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ کہ شریر وسرکش انسانوں کا مال نیک اور شریف انسانوں کے کام آیا چنانچہ حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ نے فتح مکران کے موقع پر اسی جذبہ تشکر کا اظہار ان شعروں میں کیا تھا۔

لقد شبع الارامل غیر فخر بفیءٍ جاء من مُکَران

مکران سے آئے ہوئے مال غنیمت سے بیوائیں شکم سیر ہوئیں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے بلکہ اس پر خدا کا شکر ہے۔

اتاھم بعد مسغبۃ وجھد وقد صفر الشتاء من الدخان

یہ مال غنیمت ان کو بڑی گرسنگی اور تکلیف کے زمانہ میں ملا اور چولھے میں آگ نہ جلنے کی وجہ سے موسم سرما دھوئیں سے خالی تھا۔

خلافت راشدہ میں ہندوستان کے کسی جہاد میں مسلمانوں کو شکست یا ناکامی نہیں نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے جس علاقہ میں قدم رکھا فتح ونصرت ان کے جلو میں رہی اور ہر معرکہ میں مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے اور اگر طرفین سے صلح ہوئی تو اس میں بھی مسلمان فائدے میں رہے، چنانچہ ۲۳ھ سے پہلے تھانہ بھڑوچ، دیبل اور مکران کی مہمات میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جس کے ساتھ غنائم بھی ہاتھ آئے مگر چونکہ یہ فتوحات خلافت کی مرضی واجازت کے بغیر مجاہدوں نے رضاکارانہ طور پر حاصل کی تھیں۔ اس لیے ان

کے غنائم سے دارالخلافہ کو خمس نہیں بھیجا گیا بلکہ جو کچھ حاصل ہوا مجاہدوں پر تقسیم کر دیا گیا، البتہ ۲۳ھ میں فتح مکران کے موقع پر مال غنیمت اور قیدیوں کی بڑی مقدار ہاتھ آئی اس لیے اس سے خلافت کا حصہ روانہ کیا، اور ہاتھیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مشورہ طلب کر کے ان کی ہدایت کے مطابق ان کی قیمت مجاہدین پر بقدر حصہ تقسیم کر دی گئی، ہندوستان کے مال غنیمت کا یہ پہلا خمس تھا جو خلافت فاروقی میں مدینہ منورہ روانہ کیا گیا، اس غزوہ میں مال غنیمت کی کثرت کا اندازہ طبری کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے:

فھزم اللہ راسل وسلبہ واباح المسلمون عسکرہ۔	اللہ تعالیٰ نے راجہ راسل کو ہزیمت دی اور اسکا سازو سامان مسلمانوں کو دیا اور مسلمانوں نے اسکے لشکر کو لوٹا

مال غنیمت کے خمس کی روانگی اور ہاتھیوں کے بارے میں مشورہ کا ذکر یوں کیا ہے۔

وکتب الحکم الی عمر بالفتح وبعث بالاخماس مع صحار العبدی واستامرہ فی الفیلۃ[1]	حکم بن عمرو نے حضرت عمر کے پاس فتح کی بشارت کا پروانہ روانہ کیا اور صحار عبدی کے ذریعہ یہاں خمس بھیجا، اور ہاتھیوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا

حضرت عمر نے اس سلسلے میں جو ہدایت نامہ روانہ کیا تھا اس میں یہ تھا کہ:۔

وامرہ ببیع الفیلۃ بارض الاسلام وقسم اثمانھا علی من افاء اللہ علیہ[2]	آپ نے حکم بن عمرو کو حکم دیا کہ ان ہاتھیوں کو بلاد اسلامیہ میں فروخت کر کے ان کی قیمت مجاہدوں پر تقسیم کر دیں۔

تاریخ کے یہ مختصر و محتاط الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس موقع پر مسلمانوں کو غنائم و سبایا سے حصہ وافر ملا تھا، نیز حضرت حکم بن عمرو ثعلبی کے اشعار سے مال غنیمت کی کثرت و افادیت معلوم ہوتی ہے۔

اسی سال حضرت سہل بن عدیؓ کی امارت و قیادت میں بلوچستان فتح ہوا، اور مسلمانوں

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔ [2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۳۔

نے جی بھر کر مال غنیمت میں اونٹ، بھیڑ بکری بڑی تعداد میں حاصل کیے، اور مکران کے ہاتھیوں کی طرح بلوچستان کے بختی اونٹوں کے بارے میں حضرت عمرؓ سے استصواب کیا گیا، بات یہ تھی کہ یہاں کے بختی اونٹ ڈیل ڈول میں عربی اونٹوں سے آگے تھے اس لیے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اختلاف ہو گیا کہ ان کو عربی اونٹوں کے معیار پر رکھا جائے یا ان کی قیمت زیادہ رکھی جائے، بعد میں حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق قیمت کے اندازہ پر ان کی تقسیم ہوئی۔[1]

۳۳ھ میں عبد الرحمن بن سمرہؓ نے سجستان اور علاقہ سندھ کی فتوحات میں بہت زیادہ غنائم و سبایا حاصل کیے'' زرنگ کا محاصرہ کر کے وہاں کے حاکم سے دو لاکھ نوکروں اور خادموں کی ادائیگی پر صلح کی، پھر علاقہ سندھ میں آئے تو داور کا محاصرہ کر کے وہاں کے لوگوں سے بھی مال کی بھاری تعداد پر صلح کی، یہاں کے غنائم کی کثرت بلاذری کی اس تصریح سے معلوم ہوتی ہے۔

ثم صالحهم وكانت عدة من معه من المسلمين ثمانية الاف فاصاب كل رجل منهم اربعة الاف[2]

اس صلح کے وقت حضرت عبد الرحمٰن کے ساتھ آٹھ ہزار مسلمان تھے، اور ان میں سے ہر شخص کو چار چار ہزار درہم ملے تھے!

مطلب یہ ہے کہ خلافت کے بیت المال کا خمس نکال کر ہر مجاہد کو چار ہزار درہم ملے اس طرح آٹھ ہزار مجاہدوں میں ۳۲ کروڑ درہم (تقریباً ۱۶ کروڑ روپے تقسیم کیے گئے۔

۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے فدائیوں کی بھاری فوج لے کر مکران اور سندھ کے علاقوں میں شاندار فتوحات حاصل کیں اور خوب خوب غنائم و سبایا ہاتھ آئے، خلیفہ بن خیاط کا بیان ہے۔

دوغل فی جبال القیقان فاصاب سبایا کثیرۃ[3]

وہ قیقان کے پہاڑی علاقوں میں بڑھتے چلے گئے اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔

بلاذری نے بھی اس مہم کی فتوحات و غنائم کو بیان کر کے لکھا کہ ایک دن میں ایک ہزار

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰ [2] فتوح البلدان ص ۳۸۹، [3] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴۔

جنگی قیدی اسلامی فوج میں تقسیم کیے گئے۔

واصاب مغنماً وسبیاً وقسم فی یوم واحدِ الف راس[1]	حارث بن مرہ عبدی نے بہت سے مال غنیمت اور قیدی پائے اور ایک دن میں ایک ہزار غلام تقسیم کیے،

یوں تو دورِ خلافت میں ہندوستان کی تمام فتوحات میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور مالِ غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے، مگر مذکورہ بالا چار فتوحات میں غنائم و سبایا بہت زیادہ ہاتھ آئے۔ اور اسلامی احکام کے مطابق ان کی تقسیم یوں ہوئی کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) بیت المال کو روانہ کر دیا گیا اور باقی چار حصے مجاہدوں میں ان کے حصہ اور حق کے مطابق تقسیم کر دیئے گئے، یہاں ایک موقع پر ہر سپاہی کو چار چار ہزار درہم ملے تھے، اور یہ وصیف و سبی اپنے مالکوں کی ولار اور حمایت میں عرب کی کھلی فضا میں پروان چڑھے، اور آگے چل کر ان میں بڑے بڑے علمار، فقہار، محدثین، شعرار، ادبار اور دیگر علوم و فنون کے ائمہ پیدا ہوئے، جیسا کہ اپنی جگہ پر مذکور ہے،

---

[1] فتوح البلدان ص۴۲۱۔

(۵)

انتظامات وتعلقات

خلافت راشدہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک حجاز کا شہر مدینہ منورہ عالم اسلام کا دار الخلافہ تھا اور اس پچیس سال کی مدت میں پورے ممالکِ اسلامیہ اور مفتوحہ علاقے اسی مرکز سے وابستہ رہے، مگر اس درمیان میں مشرقی ممالک کے حربی اور انتظامی امور و معاملات کے دو مرکز عراق میں بنائے گئے تھے، ایک بصرہ جو جنوبی مشرقی ممالک یعنی فارس و مکران اور سندھ کے جملہ معاملات کا مرکز تھا، اور یہاں کا امیر خلیفۃ المسلمین کے نائب کی حیثیت سے ان ممالک کا امیر ہوتا تھا، اور دوسرا کوفہ جو شمالی مشرقی ممالک یعنی بلادِ ماوراء النہر سے سمرقند و کاشغر تک کا مرکز تھا اور یہاں کا امیر اسی حیثیت سے ان علاقوں کا امیر ہوتا تھا، چنانچہ فارس اور سندھ وغیرہ میں غزوات و فتوحات، امراء و عمال کے عزل و نصب، خروج و بغاوت کی تادیب و سرکوبی اور ملکی انتظامات کے ذمہ دار بصرہ کے امراء ہوتے تھے، اور امیر المومنین کے حکم و مشورہ اور ہدایت کے مطابق ان میں کام کرتے تھے، یہ امراء ان مشرقی ممالک کی مہمات پر خود بھی آتے تھے اور اپنے ماتحت امراء کو بھی روانہ کرتے تھے، یعنی یہ مرکز اصل مرکز کی ماتحتی میں کام کرتا تھا اور اپنے متعلقہ علاقوں کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا، ۳۵ھ کے بعد مدینہ منورہ کی اصل مرکزیت کوفہ کے حق میں ختم ہوگئی، مگر اس دور میں بھی بصرہ کی علاقائی مرکزیت باقی رہی، اور یہاں کے امراء فارس اور ہندوستان میں اپنی نیابت میں وُلاۃ و حکّام بھیجتے رہے، اس طرح خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ سے امیر المومنین کے احکام امیر بصرہ کے پاس اور وہاں سے مکران اور سندھ وغیرہ کے عمال و حکّام تک پہونچتے تھے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ براہ راست مدینہ سے ان علاقوں کا تعلق قائم ہوجاتا تھا، درمیان میں بصرہ کا واسطہ نہیں ہوتا تھا مگر عام حالات میں انتظامی طور سے

مکران اور سندھ کے مقبوضہ علاقے ان تین مرکزوں سے متعلق رہتے تھے، پہلے یہاں کے مقامی مرکز اور مقامی امیر سے دوسرے بصرہ کے علاقائی مرکز و امیر سے، اور تیسرے حجاز کے اصل مرکز اور امیر المومنین سے۔

خلفائے راشدین

حضرات خلفائے اربعہ میں سے کسی خلیفہ کو ہندوستان یا بیرون عرب جانے کا اتفاق نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک موقع پر ملک شام تشریف لے گئے تھے، البتہ ان حضرات کو ہندوستان سے دلچسپی ضرور رہی، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مشرقی ممالک سے تعلقات ہی نہیں تھے، اس لیے اس دور میں ہندوستان سے تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں تھا۔ البتہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب مشرق کی فتوحات ہوئیں اور ارض الہند یعنی اُبُلّہ فتح ہوا تو آپ کو ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہوئی اور سب سے پہلے آپ نے سندھ کے مرکزی مقام قندابیل کے حالات معلوم کیے اس کے بعد جب ۲۳ھ میں صحار عبدیؓ مکران سے مال غنیمت لے کر حاضر ہوئے تو ان سے وہاں کے متعلق استفسار کیا، نیز یہاں کے امیروں اور فاتحوں کو متعدد مواقع پر ہدایات دیں۔ اور سرکاری سطح پر خط و کتابت جاری رکھی، اور ذاتی طور سے یہاں کی فتوحات و معاملات میں دلچسپی لی، یہی حال حضرت عثمانؓ کا تھا کہ آپ نے سندھ اور مکران میں حکیم بن جبلہ عبدی کو مخبر و مبصر بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد اپنے حکم و امر سے مکران کی بغاوت و سرکشی ختم کرنے کے لیے سخت قسم کی تادیبی کارروائی کی، اور خصوصی توجہ سے ان علاقوں میں بہترین انتظام قائم کر کے یہاں یکے بعد دیگرے تین امرا مقرر کیے، حضرت علیؓ کو اس ملک کے باشندوں سے خصوصی تعلق تھا، یہاں کی مسلمان باندیاں ان کے پاس اور ان کے خاندان میں رہیں، عراق کے مسلمان جاٹوں نے آپ سے محبت و عقیدت کا تعلق قائم کیا اور آپ نے ان کو بصرہ کے بیت المال کا محافظ و نگران بنایا، اور آپ ہی کی مرضی و اجازت سے حارث بن مرہ عبدیؓ نے مکران و قندابیل اور قیقان وغیرہ میں شاندار فتوحات حاصل کیں، الغرض خلفائے راشدین کو ہندوستان سے خصوصی تعلق تھا اور یہاں کے ہر معاملہ میں وہ اپنے امرا کے ذریعہ اور بہ نفس نفیس بھی دخیل ہوتے تھے، اور ہندوستان اپنے ان خلفا و امرا کی توجہات و عنایات سے مستفیض ہوتا تھا۔

ہندوستان کے بصری امراء و حکام

مدینہ منورہ کے بعد اسلامی ہند کا علاقائی مرکز بصرہ تھا جسے ۱۴ھ میں حضرت عتبہ بن غزوان رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کے حکم و مشورہ سے اُبلہ کے قریب آباد کیا تھا، یہاں کے امراء مشرقی ممالک اور ہندوستان کے بھی امیر اور گورنر ہوتے تھے، خلافت راشدہ میں (۱) بصرہ کے سب سے پہلے باقاعدہ امیر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ ہوئے جن کو حضرت عمر رضؓ نے یہاں کی امارت دی، اور جو ۱۷ھ سے ۲۹ھ تک اپنے عہدے پر رہے، (۲) ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضؓ کا دورِ امارت آیا جو حضرت عثمان رضؓ کی شہادت ۳۵ھ تک بصرہ کے امیر رہے، (۳) پھر حضرت علی رضؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں حضرت عثمان بن حنیف رضؓ امیر مقرر ہوئے، مگر جلد ہی ۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقع پر آپ کی امارت جاتی رہی، اور (۴) حضرت علی رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو امیر بنایا جو آپ کی شہادت ۴۰ھ سے پہلے ہی اس عہدہ سے علیحدہ ہو کر حجاز چلے گئے، خلافت راشدہ میں بصرہ کے یہ چاروں گورنر فارس اور ہندوستان کے بھی حاکم اعلیٰ تھے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے دورِ امارت و حکومت میں ان ممالک کی فتوحات و مہمات اور انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ہندوستان کے ان بصری امراء و حکام کا مختصر تعارف یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ

آپ کا نام عبداللہ بن قیس ہے، یمن کے اشاعرہ میں سے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کے علاقہ زبید کا عامل بنایا تھا، حضرت عمر رضؓ نے ۱۷ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے بجائے ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ کا امیر مقرر کیا، اور وہ آپ کی شہادت ۲۳ھ کے بعد بھی حضرت عثمان رضؓ کے دور میں بھی بصرہ کی امارت سنبھالے رہے حتیٰ کہ ۲۹ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریز رضؓ یہاں کے امیر ہوئے، تو کوفہ چلے آئے اور ۴۲ھ یا ۵۰ھ یا ۵۲ھ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے[1] آپ نے خراسان، اور فارس کے علاقوں میں بہت زیادہ فتوحات حاصل کی ہیں، اور جنوبی

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۴۶۔

مشرقی ممالک کے پورے علاقہ میں آپ نے اور آپ کے امراء و عمال نے اسلام کی بہترین خدمات انجام دی ہیں، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مکران بھی تشریف لائے تھے، اور یہاں کے سیاسی و ملکی اور حربی معاملات کی آپ نے دیکھ بھال کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی ہیں، عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور خدمت نبوی میں لائے گئے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرما کر ان کے حق میں بشارت دی اور دعا فرمائی، ۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جگہ بصرہ کا گورنر بنا کر پورے مشرقی علاقہ کا امیر و حاکم مقرر کیا، اس وقت ان کی عمر چوبیس پچیس سال کی تھی، انہوں نے بھی اپنے دورِ امارت میں خراسان، اطراف فارس، سجستان، کرمان، زابلستان وغیرہ کو فتح کیا اور ان ممالک میں بیش بہا اسلامی خدمات انجام دیں، بہت ممکن ہے اسی سلسلہ میں مکران و سندھ بھی آئے ہوں میدان عرفات میں سب سے پہلے عبداللہ بن عامر نے حوض تعمیر کرائے، چشمے جاری کیے، اور باغات لگوائے، ۳۵ھ تک بصرہ اور مشرقی عالم اسلام کے امیر و حاکم رہے پھر حضرت معاویہ کے زمانہ میں یہاں کے امیر ہوئے اور ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں فوت ہوئے[1]

حضرت عثمان بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ اُحد اور اس کے بعد کے تمام غزوات و مشاہد میں شریک رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی فتح کے بعد سوادِ عراق کی زمینوں کی پیمائش اور ان پر خراج کی تشخیص کے لیے آپ ہی کی خدمات حاصل کی تھیں اور آپ نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۳۵ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی جگہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور مشرقی بلاد و امصار کا حاکم بنایا اور وہ جنگ جمل تک اپنی ذمہ داریاں بوجہِ احسن سنبھالتے رہے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کوفہ میں سکونت

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۱ و ص ۱۹۲۔

پذیر ہو گئے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور مشہور و معروف اور جلیل القدر صحابی ہیں، حبر الامت لقب ہے، عثمان بن حنیف انصاریؓ کے بعد حضرت علیؓ نے آپ کو بصرہ کا امیر و حاکم مقرر کیا، آپ نے مشرقی ممالک کی شورش و بغاوت ختم کرنے میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے دورِ امارت میں حسکہ بن عتاب حبطی اور اس کے ساتھیوں نے سجستان میں خروج و بغاوت کر کے قتل و غارت اور خود مختاری کی فضا پیدا کر دی تھی، آخر حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہاں سخت تادیبی کاروائی کے لیے کہا اور آپ نے چار ہزار سپاہیوں کی فوج ربعی بن کاس عنبریؒ کی امارت میں روانہ کی اس کے بعد علاقہ سجستان میں امن و امان ہوا اور حضرت حارث بن مرہ عبدیؒ نے مکران اور سندھ میں شاندار فتوحات حاصل کیں[2] ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول ہندوستان کے بارے میں نقل کیا: اھبط آدم بدحناء ارض الھند[3]

مدینہ منورہ کے خلفائے اربعہ کے بعد بصرہ کے ان امرار اربعہ نے ہندوستان اور مشرقی ممالک میں اسلام کی بہترین خدمات انجام دی ہیں، اور اپنے اپنے دورِ امارت میں یہاں سے ہر قسم کے صلات و تعلقات قائم کرنے میں بہترین کوشش کی ہے، ہندوستان اپنے خلفاء راشدین کی طرح اپنے ان امراء مہدیین کے ذریعہ اسلامی ثقافت سے مالا مال ہوا ہے۔

مکران و قندابیل کے مقامی امراء و حکام حجازی اور عراقی مرکزوں اور یہاں کے خلفاء و امراء کے بعد ہمیں خود ہندی مرکز اور یہاں کے امیروں کا جائزہ لینا ہے کہ ان ہی سے براہ راست اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مرتب و مدون ہوئے ہیں اور ان ہی سے بلا واسطہ ہمارا ابتدائی تعلق قائم ہوا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ بیانات سے معلوم ہوا خلافت راشدہ میں ہندوستان کا شمالی و مغربی

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۷۱ [2] ،، جلد ۳ ص ۱۹۴ فتوح البلدان ۳۸۷ [3] ابن کثیر جلد ۱ ص ۸۰۔

حصہ اسلام کا مرکز بنا۔ جو شمال میں کابل و سجستان تک، جنوب میں مکران و سندھ تک، مشرق میں کرمان و زابلستان تک اور مغرب میں بحر عرب تک پھیلا ہوا تھا، ان حدود اربعہ کے اندر جو وسیع و عریض علاقہ تھا اسے قدیم ہندوستان کہتے تھے، اس میں مکران، بلوچستان، فہرج، داور، بامیان، قندابیل، قیقان، سندھ وغیرہ شامل تھے، یعنی خلافت راشدہ کے ہندوستان میں موجودہ ایران اور افغانستان کا تقریباً تمام رقبہ اور پاکستان کا شمالی مغربی حصہ شامل تھا، کرمان اور سجستان کے درمیان مکران وطوران کا علاقہ پڑتا تھا۔ جس کا مغربی شمالی حصہ سجستان سے متصل تھا جیسے فہرج اور داور وغیرہ اس کے بعد جنوب میں سندھ واقع تھا جس کے بعض بعض علاقے سجستان اور مکران وغیرہ کے قریب تھے، اس علاقہ سندھ میں قندابیل مشہور مقام تھا، اور خلافت راشدہ میں ہندوستان کے ان ہی دونوں مقاموں یعنی مکران و قندابیل میں مقامی امراء و مجاہدین قیام کرتے تھے اور ان ہی میں اسلامی ہند کا دارالامارہ تھا، ہماری تحقیق میں یہاں کا پہلا دارالامارہ مکران میں مقام کیز یا کیج تھا، مکران کسی خاص شہر کا نام نہیں تھا بلکہ یہ ایک علاقہ تھا اور بعد کی تصریحات کے مطابق یہاں کا والی و امیر مقام کیز میں قیام کرتا تھا جو مکران کا مشہور شہر، اور یہاں کی بندرگاہ تھا، یہاں کھجور کے باغات اور نخلستان بہت زیادہ تھے، یہ شہر ساحل سمندر پر واقع ہونے کی وجہ سے عرب و ہند کے تعلقات کا بحری دروازہ تھا، اور اس کے ریگستانوں میں کھجوروں کے باغات عربوں کے لیے کشش کا باعث تھے، اس لیے یہی دارالامارۃ قرار پایا، اور یہیں مکران کا امیر اپنے آدمیوں اور فوجیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ عہد فاروقی میں فتح مکران ۲۳ھ کے بعد سے شہادت عثمان ۳۵ھ تک اس ملک کا یہی اصل مرکز رہا، اور قندابیل کی حیثیت فوجی چھاؤنی کی تھی اس کے بعد حضرت علیؓ کے دور میں مسلمانوں نے علاقہ سندھ میں قندابیل کی مرکزیت کو وسعت دی، جو قدیم زمانہ سے علاقۂ بدھ اور علاقۂ سندھ کا مرکزی مقام تھا۔ اور یہاں کا پہاڑی قلعہ ہر طرح سے محفوظ مانا جاتا تھا۔ خلیفہ بن خیاط کی روایت کے مطابق ۳۶ھ ہی میں حارث بن مرہ عبدی نے اسی سے سندھ و مکران میں فتوحات کیں، مگر اس کے باوجود مکران

کی مرکزیت باقی رہی اور کہنا چاہیئے کہ اصل مرکز وہی تھا اور قندابیل اس کے ماتحت تھا، اس سے پہلے قندابیل پر مسلمان قابض ہو چکے تھے اور حضرت عثمان کے زمانہ میں یہ مقام مسلمانوں کا حربی و فوجی مرکز تھا جہاں شہ سواروں کے دستہ رہا کرتے تھے، اور بوقت ضرورت اطراف وجوانب میں ان سے کام لیا جاتا تھا، البتہ اس کی باقاعدہ فوجی مرکز کی حیثیت بعد میں ہوئی، مگر ۴۲ھ میں اس علاقہ میں اسلامی فوج کی عام شہادت کے بعد باقی ماندہ سپاہی پہلے مرکز مکران میں چلے گئے اور یہاں کی مرکزیت کچھ دنوں کے لیے ختم ہو گئی۔

ہماری تحقیق کے مطابق مکران اور سندھ میں پانچ مستقل امراء و حکام خلافتِ راشدہ کی طرف سے مقرر کیے گئے تھے، جو انتظامیہ اور حربیہ دونوں شعبوں کے ذمہ دار تھے، اور یہاں کے غیر اطمینان بخش حالات اور رہ رہ کر خروج و بغاوت کی واردات کی وجہ سے دفاعی سیاست پر عمل کرتے تھے۔

(۱) سب سے پہلے عہد فاروقی میں فاتح مکران حکم بن عمرو تغلبی غفاریؓ ۲۳ھ میں یہاں کے امیر ہوئے، ان کے ساتھ سہل بن عدی خزرجی انصاریؓ معاون کی حیثیت سے تھے، اسی سال ذوالحجہ میں حضرت عمرؓ کی شہادت ہو گئی، اس کے بعد حکم بن عمروؓ یہاں کے امیر و حاکم رہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالات بدل گئے تھے اور مقامی باشندوں نے بدعہدی کی راہ اختیار کر لی تھی، اسی لیے حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی یہاں کے حالات کی از سر نو چھان بین کرائی، اور سخت قسم کی تادیبی کارروائی کر کے پورے علاقہ مکران کو زیر کیا، غالباً اس درمیان میں حکم بن عمروؓ یہاں کے امیر نہیں تھے۔

(۲) دور عثمانی میں عبید اللہ بن معمر تیمی قرشیؓ امیر ہوئے اور انہوں نے جنگ کے ذریعہ تمام علاقوں کی بغاوت فرو کی،

(۳) ان کی امارت کے تھوڑے ہی دن بعد حضرت عثمانؓ نے مشرقی بلاد و امصار کے انتظام میں تبدیلی کر کے مکران کی امارت عمیر بن سعدؓ کو دی، جو نسبۃً زیادہ مدت تک یہاں کی امارت

پر رہے ؛

(۴) ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی زندگی ہی میں ابن کندیر قشیریؒ یہاں کے امیر بنائے گئے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت ذوالحجہ ۳۵ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے، اس کے بعد معلوم نہیں کہ ابن کندیرؒ یہاں رہے یا نہیں، غالب گمان ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر سے پھر یہاں سرکشی کی فضا پیدا ہو گئی ہو گی، اور اس درمیان میں ابن کندیر کی امارت ختم یا کمزور ہو گئی۔

(۵) بقول خلیفہ بن خیاط ۳۶ھ میں اور بقول بلاذری ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے شروع میں حضرت علیؓ کی طرف حارث بن مرہ عبدیؒ یہاں کے امیر و فاتح بن کر آئے اور انہوں نے مکران کے آگے علاقہ سندھ میں قندابیل کو اپنا فوجی وحربی مرکز قرار دیا، مگر ۴۲ھ میں ان کی اور عام اسلامی لشکر کی شہادت کے بعد مسلمان مکران کے دارالامارہ میں چلے گئے ؛

یہاں کے ان پانچ مستقل امراء کے علاوہ کچھ اور امراء بھی تھے، جن کا تعلق علاقہ سندھ و مکران کی فتوحات وانتظامات سے تھا، مگر وہ مستقل طور سے دوسرے مقامات کے امیر تھے، جن میں سندھ و مکران کے علاقے بھی واقع تھے، مثلاً سہل بن عدی انصاریؓ کرمان کے فاتح و امیر تھے، مگر ۲۳ھ میں فتح مکران میں حکم بن عمرو ثعلبیؓ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہاں کے معاملات میں حضرت عمرؓ نے ان کو بھی ذمہ دار بنایا اور صحار عبدیؒ کی زبانی مکران کے ناگفتہ حالات سن کر حکم اور سہل دونوں حضرات کو آگے نہ بڑھنے کی ہدایت کی، حضرت سہلؓ نے اسی سال کرمان کی فتوحات کے سلسلہ میں قفس (بلوچستان) پر بھی قبضہ کیا اور اسے بھی اپنی امارت کے ماتحت رکھا، حضرت عاصم بن عمروؓ نے سجستان کی فتوحات کے ضمن میں سندھ کے بعض علاقوں کو فتح کر کے اپنی امارت میں شامل کیا، حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ نے ۳۱ھ میں کرمان پر فوج کشی کر کے بلوچستان کی بغاوت فرو کی اور اسے اپنے زیر انتظام رکھا، حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ نے ۳۳ھ میں سجستان کی امارت کے زمانہ میں سندھ کے علاقہ "دا ور" پر قبضہ کر کے اپنے تابع کیا، یہ تمام امراء و حکام اپنے اپنے ممالک کے امیر رہتے ہوئے ان سے متصل سندھ و مکران کے مفتوحہ مقامات کے بھی امیر تھے

اندرونی حوادث وفتن کا اثر ہندوستان پر

خلافت راشدہ کا ابتدائی پچیس سالہ دور فتوحات وانتظامات کے اعتبار سے اسلام کا عہد زریں تھا۔ اس دور میں مجاہدین اسلام افریقہ میں طرابلس تک پہونچ گئے، شمال میں قفقاز کے برف پوش پہاڑوں پران کے گھوڑوں کے قدم گئے، مشرق میں ایک طرف ماوراء النہر، سمرقند، بخارا اور ترکستان غربی تک اور دوسری طرف کوہ ہندوکش، مکران اور سندھ تک ان کے جھنڈے لہرائے اوران مفتوحہ ممالک میں خوش آیند اور خوشگوار انتظامات جاری ہوئے امن وامان، تمدن وحضارت اور علم وفن کی بہاریں آگئیں اور انسانیت کو نئی زندگی اور نیا ماحول ملا، حالانکہ اس درمیان میں فارس کی قدیم سلطنت نے موت کا سنبھالا لینا چاہا، اور سازش کر کے ابو لولو فیروز مجوسی کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا، اس اقدام سے نہ صرف اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہا بلکہ اسلامی اثر ونفوذ کو سرے سے ختم ہی کر دینا چاہا، مگر حضرت عثمان رضؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات کا سیل فارس کی حکومت کے بچے کھچے خس وخاشاک کو بہالے گیا بلکہ جنوب میں آگے بڑھ کر ہندوستان کے شمالی مغربی علاقہ جات مکران اور سندھ تک یہ رَو چلی آئی۔ البتہ حضرت عمر رضؓ کی شہادت کا یہ اثر ہندوستان پر پڑا کہ یہاں بدعہدی، بغاوت اور سرکشی کی ہوا چل پڑی اور چند دنوں کے لیے یہاں کی فتوحات وانتظامات میں خلل پڑا مگر حضرت عثمان رضؓ نے جلد ہی ان اطراف کے تمام سرکش علاقوں میں سخت قسم کی تادیبی کارروائی کرا کر آخری عہد فاروقی کی فتوحات کو مکمل کر دیا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ومنظم حکومت قائم کی، اسی طرح دوسرے ممالک میں فتوحات و انتظامات میں زیادتی وبہتری ہوئی، حتیٰ کہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضؓ کی شہادت ہوئی، اور ایک بار پھر یہاں کے معاملات میں ابتری کے آثار ظاہر ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت کے دو تین سالوں میں اندرونی اختلافات ومشاجرات کی وجہ سے ادھر توجہ نہ ہو سکی، حتیٰ کہ ۳۶ھ میں یا مشہور روایت کے مطابق ۳۸ھ کے آخر یا ۳۹ھ کے ابتداء میں ہندوستان

کی طرف اسلامی فتوحات کا سیلاب چلا، اور شاندار فتوحات و غنائم حاصل ہوئیں۔
دورِ علوی میں حارث بن مرہ عبدیؒ کی قیادت میں معرکۂ قیقان میں اسلامی فوج فتح و ظفر سے ہمکنار ہو رہی تھی کہ اسی دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہونچی، اور اسلامی فوج اپنے مرکز مکران میں لوٹ آئی، مگر ہنگامی طور سے چند دنوں خاموش رہنے کے بعد پھر اپنے کام میں لگ گئی اور پورے نشاط و انبساط کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ ۴۲ھ میں یہاں کی اسلامی فوج کا بیشتر حصہ مع اپنے امیر کے شہادت سے ہمکنار ہو گیا، حضرت علیؓ کے دور میں مسلسل حوادث کا ظہور ہوتا رہا۔ اور مرکز فتنوں کی آماجگاہ بنا رہا ۳۶ھ میں جنگ جمل، ۳۷ھ میں جنگ صفین اور ۳۸ھ میں جنگ نہروان کے واقعات رونما ہوئے مگر ہندوستان میں ان کے اثرات ظاہر نہیں ہوئے، البتہ عرب کے ہندوستانیوں کو ان کی لپیٹ میں آنا پڑا۔ اور انہوں نے ناطرفداری کے عہد و پیماں کے باوجود حضرت معاویہؓ کے طرفداروں کے رویّہ کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفداری کی، جس کی پاداش میں ان کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ مجموعی طور سے بنو امیّہ کے مخالفین میں شامل ہو کر شر و فساد پر اتر آئے۔ ہندوستان میں ان حوادث کے اثر انداز نہ ہونے کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حوادث سے پہلے جو حضرات یہاں کے فاتح و امیر تھے، اگرچہ ان میں سے کئی افراد بعد میں عثمانی الفکر اور علوی الفکر ہو گئے، لیکن وہ بعد میں یہاں نہیں آئے اور یہاں پر ان کے آراء و افکار کی اشاعت نہ ہو سکی، اور جو حضرات بعد میں یہاں آئے وہ علوی الفکر تھے، ان کے مقابلہ میں یہاں عثمانی الفکر نہیں تھے، تقریباً یہی حال فارس وغیرہ کا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ فارس اور ہندوستان میں آلِ علی اور اہلِ بیت کی موالات و محبت کا سکہ چلا، اور عجم میں شیعیت کو فروغ حاصل ہوا، یہ ضرور ہے کہ بعد میں مکران اور سندھ میں خوارج کا زور ہوا، مگر ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ان کو کوئی خاص مقام نہیں مل سکا، چنانچہ حضرت علیؓ کے مخالفین میں حضرت خریت بن راشد ناجی سامیؓ اسی زمانہ میں مکران آئے، مگر کسی موقع پر

ان کا نام تک نہیں ملتا ہے، یہاں کے سابق امرا و حکام میں صحار عبدیؒ عثمانی ذہن کے تھے، اور جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کی صف میں تھے، حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؒ بعد میں حضرت عثمانؓ سے برگشتہ ہو کر حضرت علیؓ کے ہمنوا ہو گئے اور بصرہ میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے مقابلہ میں اپنے قبیلہ عبدالقیس کے سات سو آدمیوں کو لے کر آئے اور بڑی بہادری سے لڑ کر واصل بحق ہوئے، حضرت امام حسن بصریؒ بھی طرفداران علیؓ میں تھے، حضرت صیفی بن فسیل شیبانیؒ بھی طرفداران علیؓ میں بڑے گرم تھے اور اسی راہ میں فوت ہوئے، یہ تمام حضرات دور فتن سے پہلے ہندوستان آئے تھے، البتہ حضرت منذر بن جارود عبدیؓ اور حضرت حارث بن مرہ عبدیؒ علوی ذہن و مزاج کے تھے بلکہ ان امور و معاملات میں پیش پیش تھے۔ یہ حضرات بعد میں یہاں فاتح و امیر بن کر آئے، حضرت حارث عبدیؒ نے حضرت علیؓ کی اجازت و مرضی سے یہاں شاندار فتوحات و غنائم حاصل کیں اور حضرت منذر بن جارود عبدیؓ یزید کے دور میں یہاں کے امیر ہوئے، اور یہیں فوت ہوئے۔

ناموافق حالات اور انتظامی مشکلات

مکران اور سندھ میں مسلمانوں نے انتظامات کے سلسلے میں بے پناہ مصائب و مشکلات کا مقابلہ کیا، اور اپنی خداداد صلاحیت کا بہترین حصہ اس خطہ ہند پر صرف کر کے امن و امان، تہذیب و تمدن، اور دین و دیانت کی فضا پیدا کی!

عرب مورخوں اور جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق مکران ایک وسیع و عریض گرم ریگستانی علاقہ تھا، جس پر قحط، گرانی، معاشی تنگی اور وسائل زندگی کی نایابی کا غلبہ تھا، زمین کا اکثر حصہ بے آب و گیاہ صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل تھا، دریا اور ندیاں نہ ہونے کے برابر تھیں، باشندے غیر متمدن اور وحشی تھے، میدانوں میں جاٹوں کی آبادی تھی، جو اپنی بود و باش اور وحشی زندگی میں عراق کے کردوں کی طرح اجڈ تھے، پھوس کے جھونپڑوں

میں زندگی کے دن کاٹتے تھے، مچھلیوں مرغابیوں کا شکار ان کا ذریعہ معاش تھا۔

سندھ اور قندابیل کا علاقہ بھی اس سے کم بدحال نہ تھا، یہاں کے تمام علاقہ جات بھی خشک و گرم تھے، زمین پہاڑی اور ریگستانی تھی، پانی کی سخت قلت تھی، دریا اور ندیاں یہاں بھی تقریباً مفقود تھیں، صرف ایک دریائے سندھ جسے عرب مہران کہتے تھے سب کچھ تھا، یہاں کے باشندے بھی وحشت و بداوت میں بہت آگے تھے، جو عام طور سے بدھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کے علاقہ کو طوران کہتے تھے جس کا مرکزی مقام قندابیل تھا، ان لوگوں میں تمدنی زندگی کے آثار سراسر مفقود تھے[1] حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو مکران اور سندھ و قندابیل کے بارے میں ان کے مبصروں اور مخبروں نے یہی اطلاع دی تھی کہ ان مقامات کا پانی ردی ہے، پھل خراب ہے، دشمن قوی ہیکل ہیں، ان کی کثرت و طاقت کا حال یہ ہے کہ اگر ان کے مقابلہ میں فوج کم ہو تو ضائع ہو جائے اور خورد و نوش کی اشیاء کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ اگر فوج زیادہ ہو تو بھوک پیاس سے مرجائے، اور اس سے آگے ہندوستانی علاقوں کا حال اور بھی ناگفتہ بہ ہے[2]

یہاں کے طبعی حالات کی ناگواری و ناسازگاری کے ساتھ ان مخبروں اور مبصروں نے بڑی فراخدلی اور حوصلہ مندی سے یہاں کے اپنے دشمنوں کی بہادری و شجاعت کا اعتراف کیا ہے، اپنے دشمنوں کا اعتراف عربوں کے قدیم مزاج میں داخل ہے، وہ واقعات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے، ہندوستان کے باشندوں نے ایران کے قدیم بادشاہوں کے مقابلہ میں ان جدید فاتحوں سے مدتوں نبرد آزمائی کی، اور ایرانی حکومت کے زوال کے بعد بھی انہوں نے عرب بہادروں کے سامنے سپر نہیں ڈالی، یہ اقدام مفتوح کی زبان میں آزادی و خود مختاری کی جدوجہد کہلاتا ہے، اور فاتح قوم اسی کو غداری، بے وفائی، بدعہدی جیسے ناموں سے یاد

---

[1] مسالک الممالک، مروج الذہب، احسن التقاسیم، معجم البلدان۔
[2] عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۹۹، فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

کرتی ہے، غالب ومغلوب اور فاتح ومفتوح کی یہ سیاسی اصطلاحات ہمیشہ اسی طرح رہی ہیں، بہر حال سندھ ومکران اور وہاں کے باشندوں کے مذکورہ بالا حالات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان علاقوں میں زندگی کی نئی قدروں کا پھیلانا اور ان میں تہذیب وتمدن کے ساتھ معیشت ومعاشرت میں خوشگوار انقلاب برپا کرنا بڑے دل گروہ کا کام تھا، اس دور میں مسلمانوں نے اس خستہ وبدحال علاقہ کو کیا دیا، اور اس سے کیا لیا؟ اگر اس کی تفصیل معلوم کی جائے تو یقیناً مسلمان سراسر نقصان میں نظر آئیں گے، مگر وہ "حساب کم وبیش" کا نظریہ لے کر دنیا میں نہیں اٹھے تھے، بلکہ اسلام کی اشاعت اور انسانوں کی خدمت کا حوصلہ لے کر نکلے تھے، یہاں کے مہلک شدائد ومصائب کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین نے یہاں کے حالات سننے کے بعد مجاہدین اسلام کو ان خطرناک حالات میں ہندوستان نہ بھیجنے کا پختہ عزم کرلیا تھا، اور انہوں نے تبلیغ اسلام اور جہاد کے نام پر ان کی زندگی کو ابتلار وآزمائش کے حوالہ نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہندوستان میں تھانہ، بھڑوچ، اور دیبل کی اولین فتوحات کے بعد عثمان ابوالعاصی ثقفی کو نہایت تیز الفاظ میں لکھا کہ اگر مسلمانوں کا نقصان ہوا تو میں تمہاری قوم سے بدلہ لوں گا،[1]

اور فتح مکران کے بعد جب یہاں کے ناگفتہ بہ حالات معلوم کئے تو فرمایا، خدا کی قسم جب تک مسلمان میرا حکم مانتے ہیں میری فوج وہاں جنگ میں نہیں جائے گی[2] ساتھ ہی حکم بن عمروؓ، اور سہیل بن عدیؓ کو لکھا کہ خبردار تم دونوں کی فوج سے کوئی سپاہی مکران کے آگے حدود ہند میں داخل نہ ہو، قندابیل کے اہوال وشدائد کی داستان سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے بارے میں مجھ سے محاسبہ نہ کرے جسے میں مکران بھیجوں[3]

حضرت عثمانؓ نے حکیم بن جبلہ کو تاکید کی تھی کہ سندھ ومکران کے حالات کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کرکے دربار خلافت کو اطلاع دیں چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کو اس اطمینان کے بعد یہاں کے حالات بتائے کہ میں نے وہاں کے حالات اچھی طرح معلوم کرلیے ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۲۰ [2] تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۴۲، [3] عیون الاخبار ج ۲ صفحہ ۱۹۹،

توحضرت عثمان نے اس وقت یہاں فوجی مہم کی روانگی روک دی۔[1]
ان تاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یہاں پر کن خطرات اور مہلک حالات کا مقابلہ کیا ہے، اور یہ کام وہی قوم کرسکتی ہے جس کی نگاہ دنیاوی مفاد سے بہت بلند ہو۔

انتظامی امور میں خلفاء سے خط و کتابت اور ہدایت

گذشتہ صفحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ فتوحات سے پہلے بھی حضرات خلفائے راشدین نے براہ راست ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ سے تعلق رکھا۔ اور جب اس ملک کا ایک معتدبہ حصہ اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا اور یہاں کے مرکزی مقام بصرہ سے اس کا باقاعدہ تعلق قائم ہوا تو اس وقت بھی خلفائے اربعہ یہاں کے امور و معاملات میں دخیل رہا کرتے تھے، ان کی خصوصی توجہ سے اس ملک کے باشندوں کو بڑا فائدہ پہونچا اور ان کی برکات و توجہات سے یہاں کے مسلم اور غیر مسلم سب ہی مستفیض ہوئے نیز یہاں کے امراء و فاتحین حسب ضرورت دار الخلافہ سے رائے مشورہ اور ہدایت لیا کرتے تھے اس لیے ہمیشہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

تھانہ کی بے قاعدہ فوج کشی اور فتح کے بعد عثمان بن ابو العاصی ثقفی نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اس اقدام سے روکتے ہوئے تہدیدی خط لکھا۔

یا اخا ثقیف! حملت دوداً علی عود، وانی احلف باللہ ان لو اصیبوا لاخذت من قومك مثلهم۔[2]

اے ثقفی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے، خدا کی قسم اگر مسلمانوں کا نقصان ہوا تو میں ان کا بدلہ تمہارے قبیلہ سے لوں گا۔

جب اساورہ سیابجہ اور جاٹوں نے اپنے اسلام کے سلسلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کے سامنے اپنی شرطیں پیش کیں اور کہا کہ ہم کو امیر المومنین کی طرف سے جواب ملنا چاہیے تو ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر کو اس معاملہ سے آگاہ کیا، اور آپ نے ان کو لکھا۔

ان اعطهم جمیع ما سألوا۔[3] وہ جو کچھ مانگتے ہیں، تم ان کو وہ سب دیدو۔

---

[1] فتوح البلدان ص۴۳۲، و تاریخ خلیفہ ج ۱ ص۱۹۰، [2] فتوح البلدان ص۴۳۲، [3] فتوح البلدان ص۳۶۶

فتح کران کے بعد امیر لشکر حکم بن عمرو ثعلبی نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں فتح کی بشارت اور خمس روانہ کر کے مال غنیمت میں آئے ہوئے ہاتھیوں کے بارے میں سوال کیا، نیز حضرت عمرؓ نے مکران اور اس کے اطراف کے ناسازگار حالات سنے تو حکم بن عمرو اور ان کے معاون سہل بن عدی دونوں کو لکھا۔

ان لا یجوزن مکران احدٌ من	تم دونوں امیروں کی فوج کا کوئی سپاہی مکران کے
جنود کما، واقتصرا علی مادون	آگے نہ بڑھے، اور تم دونوں دریائے سندھ کے
النھر، وامرہ ببیع الفیلۃ بارض	اس پار رک جاؤ، نیز حضرت عمر نے حکم بن عمرو کو
الاسلام وقسم اثمانھا علی من	حکم دیا کہ وہ ہاتھیوں کو اسلامی ملک میں فروخت
افاءھا اللہ علیہ[1]	کر کے ان کی قیمت فاتحوں میں تقسیم کردیں۔

بلوچستان کی فتح میں وہاں کے بختی اونٹ بھی ہاتھ آئے تھے جو عربی اونٹ کے مقابلہ زیادہ حیثیت رکھتے تھے، اور ان کی تقسیم میں اختلاف رائے ہوگیا مجاشع بن مسعود وغیرہ نے اس بارے میں حضرت عمر کو لکھا، آپ نے جواب میں لکھا۔

ان البعیر العربی انما قُـوِّم	عربی اونٹ کی قدر وقیمت اس کے گوشت کے اعتبار سے
بتعبیر اللحم وذٰلک مثلہٗ	ہے، اور بختی اونٹ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اگر تمہارے
فاذا رأیتم ان فی البخت فضلاً	نزدیک بختی اونٹ میں گوشت کی زیادتی ہے تو پھر اس
فزیدوا فانما ھی من	کی حیثیت کو زیادہ مان لو، کیونکہ یہ زیادتی اس کی قدر و
قیمتہٖ[2]،	قیمت میں ہے!

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اہواز میں جاٹوں پر فتح پائی اور مسلمانوں نے ان کو جنگی قیدی بنایا جس سے مقامی زمینیں بیکار ہو رہی تھیں، اور ان پر کاشتکاری کرنے والے نہیں رہ گئے تھے حضرت عمرؓ کو اس صورتِ حال کی خبر لگی تو لکھا۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۲، [2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱!

انہ لاطاقۃ لکم بعمارۃ الارض — تم لوگوں کو زمینوں کے کاشت کرنے کی طاقت نہیں

فخلوا ما فی ایدیکم من السبی — ہے اس لیے جن قیدیوں کو تم نے اپنے قبضہ کر لیا ہے

واجعلوا علیھم الخراج[1] — ان کو رہا کر دو اور ان پر خراج کی رقم مقرر کر دو؛

ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان نے حدود ہند میں جاسوس اور مخبر روانہ کرنے کے لیے امیر بصرہ عبداللہ بن عامر بن کریز کو لکھا۔

کتب الیہ یا مرہ ان یوجہ الی — کہ وہ ثغر ہند کی طرف ایسے شخص کو روانہ کریں جو وہاں

ثغر الھند من یعلم علمہ وینصرف الیہ بخبرہ[2] — کے حالات کو معلوم کرے، اور واپس آ کر ان کو خبر دے؛

اس سرکاری خط و کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے جملہ فوجی اور انتظامی امور خلفاء کی مرضی و ہدایت کے ماتحت طے پاتے تھے، اور بصرہ کے ماتحت ہونے کے باوجود ہندوستان پر خلفائے راشدین کی امارت و حکومت تھی، اور ہر معاملہ میں یہاں کے مسلمان شریعت کے پابند تھے؛

مذہبی، فکری اور معاشی آزادی

اسلامی تاریخ کا صفحہ صفحہ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ذمیوں کے ساتھ فراخدلی، سیر چشمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کر کے ان کو ہر طرح سے نوازا اور آرام پہونچایا چنانچہ ہندوستان اور عرب دونوں ملکوں میں مسلمانوں نے ہندوستانیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ایفائے وعدہ کی انتہا کر دی؛ اس دور میں اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کو معیار بنا کر اسی کے مطابق مفتوح و مغلوب قوموں سے تعلقات قائم کیے گئے، اور یہی اصول یہاں بھی کارفرما رہا، البتہ باربار کی سرکشی و بدعہدی کی وجہ سے مجبوراً تادیبی سیاست سے کام لینا پڑتا تھا جس کے لیے مسلمان معذور تھے، جو فتوحات صلح و مصالحت اور شرائط و عہود کے ماتحت ہوتی تھیں ان میں مقامی باشندوں کے مفاد کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا تھا، اور خراج و جزیہ کی رقم عموماً جانبین کی مرضی سے طے ہوتی تھی؛ ان کے قدیم ذرائع معاش اور وسائل معیشت ان کے ہاتھ میں رکھے جاتے تھے، حتی کہ بعض فتوحات میں مسلمانوں نے ان کی جائداد

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۰، [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۱۔

اور زمین پر قبضہ کرنے اور ان کو غلام بنانے کے بعد آزاد کر کے زمین ان کے قبضہ میں دے دی گئی تاکہ وہ اپنے طور پر کاشت کرتے رہیں اور اسلامی قانون کی رو سے اپنا جزیہ اور زمین کا خراج ادا کرتے رہیں۔

مذہبی معاملات میں بالکل آزادی حاصل تھی، اور وہ بلا کسی قسم کی مزاحمت کے بتوں، بت خانوں اور پوجا پاٹ کے معاملات میں آزاد تھے، البتہ بعض مرتبہ دعوت و تبلیغ اور اتمام حجت کے طور پر ان کے بتوں کے ساتھ کھیل کھیلا گیا، اور یہ کہہ کر ان کو واپس کر دیا گیا کہ ہمارا مقصد توحید کی دعوت ہے، اسکے بعد تم جانو، تمہارے اعمال جانیں، چنانچہ اس پورے دور خلافت میں یہاں ایک ایسی مثال نہیں ملتی ہے جس میں مسلمانوں نے فتح و ظفر کے دوران کسی بت خانہ کو نقصان پہونچایا ہو، یا کسی جماعت اور فرد کو جبراً مسلمان بنایا ہو، جب کہ ہندوستان، فارس اور عرب تینوں ممالک میں ہندوستانیوں کے برضا و رغبت اسلام لانے کی روایات موجود ہیں۔ حالانکہ یہاں مسلمانوں کو متعدد شاندار فتوحات حاصل ہوئی ہیں جن میں وہ سب کچھ کر سکتے تھے، اور ان کے مندروں اور بت خانوں کو مساجد میں تبدیل کر دینے کی حیثیت کے مالک تھے، مگر تاریخ اسلام کے کسی صفحہ پر اس قسم کے نشان نظر نہیں آتے ہیں، بخلاف اس کے مسلمانوں نے ہندوستان کے غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ وہی مومنانہ کردار ادا کیا جن کی تعلیم و تلقین ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے فرمائی تھی، اور جن کی طرف چند اشارے گزر چکے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب اور بت خانے

اس دور میں ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں متعدد مذاہب اور ان کے بڑے بڑے عبادت خانے اور بت خانے موجود تھے، جن میں عام طور سے تین مذاہب اور ان کے معابد ہیاکل پائے جاتے تھے، عام بت پرستی جو ہندوستان کے قدیم باشندوں کا مذہب ہے، بدھ مذہب جو

ہندوستان میں پیدا ہوا، اور شمال مغرب میں بلخ تک پہونچا ہوا تھا، اور ایرانی شہنشاہیت کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مجوسیت بھی یہاں عام تھی، ان تینوں مذاہب کے ماننے والے اور ان کے بت خانے پورے علاقہ مکران و سندھ میں موجود تھے، سندھ کے علاقہ قندابیل کو طوران کہتے تھے، اس میں بدھ مذہب کا زور زیادہ تھا اور اس علاقہ کو بدھ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا جیسا کہ کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، اس علاقہ کے میدانوں اور ساحلوں میں اسی مذہب والوں کی آبادی تھی۔

ہندوستان کے بت پرست باشندوں کے سات مشہور ہیاکل اور بت خانے تھے جن میں سے مانکیر (مانگرول سوراشٹر) سومنا تھ اور ملتان کے بت خانے اسلامی مقبوضہ کے باہر تھے، اسی طرح بھیروا کا بت خانہ بھی اس وقت تک حدود اسلام میں داخل نہیں تھا اور عہد فاروقی میں حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ نے اپنے شعر میں وہاں نہ جانے کا تذکرہ کیا ہے، ان کے علاوہ سجستان اور سندھ و مکران کے اسلامی علاقوں میں کئی بہت بڑے بڑے بت خانے تھے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ سبعہ ہیاکل میں سے تیسرا ہیکل اور بت خانہ مندوسان کے نام سے مشہور ہے جو کہ بلاد ہند میں واقع ہے، ہندو اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ اس کے اندر مقناطیسی پتھر ہیں جن کی قوتِ جذب و دفع سے عجیب عجیب تماشے ظاہر ہوتے ہیں۔[1]

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ سجستان سے متصل ہندوستان کا پہلا علاقہ بامیان ہے جہاں ایک بت خانہ ہے، یہ بہت بڑا بت خانہ ہے، اس میں ہندوؤں کے عبّاد زہاد اور تپسیا کرنے والے مہنت اور پجاری رہتے ہیں، اس کے بت سونے کے ہیں جو ہیرے جواہر سے مرصع ہیں۔ ہندوستان بھر سے دور دراز علاقوں کے بت پرست بری اور بحری راستوں سے ان کی پوجا پاٹ کے لیے جمع ہوتے ہیں۔[2] نیز ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ایک اور بت خانہ مکران اور قندہار کے درمیان کے میدانی علاقہ میں ہے، اس کی پوری عمارت سونے کی بنی ہوئی

---

[1] مروج الذہب، ج ۲ ص ۲۳۸، [2] الفہرست ص ۴۸۶

ہے، اس کا طول و عرض سات سات گز اور بلندی بارہ گز ہے، انواع و اقسام کے جواہر سے مرصع ہے، اس کے بت یاقوت سرخ اور دوسرے قیمتی پتھروں سے بنے ہوئے ہیں، جن میں بے بہا موتی جڑے ہوئے ہیں[۱] علاقہ داور کے بت خانہ زور کا حال معلوم ہو چکا ہے جس کے بت کے ذریعہ مقامی باشندوں کو توحید کی دعوت دی گئی تھی، بت خانوں کی طرح مجوسیوں کے آتش کدے بھی ہندوستان کے اسلامی مقبوضات میں واقع تھے اور یہاں کے مجوس ان میں پوجا پاٹ کرتے تھے، شاہانِ ایران کے اثر و نفوذ کی وجہ سے یہاں کے مغربی شمالی علاقوں میں قدیم زمانہ سے زردشتی مذہب اور مجوسیت کو فروغ حاصل تھا، مسعودی نے لکھا ہے آتش کدے بہت زیادہ تھے، جن کو مجوسیوں نے عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، طبرستان، جبال، آذربیجان، ران اور ہندوستان سندھ اور چین میں تعمیر کیا تھا[۲]

اسی طرح بدھ مذہب کے معابد و ہیاکل ان علاقوں میں پائے جاتے تھے، اور ابتدا میں ان ہی علاقوں میں بدھ مذہب کے بانی نے اپنی سرگرمی دکھائی ہے، مسعودی نے لکھا ہے کہ بوداسف (گوتم بدھ) ہندی تھا اور ہندوستان میں ظاہر ہوا، یہاں سے سندھ اور وہاں سے سجستان اور زابلستان (غور) کے شہروں میں گیا، پھر یہاں سے واپس آکر دعویٰ کیا کہ وہ اللہ کی طرف سے فرستادہ ہے[۳] یہی وجہ ہے کہ سندھ کا شمالی علاقہ جسے طوران کہتے ہیں ولایت بدھ کے نام سے بھی مشہور تھا۔

یہ تمام بت خانے اور مذہبی ہیاکل و معابد خلافتِ راشدہ میں ہندوستان کے اسلامی قلمرو میں موجود تھے، جن میں یہاں کے غیر مسلم ذمی آزادی سے عبادت کرتے تھے اور اپنے مذہب کے مطابق تمام امور بجا لاتے تھے، حتیٰ کہ یہ بت خانے بعد میں بھی کئی صدیوں تک باقی رہے اور ان کے تذکرے مسلمان مورخوں اور سیاحوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، مسلمانوں نے نہ ان بت خانوں سے کوئی تعرض کیا اور نہ ان کے ماننے والوں پر نکیر کی، کیوں کہ وہ خلافت

---

[۱] الفہرست ص۴۸۶ [۲] مروج الذہب ج ۲ ص۲۵۸، [۳] مروج الذہب، ج ۲، ص۲۳۷

اسلامیہ کے غیر مسلم ذمی اور رعایا تھے، اُن کے جان و مال اور آل اولاد کی طرح مذہب اور عبادت خانے بھی بالکل محفوظ رکھے جاتے تھے، اور ان کی مذہبی آزادی میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا خاص طور سے شرائط و مواعید کی رو سے جو ممالک فتح ہوتے تھے، ان کے باشندے ہر طرح مطمئن رہ کر زندگی بسر کرتے تھے۔

مفتوحہ زمینوں کے احکام اور خراج وعشر اور جزیہ

مفتوحہ زمین کی تین قسمیں اور ان کے لیے تین قسم کے احکام ہیں۔ (۱) وہ زمین جس کے تمام باشندے مسلمان ہوجائیں یہ زمین عشری ہوگی اور مقامی باشندے اس کے مالک ہوں گے اور زمین کی پیداوار سے خلافت کو عشر یعنی دسواں حصہ دیں گے، (۲) جو زمین صلح کے ذریعہ فتح ہوئی ہے، اس پر طرفین سے جو خراج طے ہوا ہو اس مقدار کی ادائگی لازمی ہے اور جن شرائط پر صلح ہوئی ہے ان کا پورا کرنا طرفین کے لیے ضروری ہوگا۔ (۳) جو زمین طاقت اور فوج کشی کے ذریعہ فتح ہوئی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ کہ وہ بھی مال غنیمت میں سے ہے اور بحق خلافت اس کا خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی چار حصے مجاہدین پر حسب قاعدہ تقسیم کر دیئے جائیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ وامام اپنی صوابدید سے اس میں عمل کرے اگر چاہے تو غنیمت قرار دے کر خمس نکالنے کے بعد فوجیوں پر تقسیم کردے ایسی صورت میں یہ زمین عشری ہوگی اور اس کے باشندے غلام ہوں گے، اور اگر چاہے تو اسے فئی بنا کر باقی رکھے جیسا کہ حضرت عمر نے سوادِ عراق میں کیا تھا ایسی صورت میں یہ زمین تمام مسلمانوں پر وقف ہوگی۔ اور اس کے باشندے غلام نہیں ہوں گے البتہ ان پر جزیہ اور زمین پر خراج ضروری ہے، جزیہ کی تشخیص اس طرح ہے کہ معاش و معیشت کے اعتبار سے معمولی درجہ کے ایک مرد بالغ پر سالانہ بارہ درہم، متوسط الحال پر چوبیس درہم، اور مالدار و خوشحال پر اڑتالیس درہم، عورتوں اور بچوں پر کوئی رقم نہیں ہے، اسی طرح ضعیف، کمزور، آفت رسیدہ یا مذہبی آدمی سے امیر کی صوابدید پر جزیہ معاف ہے، ایک درہم موٹے حساب سے آٹھ آنے کے برابر ہے، جو زمین فتح کے بعد مقامی

باشندوں کو کاشت کے لیے دی جاتی ہے اس پر فی جریب (موٹا حساب بگیھہ) خراج کی رقم پیداوار کی نوعیت کے اعتبار حسب ذیل ہے۔ فی جریب انگور پر دس درہم، زیتون پر بارہ درہم، جو پر دو درہم، گیہوں پر چار درہم، گنے پر چھ درہم، کھجور پر آٹھ درہم، سمسم (السی) پر پانچ درہم، روئی پر پانچ درہم، سبزی ترکاری پر تین سے پانچ درہم، اور اسی حساب سے ہر جنس سے بوریاں بھی لی جاتی ہیں۔[1] احوال وظروف کے پیش نظر خراج میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

ہماری تحقیق میں خلافتِ راشدہ میں ہندوستان میں پہلی صورت مفقود تھی اور یہاں کوئی علاقہ ایسا نہیں تھا جس کے تمام باشندے مسلمان ہو کر اپنی زمینوں پر قابض ودخیل رہے ہوں اور ان کی پیداوار کا عشر خلافت کو گیا ہو، البتہ بعد کی دونوں صورتیں اس دور میں پائی جاتی تھیں، یعنی جو زمینیں صلحاً فتح ہونے کے بعد مقامی باشندوں کے پاس رہیں ان سے خراج وصول کیا گیا، اور جو زمینیں عنوۃً وجبراً فتح ہونے کے بعد مسلمانوں میں تقسیم کی گئیں ان سے عشر وصول کیا گیا۔

عراق، خراسان اور بصرہ سے متعلق مشرقی بلاد وامصار جن میں سندھ اور مکران وغیرہ بھی شامل ہیں، ان سب میں یہی صورتیں ہیں اور خلافت راشدہ سے لے کر عباسی دور تک ان ہی پر عمل درآمد ہوتا تھا، امام قاضی ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون رشید کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ:

اما ارض البصرة وخراسان فانها عندی بمنزلة السواد ما افتتح من ذلك عنوة فهو ارض خراج وما صولح عليه اهله فعلى ما صولحوا عليه، ولا يزداد عليهم، وما اسلم عليه اهله فهو عشر، ولست افرق بين السواد وبين هذا في شئ من امرها،

بصرہ اور خراسان کی متعلقہ زمینیں میرے نزدیک سواد عراق کے مانند ہیں کہ ان میں سے جو جبراً فتح ہوئیں وہ خراجی ہیں، اور جو صلحاً فتح ہوئیں ان کا معاملہ باشندوں کے شرائط پر ہوگا اور ان پر کچھ زیادہ نہیں کیا جائے گا، اور جس زمین کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں تو وہ عشری زمین ہے، اور میرے نزدیک سوادِ عراق کی زمینوں میں اور بصرہ وخراسان کی زمینوں میں کوئی فرق نہیں ہے مگر اسی طریقہ پر معاملہ جاری ہے اور خلفاء نے

[1] کتاب الخراج، امام ابو یوسف ص۲۳، ص۲۵، ص۲۶ کتاب الاموال ص۵۵، ص۶۸، ص۶۹ فتوح البلدان ص۴۳۳

ولكن قد جرت عليها سنة، وامضى ذلك من كان من الخلفاء فرأيت ان تقرها على حالها، وذلك الامر وعليه العمل[1]

بھی اسے جاری رکھا ہے اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم بھی اسی طریقہ کو باقی رکھو اور اس پر عمل بھی ہے۔

عراق کے دو فوجی مرکز اور ان کے سواد تھے ایک بصرہ جس کے سواد میں فارس، خراسان، کرمان سجستان، مکران اور سندھ وغیرہ تھے اور ان ملکوں میں بصرہ کی فوجیں فتوحات کرتی تھیں، اس لیے یہ تمام ممالک "ارض البصرة" میں داخل تھے، اور دوسرا مرکز کوفہ تھا جس کے سواد میں بلاد ماوراء النہر اور ایشیائے کوچک کے علاقے تھے اور وہ ارض الکوفہ تھے۔

جو مقامات صلح ومعاہدہ سے فتح ہوئے

جو بلاد وامصار صلح ومصالحت کے ذریعہ فتح ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے، ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں عاصم بن عمرو تمیمیؓ نے سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں حدودِ سندھ کے علاقے مقامی باشندوں کے مطالبہ پر صلحاً فتح کئے، طبری کا بیان ہے۔

ثم انهم طلبوا الصلح على زرنج وما اختاروا من الارضين فاعطوه، وكانوا قد اشترطوا فى صلحهم ان فدافدها حمى، فكان المسلمون اذا خرجوا تناذروا خشية ان يصيبوا منها شيئاً فيخفروا، فتم اهل سجستان على الخراج والمسلمون على الاعطاء[2]

مقامی باشندوں نے زرنگ اور اپنی پسند کی زمینوں پر صلح کا مطالبہ کیا تو مسلمانوں نے ان کا مطالبہ منظور کر لیا، انہوں نے صلح میں ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ یہاں کے صحرا اور میدان چراگاہ باقی رکھے جائیں گے، اس شرط کی وجہ سے جب مسلمان باہر نکلتے تھے تو ایک دوسرے کو اس خوف سے آگاہ کرتے تھے کہ ان صحراؤں سے کوئی ناجائز اور مالکانہ فائدہ نہ حاصل کریں کہ اس سے عہد وپیمان میں نقص ہو جائے گا اس طرح اہل سجستان خراج پر تیار ہوئے۔ اور

---

[1] کتاب الخراج ص۸۶ [2] تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۹۱

مسلمان شرائط کے پورا کرنے پر آمادہ ہوئے۔

۳۳ھ میں عبدالرحمن بن سمرہؓ نے علاقہ داور کو بھی صلحاً ہی فتح کیا تھا، بلاذری نے لکھا ہے

فلما انتھیٰ الی الداور حصرھم	عبدالرحمن بن سمرہؓ نے داور پہونچ کر جبل زور میں
فی جبل الزور ثم صالحھم	باشندوں کا محاصرہ کیا پھر انہوں نے صلح کی
.... وفتح بست وذابل	اور اسی سلسلہ میں انہوں نے بست اور ذابل
بعھد[1]	(غزنین) معاہدہ کے ذریعہ فتح کیا۔

ان مفتوحہ علاقوں کی زمینیں مقامی باشندوں کے قبضہ میں رہیں، اور ان سے مذکورہ شرح یا آپس میں طے شدہ شرح سے خراج وصول کیا گیا، یا پھر وہ رقم متفرق یا یکجائی طور پر وصول کی گئی جو شرائط صلح کی رو سے باہم طے ہوچکی تھی۔

جو مقامات جہاد سے فتح ہوئے، جو ممالک اور بلاد جہاد کے بعد بزور طاقت فتح کیے گئے ان کی تفصیل یہ ہے، عہد فاروقی کی ابتدائی فتوحات جو عثمان بن ابو العاصی ثقفی اور ان کے بھائیوں کی امارت میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل میں ہوئیں یا ۲۳ھ میں مکران کی جو فتح حکم بن ابو العاصی ثقفی کی امارت میں ہوئی، وہ سب وقتی اور ہنگامی تھیں، اور ان کے بعد وہاں کی زمینوں اور باشندوں پر خراج اور جزیہ کا قانون جاری نہیں ہوا، البتہ ۲۳ھ میں حکم بن عمرو ثعلبیؓ کی امارت میں فتح مکران کے بعد خراج و جزیہ کا معاملہ کیا گیا، کیونکہ یہ مستقل فتح طاقت کے ذریعہ اور باقاعدہ جنگ کے بعد ہوئی تھی۔ طبری نے اس جنگ کا نقشہ ان مختصر الفاظ میں کھینچا ہے۔

وقد انقض اھل مکران الیہ	اہل مکران نے بدعہدی کی اور سابقہ معاہدوں کو توڑا
حتی نزلوا علی شاطئ فعسکروا	اور دریائے سندھ کے کنارے اتر کر فوجوں کو جمع کیا،
وعبر الیھم راسل ملکھم	نیز ان کا راجہ راسل جو کہ سندھ کا راجہ تھا دریا عبور

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۷۔

ملك السند، فأمد لفّ بهم مستقبل المسلمين، فالتقوا فاقتتلوا بمكان من مكران من النهر على ايام بعد ماكان قد انتهى اليه اوائلهم، و عسكروا به ليلحق اخراهم فهزم الله راسل وسلبه واباح المسلمين عسكره وقتلوا في المعركة مقتلة عظيمة واتبعوهم يقتلونهم اياما حتى انتهوا الى النهر، ثم رجعوا فاقاموا بمكران[1]

کرکے ان سے مل گیا، اور مسلمانوں کے سامنے پڑاؤ ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے سندھ سے چند دن کی دوری پر مکران کے ایک مقام میں طرفین میں مڈبھیڑ ہوگئی اور قتال کا بازار گرم ہوگیا، مکرانیوں نے یہ ترکیب کی تھی کہ ان کی فوج کے اگلے حصے پہونچ کر محاذ پر جم گئے تاکہ ان کے پچھلے حصے بھی آکر مل جائیں، اللہ تعالیٰ نے راجہ راسل کو شکست دی، اور اس کے ساز و سامان لوٹ کی نذر کر دیئے، اور مسلمانوں نے اس کی فوج کو یوں مارا کہ میدان جنگ میں زبردست قتل و خون ہوا، پھر مسلمانوں نے کئی دن تک ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ وہ دریائے سندھ پر پہونچ گئے، اس کے بعد مسلمان مکران میں واپس آکر ٹھہرے۔

اس فتح کے نتیجہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت اور ہاتھی وغیرہ ہاتھ آئے، اور باقاعدہ ان کا خمس حضرت عمرؓ کے پاس روانہ کیا گیا۔

۲۳ھ میں سہل بن عدی نے کرمان اور بلوچستان کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا، مقامی باشندوں نے پوری طاقت جمع کرکے مقابلہ کیا مگر ان کو ہزیمت اٹھانی پڑی، طبری نے لکھا ہے:

وقد حشد له اهل كرمان واستعانوا بالقفس، فاقتتلوا في ادنى ارضهم ففضهم الله فاخذوا عليهم بالطريق و

سہل بن عدی کے مقابلہ کے لیے اہل کرمان نے پوری طاقت جمع کی اور بلوچوں سے مدد لی پھر اپنے قریبی علاقہ میں مسلمانوں سے جنگ کی، اللہ تعالیٰ نے اس کی جمعیت منتشر کر دی، اور مسلمانوں نے ان کا

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲

قتل النسیر مرزبانها ..... راستہ گھیر لیا نسیر نے ان کے حاکم کو قتل کیا اور مسلمانوں
فاصابوا ماشاؤا من بعیر او شاۃٍ[1] نے جو چاہا اونٹ اور بکری مال غنیمت پایا۔

۲۹ھ میں عبید اللہ بن معمر تیمیؓ نے مکران کے جنوب میں نہر سندھ تک پورا علاقہ طاقت کے ذریعہ فتح کیا، اور ان اطراف کی بغاوت کو سخت جنگ کے بعد ختم کر کے حالات پر پورا قابو پایا، طبری کا بیان ہے۔

وبعث علی مکران عبید اللہ حضرت عثمانؓ نے مکران کی مہم پر عبید اللہ بن معمر تیمی
بن معمر التیمی فاثخن فیھا کو روانہ کیا اور انہوں نے مکران سے دریائے
حتی بلغ النھر[2] سندھ تک کو قتل و غارت کے ذریعہ رام کیا۔

۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود سلمیؓ نے کرمان کی فتوحات کے ضمن میں قفس یعنی بلوچستان کو قتال اور حرب و ضرب کے بعد فتح کیا، بلاذری نے تصریح کی ہے۔

فقاتلھم فظفر بھم، مجاشع نے اہل قفس سے جنگ کر کے ان پر فتح اور
وظھر علیھم[3]۔ غلبہ پایا،

اور ۳۶ھ یا ۳۸ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے بلاد مکران و قندابیل اور قیقان وغیرہ میں قتال و جہاد کے بعد شاندار فتوحات حاصل کیں اور مقامی لوگوں نے زبردست مقابلہ کے بعد اپنی ہار مانی، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے۔

جمع الحارث بن مرۃ العبدی حارث بن مرہ نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں فوج جمع
جمعًا ایام علیؓ، وسار الی بلاد کر کے بلاد مکران کی راہ لی، اور مظفر و منصور ہو کر
مکران فظفر وغنم واتاہ غنیمت حاصل کی، اور اطراف و جوانب کے مسلمان
الناس من کل وجہ[4] ان کے پاس آگئے۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰ و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۱، [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۲۰، و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸
[3] فتوح البلدان ص ۳۸۴ و کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۴۹ [4] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۲۹،

دوسری جگہ لکھا ہے:۔

فجاوز مکران الی بلاد قندابیل وو غل فی جبال القیقان فاصاب سبایا کثیرة[1]	حارث بن مرہ مکران فتح کرنے کے بعد قندابیل کے شہروں کی طرف گئے اور قیقان کے پہاڑی علاقوں میں گھس کر جنگ کی جس کے نتیجہ میں ان کو بہت سے قیدی ملے۔

بلاذری نے ان فتوحات کے بارے میں لکھا ہے۔

توجہ الی ذلک الثغر الحارث بن مرة العبدی متطوعاً باذن علیؓ فظفر، واصاب مغنماً و سبیاً، وقسم فی یوم واحد الف راس[2]	حارث بن مرہ عبدی نے حضرت علی کی اجازت سے رضا کارانہ طور پر ثغر ہند کا قصد کیا۔ اور فتحیاب ہو کر غنیمت پائی اور ایک دن میں ایک ہزار جنگی قیدی تقسیم کیے۔

صاحب چچ نامہ کے بیان کے مطابق قیقان کی جنگ میں تقریباً بیس ہزار سندھی فوجوں نے مسلمانوں سے جم کر مقابلہ کیا مسلمانوں نے بھی پوری طاقت سے جواب دیا جس کے نتیجہ میں قیقانی اور سندھی فوجیں شکست کھا کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوگئیں اور اسلامی فوج مظفر و منصور ہوئی[3]۔

یہ تمام ہندوستانی علاقے عنوۃً و جبراً اور طاقت سے فتح ہوئے، ان کی زمینیں عام طور سے ذمی کی شکل میں باقی رکھ کر مقامی باشندوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں، اور ان پر خراج مقرر کر کے جزیہ وصول کیا گیا، یہ لوگ غلام نہیں بنائے گئے۔

جنگ اور قتال کے ذریعہ مفتوحہ علاقوں اور باشندوں کے بارے میں خلافت کا مجموعی عمل یہی تھا، البتہ اس دور میں ایک مثال ایسی ملتی ہے کہ جنگ سے فتح ہونے والی زمین کو مسلمانوں میں تقسیم کر کے اس سے عشر وصول کیا گیا ہے، چنانچہ عہد عثمانی میں مجاشع بن مسعود

---

[1] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴ [2] فتوح البلدان ص ۴۲۱ [3] چچ نامہ ص ۸۸ و ص ۸۹۔

سلمی نے کران بلوچستان کو سخت جنگ کے بعد فتح کیا اور مقامی باشندے ہزیمت خوردہ ہو کر سجستان اور کران کی طرف بھاگ گئے اس لیے ان کی خالی زمینوں اور جائدادوں پر عربوں نے قبضہ کر کے کھیتی باڑی شروع کر دی اور خلافت کی طرف سے ان کے قبضہ کو جائز تسلیم کر کے ان سے عُشر وصول کیا گیا، بلاذری کا بیان ہے۔

فاقطعت العرب منازلهم و ارضيهم فعمّ دها وادوا العشر فيها، واحتفروا القنىٰ فى مواضع منها[1]	عربوں نے ان کے مکانات اور زمینوں کو آپس میں تقسیم کر لیا اور ان کو سکونت و زراعت سے آباد کر کے ان کا عشر ادا کیا، اور وہاں کے کئی مقامات میں کنویں کھودے۔

اس کے علاوہ کسی اور جگہ یہ صورت نظر نہیں آتی، بلکہ یہاں کے تمام مفتوحہ علاقے مقامی باشندوں کے حوالہ کر کے ان سے جزیہ اور زمین سے خراج وصول کیا گیا۔

ذمیوں اور معاہدوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم

جزیہ اور خراج کی وصولی میں نہایت نرمی برتی جاتی تھی، احوال و ظروف کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، ان تمام ہدایات و احکام پر شدت سے عمل کیا جاتا تھا جو اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور اہل ذمہ اور اہل صلح کے معاملات میں ان کی پابندی ضروری ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ہے۔

انكم لعلكم تقاتلون قوماً فيتقونكم باموالهم دون انفسهم وابناءهم ويصالحونكم على صلح، فلا تاخذوا منهم فوق طاقتهم، فانه لا يحل[2]	ہو سکتا ہے کہ تم لوگ ایسے لوگوں سے جنگ کرو کہ وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کو اپنے مال کے ذریعہ بچائیں اور تم سے صلح کر لیں، ایسی حالت میں تم ان سے ان کی طاقت سے زیادہ نہ وصول کرنا اسلیے کہ یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہوگا۔

---

[1] فتوح البلدان صہ ۳۸۴، [2] کتاب الاموال صہ ۱۴۳۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ارقمؓ کو ایک مقام کے ذمیوں کا جزیہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ کچھ دور چلے گئے تو آپ نے ان کو آواز دے کر بلایا اور یہ آخری نصیحت فرمائی۔

الا من ظلم معاھدًا او کلّفہٗ	خبردار! جو شخص کسی معاہد یعنی عہد و پیمان کے ذریعہ
فوق طاقتہ او انتقصہ	صلح کرنے والے پر ظلم کرے گا، یا اس کی طاقت سے
او اخذ منہ بغیر طیب نفسہ	زیادہ بار ڈالے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا، یا اس
فانا حجیجہ یوم القیامۃ۔[1]	کی مرضی کے بغیر اس کی چیز لے گا تو میں قیامت کے
	دن اس کی طرف سے لڑنے والا ہوں گا۔

خلفاء راشدین نے مصالحوں اور ذمیوں کے ساتھ نہایت لطف و کرم اور نرمی کا معاملہ کیا اور ان کو جزیہ اور خراج کی وصولی میں تکلیف نہیں دی، خود امیر المومنین حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ سفر شام سے واپسی پر راستہ میں ذمیوں کی ایک جماعت کو دھوپ میں دیکھا تو دریافت فرمایا کہ ان کا کیا معاملہ ہے، بتایا گیا کہ یہ لوگ جزیہ کی رقم ادا نہیں کرتے ہیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا کہتے ہیں؟ جب معلوم ہوا کہ پاس میں رقم نہ ہونے کا عذر کرتے ہیں تو فرمایا:

فدعوھم لا تکلفوھم مالا یطیقون	ان کو چھوڑ دو، اور ان پر طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالو،
فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ	میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انسانوں
علیہ وسلم یقول۔ لا تعذبوا	کو عذاب نہ دو، کیونکہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو
الناس فان الذین یعذبون الناس	عذاب دیتے ہیں، اللہ تعالےٰ ان کو قیامت کے دن
فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ	عذاب دے گا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کی رہائی
وامر بھم فخلی سبیلھم۔[2]	کا حکم دیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔

نیز حضرت عمرؓ نے اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی تھی

---

[1] کتاب الاموال ص ۱۴۳۔ [2] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۵۰۔

اور تین باتوں کا خصوصی طور سے حکم دیا تھا امام ابو یوسف نے لکھا ہے۔

(عن عمر رضی اللہ عنہ) اوصی الخلیفۃ من بعدی باھل الذمۃ خیرًا، ان یوفی لھم بعھدھم، وان یقاتل من ورائھم، وان لا تکلفوا فوق طاقتھم۔[1]

میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ذمیوں کے بارے میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، یعنی ان سے جو عہد و پیمان ہے اسے پورا کرے، ان کی حفاظت کے لیے جنگ کرے، اور ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان کو زیر بار مت کرو،

ایک مرتبہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کچھ ذمیوں کو دیکھا کہ جزیہ کی وصولی میں دھوپ میں کھڑے ہیں تو اسے سخت ناپسند کیا اور اسی وقت مقامی امیر و حاکم کے پاس جا کر کہا۔

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من عذب الناس عذبہ اللہ۔

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص انسانوں کو عذاب دے گا، اللہ تعالیٰ اسے بھی عذاب دے گا،

اسی طرح حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کو جزیہ وصول کرنے کے لیے دھوپ میں کھڑا کیا ہے تو عیاض کو ٹوکا اور فرمایا۔

یا عیاض! ما ھذا؟ فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبون فی الآخرۃ[2]

عیاض! یہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں عذاب دیتے ہیں، ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

ان چند احادیثِ نبویہ، آثار صحابہ اور تعامل خلفاء سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خلافت راشدہ میں پورے اسلامی قلمرو میں ذمیوں اور معاہدوں کے ساتھ کس قدر رحمت و شفقت کا معاملہ کیا جاتا تھا جن میں فارس اور سندھ و مکران کے غیر مسلم ذمی اور معاہد بھی شامل تھے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۵، [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۹

شرائط اور عہد و پیمان کا احترام

چنانچہ یہاں کے جن علاقوں اور قوموں سے عہد و پیمان پر صلح ہوئی مسلمانوں نے ان کے ساتھ معاملات کرنے میں اسلامی تعلیمات کی تمام نزاکتوں کا پورا پورا احترام کیا اور اس بارے میں حزم و احتیاط کی انتہا کر دی ان کو اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید یاد تھی کہ جو امیر و حاکم ذمیوں اور معاہدوں پر ظلم کرے گا یا ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بار ڈالے گا میں قیامت کے دن اس ذمی و معاہد کی طرف سے اس کا دامن گیر بنوں گا، اس سلسلہ میں عہد فاروقی میں سجستان اور اس سے ملحق سندھی علاقوں میں مسلمانوں کا وہ کردار قابل ذکر ہے جس میں انہوں نے مقامی باشندوں کے ایک معاہدہ کے احترام میں احتیاط کی انتہا کر دی تھی، ان لوگوں نے اپنی طرف سے ایک شرط یہ بھی پیش کی تھی کہ میدان اور آوشر چراگاہ رہیں گے، ان کو نہ کسی کی ملکیت قرار دیا جائے اور نہ ان سے خراج وصول کیا جائے، مسلمانوں نے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔

فکان المسلمو اذا خرجوا تناذروا خشیۃ ان یصیبوا منھا شیئاً فیخفروا[1]

اور حال یہ تھا کہ جب مسلمان باہر نکلتے تو اس ڈر سے اس وعدہ میں کوئی خلل نہ پڑ جائے ایک دوسرے کو تنبیہ کرتے تھے کہ ان میدانوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرے۔

اس ایک مثال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان یہاں کے غیر مسلموں سے عہد و پیمان کر کے کس شدت سے اس پر کار بند رہے، اور انہوں نے جن جن رعایتوں کا اقرار کیا آخر دم تک ان کو پورا کرتے رہے اور ڈرتے رہے کہ کہیں عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہ ہو، ورنہ ہم پر بد عہدی کا الزام آئے گا اور قیامت کے دن ہمارے رسول ہم سے سوال کریں گے۔

مفتوحہ علاقوں سے دست برداری

مسلمانوں کے حسن سلوک اور وسعت ظرفی کا یہ رخ بھی بہت ہی دلکش ہے کہ جن مقامات پر اسلامی

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔

فوج نے حملہ کیا اور مقامی باشندوں نے مقابلہ کے بعد اپنی قوت کا اندازہ کر کے شرائط صلح پر جنگ بندی کی خواہش کی تو مسلمانوں نے اسے منظور کرتے ہوئے جن علاقوں کو ان سے لڑ کر حاصل کیا تھا ان کو بھی شرائط صلح کے ماتحت کر دیا، اور ان پر بھی وہی اسلامی قوانین جاری ہوتے جو صلحاً فتح ہونے والے ملک اور وہاں کے باشندوں پر جاری ہوتے ہیں، امام ابو عبید قاسم بن سلام نے تصریح کی ہے۔

وکذلك لوان بلاداً افتتحت، فکان بعضها عنوۃً، وبعضها صلحا، لایعرف هذا من هذا، امضی کله علی الصلح مخافة التقدم علی الشبهة[1]	اگر چند بلاد و امصار میں سے بعض جنگ سے اور بعض صلح سے فتح ہوں اور اس کا فرق نہ معلوم ہو تو خلیفہ تمام علاقہ کو صلح کے ذریعہ مفتوح قرار دے گا تاکہ شبہ پر عمل نہ ہو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو لوگ جنگ کرنے کے بعد مفتوح ہو کر مسلمانوں کے غلام بن گئے تھے، وہ صلح کے تحت آجاتے ہی آزاد مان لیے جاتے تھے، اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا تھا۔ جو صلح والوں کے ساتھ ہونا چاہیے، ابو عبید ہی نے یہ بھی لکھا ہے۔

وسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم والمسلمین ان لاسباء علی اهل الصلح ولا رق، وانهم احرار[2]	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی سنت یہ ہے کہ اہل صلح پر نہ قید ہے اور نہ غلامی ہے بلکہ وہ لوگ آزاد ہیں۔

خلافت راشدہ میں مکران اور سندھ کے بعض علاقوں میں یہ صورتِ حال پیش آئی تھی کہ اسلامی فوج نے چڑھائی کی اور مقامی باشندوں اور فوجوں نے مقابلہ کیا، مگر جب مسلمان فتح کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے تو انہوں نے صلح کر لی، ایسی صورت میں عنوۃً فتح صلحاً فتح میں بدل جاتی تھی، سجستان اور سندھ کے مابین جو علاقے فتح ہوئے تھے، ان میں اس قسم کی صورت پیدا ہوئی تھی، بلکہ جو لوگ جنگ کر کے مغلوب ہو گئے اور اسلامی فوج نے ان کو

---

[1] کتاب الاموال ص ۱۷۶، [2] کتاب الاموال ص ۱۸۳۔

غلام بنایا وہ بھی مختلف حیلوں اور بہانوں سے آزاد قرار دیئے گئے۔

زمینوں کی واپسی اور غلاموں کی رہائی ہندوستان میں غلامانہ ذہنیت کا وجود بہت قدیم زمانے سے ہے یہاں کے حکمران خاندانوں اور مذہبی طبقوں کے بارے میں اُلوہیت کا عقیدہ قدیم زمانہ سے پایا جاتا ہے۔ اور یہاں کے عوام ان دونوں طبقوں کی ذہنی اور فکری غلامی میں رہ کر مگن رہا کیے ہیں، جس دور کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ دور خاص طور سے اسی قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا، مسلمانوں نے ان کو اس ذہنیت سے نجات دلانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی، تاکہ وہ اسلام کے نظام انسانیت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں؛ اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ عہد فاروقی میں مقام اہواز کے جاٹوں اور اساورہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی فوج سے سخت مقابلہ کیا اور ایک شدید معرکہ کے بعد مغلوب ہو کر مسلمانوں کی غلامی میں آگئے، مگر جب حضرت عمرؓ کو ان کی غلامی کی خبر ملی تو آپ نے ایک بہانے سے ان کو بالکل آزادی دے دی اور مسلمانوں نے ان پر قبضہ کرنے کے بعد آزاد کر دیا، ایک مجاہد شویس عدوی کا بیان ہے کہ اہواز کے جاٹ اور اساورہ نے ہم سے شدید جنگ کی، مگر ہم ان پر غالب آکر فتح یاب ہوئے؛

فاصبنا سبیاً کثیراً اقتسمناھم۔	اور اس فتح میں ہم نے بہت سے قیدی پائے جن کو آپس میں تقسیم کر لیا؛

جب حضرت عمر کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کو آزاد کر دینے کا حکم دیا چنانچہ ہم نے ان کو آزاد کر دیا۔

فکتب الینا عمر: انہ لاطاقۃ لکم بعمارۃ الارض فخلوا ما فی ایدیکم من السبی، واجعلوا علیھم الخراج، فرددنا السبی ولم	حضرت عمرؓ نے ہمارے پاس لکھا کہ تم لوگ ان کی زمینوں کو آباد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو اس لیے جس قدر قیدی تمہارے پاس ہیں سب کو رہا کر دو اور ان پر خراج مقرر کر دو، چنانچہ ہم نے سب کو آزاد کر دیا اور انکو اپنی ملکیت

غلام کو[1] نہیں بنایا،

یہ ۳۰ھ کا واقعہ ہے، اس کے بعد ۳۱ھ میں مجاشع بن مسعود نے کران اور بلوچستان کو فتح کیا اور مقامی باشندوں نے پوری طاقت سے جنگ کے بعد ہزیمت اٹھائی، بلکہ ان علاقوں کے تمام باشندے اپنی اپنی جائداد و املاک کو چھوڑ کر مکران اور سجستان چلے گئے تو مسلمانوں نے ان کی زمینوں پر قبضہ کر کے خود کھیتی باڑی شروع کر دی، اگر مقامی باشندے رہ جاتے تو بظاہر حضرت عمرؓ کے حکم کے پیش نظر حضرت عثمانؓ بھی ان کو غلامی سے نجات دے کر ان کی زمینیں واپس کر دیتے اور صرف خراج و جزیہ کے قانون پر اکتفا کرتے؛

ذمیوں پر چند معمولی ذمہ داریاں اور ان کے مصالح

اسلامی قلمرو (بشمولیت ہندوستان) کے غیر مسلم ذمی رعایا معمولی رقم ادا کر کے خلافت کی طرف سے پروانۂ امن عافیت پا جاتے تھے، اور ان کے مال و دولت اور عزت و آبرو کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوتی تھی، خراج و جزیہ کے علاوہ اور کسی طرح کوئی رقم ان سے وصول نہیں کی جاتی تھی اور نہ ان پر کوئی بڑی ذمہ داری ڈالی جاتی تھی، البتہ چند وقتی باتوں میں وہ مجبوری کی وجہ سے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے، مثلاً ضیافتِ مسلمان یعنی اگر اتفاق سے مسلمانوں کی جماعت کا کوئی شخص کسی وجہ سے ذمیوں میں رات گزارے تو اس کو کھلانا پلانا ان پر ضروری تھا لیکن اپنے کسی کام یا کسی ناگہانی وجہ سے زیادہ ٹھہرے تو کھانے پینے کا انتظام خود کرے اور ذمیوں پر بار ڈالنا جائز نہیں ہے، اس زمانہ کے تمدنی حالات کے پیش نظر ضیافت مسلمین ضروری تھی، ورنہ مسلمان بھوکوں مر جاتے، ایسی دعوت عام حالات میں ایک رات دن ضروری تھی، مگر بعض مقامات پر کسی خاص وجہ سے تین رات تین دن تک ضروری تھی، کتاب الاموال میں ہے:

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۰؛

ضرب عمر الجزية على اهل العراق ..... ومع ذٰلك ارزاق المسلمين وضيافتهم ثلاثة ايام	حضرت عمرؓ نے عراق کے ذمیوں پر جزیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیا تھا کہ وہ تین دن تک مسلمانوں کی ضیافت کریں۔

نیز اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ایک حکمنامہ امراء و عمال کے نام روانہ فرمایا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

انا جعلنا الضيافة على اهل السواد يوما وليلة فان حبسه مطر او مرض انفق من ماله[1]	ہم نے اہل سواد پر ایک رات ایک دن مسلمان کی ضیافت ضروری قرار دی ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص بارش یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے رک جائے تو اپنا مال خرچ کر کے کھائے پیئے۔

ذمیوں کے ذمہ ایک دن یا تین دن کی یہ دعوت درحقیقت اخلاقی تعلیم تھی، اور اس کی حیثیت انسانی برادری میں امداد باہمی کی تھی، اس سے بڑی حد تک مسلموں اور غیر مسلموں میں تعارف و تعلق اور اعتماد پیدا ہوتا تھا، اور باہمی اختلاط سے جانبین کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی تھیں بلکہ میل جول کی صورت نکل آتی تھی، اور چونکہ اس زمانہ میں اشیائے خورد و نوش عام طور پر بازاروں میں نہیں ملتی تھیں اس لیے اس ضیافت کی حیثیت ذمیوں پر مسلمانوں کی حق کی دیدی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ حکمنامہ ہر ملک میں بھیجا گیا تھا۔

ايما رفقة من المهاجرين اواهم الليل الى اهل قرية من المعاهدين فلم يودوهم فقد برئت منهم الذمة[2]	بے وطن مسلمانوں میں سے کچھ لوگ معاہدوں کے کسی گاؤں میں رات کو پہونچ جائیں اور وہ ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام نہ کریں تو ان سے ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

نیز ذمی رعایا کے لیے اپنی بستیوں کے کچھ رفاہ عام کے کام ضروری تھے جیسے پلوں کی مرمت

[1] کتاب الاموال ص ۱۴۵، [2] کتاب الاموال ص ۱۴۵۔

یعنی اگر کسی وقت ہنگامی طور سے کوئی پل ٹوٹ جائے یا اس میں خلل پڑ جائے تو مرمت کریں تاکہ مواصلات بند نہ ہو اور ان کی ضروریات میں یکبارگی فتور نہ پڑ جائے، یہ درحقیقت ذمیوں کا آپس میں تعاون تھا جسے قانونی شکل دے دی گئی تھی، واضح ہو کہ یہ پلوں کی تعمیر نہیں تھی بلکہ ان کی مرمت تھی، اسی طرح ذمیوں کی بستی میں اگر کسی مسلمان کو قتل کیا جاتا تھا تو پوری بستی پر اجتماعی جرمانہ ہوتا تھا، اور ان سے دیت وصول کی جاتی تھی، اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہے تو پھر قصاص کا قانون جاری ہوتا تھا اور اگر قاتلوں کا پتہ نہیں چلتا تھا تو پوری بستی سے دیت لی جاتی تھی' اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہت سے مقامات پر مسلمانوں کا چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا اور ان کو تنہا پا کر اجالے اندھیرے میں قتل کر دیا جاتا۔

ان عمر اشترط الضیافۃ علی اہل الذمۃ یوماً ولیلۃ وان یصلحوا القناطر وان قتل رجل من المسلمین بارضھم فعلیھم دیتہ[1]

حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر ایک رات ایک دن کی ضیافت ضروری قرار دی تھی' اور یہ کہ وہ پلوں کو درست کریں' اور اگر ان کی بستی میں کوئی مسلمان قتل ہوا تو ان سب کے ذمہ اس کی دیت لازم ہے۔

بعض مقامات میں باہمی بات چیت کے ذریعہ ذمیوں سے کچھ مزید رعایتیں لے لی جاتی تھیں، مثلاً حضرت عمرؓ نے شام کے قبطی ذمیوں کے ساتھ یہ شرط رکھی تھی کہ مسلمان بوقت ضرورت مناسب مقدار میں ان کے پھلوں اور گھاسوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر ان کو لے جا نہیں سکتے، یہی چند ہلکی پھلکی ذمہ داریاں ہندوستان کے ذمیوں پر بھی عائد تھیں' اور ان کے بارے میں مسلمانوں کی شدتِ احتیاط اور احساسِ ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ مدائن کے حاکم حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک مرتبہ ایک سپاہی کو ذمی کا پھل توڑتے ہوئے دیکھا تو اسے سختی سے روکا' اور جب اس نے دریافت کیا کہ ہم مسلمانوں کے لیے ذمیوں کی کیا چیز جائز ہے' تو آپ نے فرمایا کہ صرف تین چیزیں جائز ہیں' تم راستہ بھول جاؤ تو ان سے راستہ معلوم کرو' اور بوقت اشد ضرورت ان کی کوئی چیز بقدر ضرورت

---

[1] کتاب الاموال ص ۱۲۵۔

لو، اور جب تم ان کے ساتھ سفر کرو تو تم ان کے کھانے سے کھاؤ اور وہ تمہارے کھانے سے کھائیں گے، وہ تمہاری سواری پر چلیں گے، تم ان کی سواری پر چلوگے، اور وہ جس سمت جانا چاہتے ہیں تم ان کو اس سے نہ پھیرو،

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب ذمیوں کے کسی گاؤں میں جاتے تھے تو ان سے اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے کہ ان کا پانی پیتے اور ان کے سایہ میں بیٹھتے، اور ان کی سواری اگر ذمیوں کی چراگاہ میں چرتی تھی تو ان کو کچھ رقم دیدیا کرتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے غلام ابو عبداللہ کے ساتھ ایک ذمی کے یہاں رات کو پہونچے تو آپ نے فرمایا، کہ اگر تم کو اس بات سے خوشی ہے کہ تم کل اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلمان بن کر جاؤ تو اس ذمی سے کچھ نہ لو، چنانچہ حضرت سعد اور ان کے غلام نے وہ رات بھوکے رہ کر بسر کی[1]

جو فتوحات معاہدات و شرائط کے ذریعہ ہوئی تھیں ان میں مجاہدین اسلام اور ان کے امراء اپنے مقابلہ میں مفتوح و مغلوب قوموں کی سہولت کو مقدم رکھتے تھے، اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی ایسی شرط نہیں لگاتے تھے جو ان کے حق میں مضر ہو، پھر معاہدات و شرائط پر نہایت احتیاط سے عمل کرتے تھے، لیکن اگر کوئی معاہدہ نہ ہوتا اور مفتوح غیر مسلم جہاد و غزوات میں مسلمان امیر کی زیر قیادت اپنی فوج بنا کر شریک ہوتے تو خمس سے جو حق مجاہدین اسلام کو ملتا تھا وہی ان کو بھی ملتا تھا۔ اور اگر وہ انفرادی طور سے اسلامی فوج کے ساتھ غزوات و فتوحات میں شریک ہوتے تو ان کی خدمات کے پیش نظر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، اور مناسب حصہ دیا جاتا تھا جیسا کہ سیر و مغازی کی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن اگر وہ انفرادی یا اجتماعی طور سے اسلامی غزوات میں شریک نہ ہونا چاہتے تو ان پر کسی قسم کا کوئی جبر اور دباؤ نہیں ہوتا تھا، یا کسی وجہ سے ان کی شرکت سے خطرات کا اندیشہ ہوتا تو ان کو علیحدہ

---

[1] کتاب الاموال ص۱۵۰؛

رکھا جاتا تھا، اور ایسی صورت میں ان سے جزیہ وصول کر کے امن و امان کا پروانہ دے دیا جاتا تھا، جزیہ کا مقصد دولت جمع کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ جزوی تدارک ہوتا تھا، اسی لیے جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ دفاع یا جہاد کی جسمانی و ذہنی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور ہر حال میں ان کا دفاع مسلمانوں کے ذمہ ہوتا تھا ان سے جزیہ کی رقم نہیں لی جاتی تھی، اور عورتوں، بچوں، اپاہجوں، سیاست سے کنارہ کشوں، تارک الدنیا لوگوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا تھا۔

(۶)

عرب کے مسلمان ہندوستان میں

ہندوستان میں مسلمانوں کی پہلی آبادی

ہماری تحقیق میں مشرقی ممالک میں مسلمانوں کی سب سے پہلی آبادی فارس کے ساحلی اور مرکزی شہر توّج میں اس طرح قائم ہوئی کہ حضرت عثمان بن ابو العاصؓ ثقفی اور ان کے بھائی حکم بن ابو العاصی ثقفی نے بحرین کی راہ سے اس شہر کو فتح کر کے بنو عبد القیس، بنو تمیم اور بحرین و عمان کے دوسرے قبائل کو آباد کیا اور جامع مسجد تعمیر کی، ویسے بھی بنو تمیم کا خاص علاقہ گویا فارس تھا اور بنو عبد القیس بھی اس سے بہت قریب تھے، نیز ان دونوں قبائل کا تجارتی تعلق ہندوستان سے بہت قدیم تھا، اس لیے وہ لوگ یہاں سے ایک گونہ مانوس تھے، اور اسی مرکز سے فارس کے دوسرے مقامات پر اور آگے چل کر ہندوستان کے سواحل پر فوجی مہمات روانہ کی گئیں، عہد فاروقی تک ہم کو یہاں مسلمانوں کی مستقل آبادی کا پتہ نہیں چلتا، ویسے علاقہ مکران میں اسلامی فوجیں رہتی تھیں، اور امراء و عمال بھی یہاں اپنے عملہ کے ساتھ سکونت پذیر تھے، قندابیل میں عہد عثمانی سے مستقل طور سے گویا فوجی چھاؤنی تھی، جہاں ہر وقت فوجیں اور اسلحہ رہا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان فوجی مسلمانوں کے مکانات رہے ہوں گے اور ان کے مستقل حلقے اور منقطے بنائے گئے ہوں گے۔ البتہ عہد فاروقی تک ان دونوں مقامات میں مسلمانوں کی کسی بڑی اور مستقل آبادی کا پتہ نہیں چلتا جس میں وہ امن و آزادی سے بود و باش اختیار کیے ہوں، غالباً اس کی وجہ یہاں کے نیم فوجی اور ہنگامی حالات تھے جن میں وقتاً فوقتاً بد عہدی، سرکشی اور بغاوت ہوا کرتی تھی اور بار بار تادیبی اور فوجی کاروائی کرنی پڑتی تھی۔

حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں کرمان اور بلوچستان کے علاقہ میں مسلمانوں نے آباد ہوکر زمینوں پر قبضہ کیا، کھیتی باڑی کی اور خلافت کو یہاں کی پیداوار کا عشر روانہ کیا، بلوچستان کی فتح ۳۱ھ کے سلسلے میں بلاذری ؒ نے لکھا ہے۔

فاقطعت العرب منازلهم وارضيهم، فعمروها وادوا العشر فيها واحتفروا القنى في مواضع منها[1]	عربوں نے ان کے گھروں اور زمینوں کو منقدار تقسیم کرلیا اور ان کو کاشتکاری اور رہائش سے آباد کرکے ان کا عشر ادا کیا اور کئی مقامات پر کنویں کھودے۔

اس دور میں مکران سے کابل و سجستان تک کا تمام علاقہ مسلمانوں کے حق میں بڑا پرسکون اور اطمینان بخش ہوگیا تھا، ۲۹ھ میں عبیداللہ بن معمر تیمیؓ نے یہ سارا علاقہ سخت جنگ کے بعد زیر کرلیا تھا، اس دور میں یہاں کئی امراء آئے اور عہدۂ قضاء کا بھی انتظام ہوا۔

الغرض مکران اور قندابیل میں اسلامی فوج اور امرائے فوج کی رہائش تھی اور بلوچستان کے علاقہ میں مسلمانوں کی مستقل آبادی تھی، اور جس طرح اس دور میں مشرقی بلادِ اسلام میں مسلمانوں کی آبادی اور رہائش گاہوں میں مکانات و مساجد اور دوسری تمدنی و دینی ضرورتیں مہیا تھیں اسی طرح بلوچستان، مکران اور قندابیل وغیرہ میں مسلمانوں کے مکانات ان کی حیثیات کے مطابق تھے، اور ضرورت کے مطابق چھوٹی بڑی مسجدیں تھیں نیز دینی و علمی مراکز حسبِ موقع و ضرورت تھے۔

افتاء، قضاء اور فقہی و دینی تعلیم

عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ میں عام طور سے امرائے فوج اور امرائے بلاد صحابہ کرام ہوتے تھے جو براہِ راست رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلیم و تربیت یافتہ اور دینی و اسلامی علوم کے حامل ہوا کرتے تھے، وہ اپنے حلقۂ امارت میں بیک وقت امیر و قاضی اور فقیہ سب کچھ ہوتے تھے،

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۸۴۔

اور ایسا بھی تھا کہ احداث و انتظامات کے امیر کے ساتھ دینی و فقہی تعلیم کے لیے علیحدہ قاضی و معلم روانہ کیے جاتے تھے ہندوستان میں یہ دونوں ہی صورتیں موجود تھیں، یہاں کے امراء و عمال میں حضرات صحابہ بھی تھے اور قضاء و فقہی تعلیم کے لیے علیحدہ معلم و قاضی اور مفتی بھی تھے۔

سنہ۳۰ھ میں ربیع بن زیاد حارثی نے سجستان اور علاقہ سندھ فہرج کو فتح کیا، اور ڈھائی سال تک مقام زرنگ میں قیام کیا، اس پوری مدت میں امام حسن بصری ان کے ساتھ میر منشی اور سکریٹری کی حیثیت سے رہے اور جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ فتویٰ بھی دیا کرتے تھے، اور ان سے پہلے یہ خدمت جابر بن یزید انجام دیتے تھے، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

کان الحسن لیغزو، وکان مفتی الناس ھٰھُنا جابر بن یزید، قال: ثم جاء الحسن فکان یفتی[1]

جس زمانہ میں امام حسن بصری جہاد میں تھے، وہاں کے مفتی حضرت جابر بن یزید تھے، پھر جب امام حسن بصری آگئے تو وہ فتویٰ دینے لگے۔

خلاصہ یہ کہ سنہ۳۰ھ سے سنہ۳۳ھ تک (ڈھائی سال تک) امام حسن بصری اس علاقہ میں مفتی رہے اور مسلمانوں نے ان سے دینی و فقہی مسائل و فتاوے معلوم کیے، نیز عہد عثمانی میں سندھ میں باقاعدہ محکمۂ قضاء کا قیام ہو گیا تھا جہاں سے مسلمانوں کے معاملات و قضایا کے فیصلے دیئے جاتے تھے، خلیفہ بن خیاط نے مختلف بلاد و امصار کے قضاۃ کی فہرست دی ہے اور اس میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں سندھ کے قاضی حضرت حکیم بن جبلہ عبدی تھے[2] حکیم بن جبلہ عبدیؓ وہی بزرگ ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے ثغر ہند کے حالات معلوم کرنے کے لیے یہاں روانہ کیا تھا، غالباً عہد عثمانی میں مکران کے تینوں امراء کے زمانہ میں یہ یہاں کے قاضی تھے۔

نیز بعض اوقات یہاں کے مسلمان اپنے دینی مسائل میں حضرات صحابہ اور علمائے عرب سے رجوع کرتے تھے، چنانچہ فاتح مکران عبیداللہ بن معمر تیمی نے فارس کی امارت کے زمانہ میں

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۷، ص۱۸۱، [2] تاریخ خلیفہ، ج ۱ ص ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے استفسار کیا کہ:۔

انا استقر رنا فلا نخاف عدونا وقد اتی علینا سبع سنین وولد لنا، فکم صلاتنا؟	یہاں ہم کو سکون و قرار حاصل ہے اور اب ہم دشمنوں سے نہیں ڈرتے ہیں، سات سال سے یہاں رہتے ہیں اور ہمارے بال بچے ہو گئے ہیں تو ان حالات میں ہم قصر نماز پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں۔؟

توحضرت ابن عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا:۔

ان صلاتکم رکعتان[1]	اب بھی تم لوگوں کی نماز دو ہی رکعت یعنی قصر ہے۔

گذر چکا ہے کہ یہاں کے امراء نے متعدد بار مختلف امور میں حضرت عمرؓ کو لکھ کر ہدایت چاہی اور آپ نے ان کو جوابات دیئے۔

اسلامی زندگی اور دینی چرچا

اس دور کے مسلمان اسلامی عقائد و اعمال میں تروتازہ تھے اور ان کی پوری زندگی دینی اور اسلامی قالب میں ڈھلی ہوئی تھی، اس لیے رزم اور بزم دونوں میں دین اور دینی تعلیمات کے چرچے رہا کرتے تھے، اور عام مسلمانوں اور اسلامی فوجوں کو ان کے امراء و قضاۃ اور اصحاب فتویٰ دینی احکام سناتے اور بتاتے رہتے تھے، اور یہی صورتِ حال فارس اور سندھ و مکران وغیرہ کے مسلمانوں اور فوجوں میں بھی پائی تھی کہ ان کو موقع بہ موقع دینی باتیں بتائی جاتی تھیں، ہندوستان کے سب سے پہلے مجاہد و فاتح حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفیؓ نے فتح اصطخر کے موقع پر مجاہدین اسلام کو مخاطب کر کے یہ نصیحت فرمائی تھی۔

ان اللہ اذا اراد بقوم خیراً کفھم، ووفر اماناتھم فاحفظوھا	جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان کو شر اور خیانت سے روک دیتا ہے

---

[1] اصابہ، ج ۲ ص ۴۳۲ و ص ۴۳۳۔

فان اول ما تفقدون من دينكم الامانة، فاذا فقدتموها جدت دلكم في كل يوم فقدان شيء من امورکم[1]	اور ان میں امانت داروں کی کثرت کر دیتا ہے، تمہاری دیانت سے سب سے پہلے امانتداری ختم ہوگی اور جب تم سے امانتداری جاتی رہے گی تو ہر روز تمہارے معاملات میں نیا نیا نقصان وفقدان ہوتا رہے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سجستان کی فتح کے ساتھ سندھ کے علاقہ داور کو بھی فتح کیا ہے، فتح کابل کے موقع پر اسلامی لشکر مال غنیمت میں مصروف ہوگیا اور ایک طرح کی لوٹ مچ گئی تو آپ نے وہیں کھڑے ہوکر فرمایا:-

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن النھبیٰ[2]	میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لوٹ سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔

یہ سننا تھا کہ جس نے جو کچھ لیا تھا واپس کر دیا، پھر آپ نے شرعی احکام کے مطابق سب کو مال غنیمت تقسیم کیا۔

ہندوستان میں علم حدیث اور علماء و محدثین

خلافت راشدہ میں ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں میں دینی علوم و رجال کا چرچا اور ان کا وجود پایا جاتا تھا اس دور کے مطابق حدیث کا مذاکرہ بھی جاری تھا، باقاعدہ "اخبرنا حدثنا" کا سلسلہ پہلی صدی کے بعد شروع ہوا جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے احادیث کو مدون کر کے صحف مرتب کیے گئے، اور ان کی روایت کا سلسلہ جاری ہوا، اس سے پہلے حضرات صحابہ و تابعین حسب موقع احادیث و آثار بیان کیا کرتے تھے، جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مختلف بلاد و امصار میں صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم دینی و فقہی تعلیم کے لیے روانہ کیے گئے تو انہوں نے وہاں احادیث و شرائع کی اشاعت کی، چنانچہ ہندوستان میں بھی یہ حضرات تشریف لائے اور انہوں نے یہاں

---

[1] تاریخ طبری، ج ۳ ص ۳۲۲، [2] سنن ابوداؤد۔

پرحسب ضرورت اس وقت کے طریقہ کے مطابق احادیث کا درس دیا، اس دعویٰ کی دلیل امام ابن ابی حاتم رازیؒ کے اس بیان میں موجود ہے، "تقدمۃ الجرح والتعدیل" میں لکھتے ہیں:

ثم تفرقت الصحابة رضی اللہ عنهم فی النواحی والامصار والثغور فی فتوح البلدان والمغازی والامارة والقضاء. فبعث کل واحد منهم فی ناحیته وبالبلد الذی هو به، ما وعاه وحفظه عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، وحکموا بحکم اللہ عزوجل، وامضوا الامور علی ما سن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، وافتوا فیما سئلوا عنه مما حضرهم من جواب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن نظائرها من المسائل، وجردوا انفسهم مع تقدمة حسن النیة والقربة الی اللہ تقدس اسمه لتعلیم الناس الفرائض والاحکام والسنن والحلال والحرام حتی قبضهم اللہ عزوجل رضوان اللہ ومغفرته ورحمته علیهم اجمعین. فخلف بعدهم التابعون الذین اختارهم اللہ عزوجل لاقامة دینه وخصهم بحفظ فرائضه وحدوده جل وعلا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں، علاقوں اور سرحدوں میں فتوحات، مغازی، امارات اور قضاء کے سلسلے میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے علاقہ اور شہر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو سن کر یاد کیا تھا سب کو عام کیا اور ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سنن جاری کیے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر امور و معاملات کو چلایا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مسائل کے جواب میں جو کچھ سنا تھا ان جیسے مسائل میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا، اور حسن نیت اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے ساتھ لوگوں کو فرائض و احکام سنن، حلال وحرام کی تعلیم کے لیے اپنے آپ کو ہمہ تن تیار کیا، اور اپنے کام میں لگے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اٹھا لیا۔ ان کے بعد حضرات تابعین آئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اقامت اور اپنے فرائض، حدود، امر الٰہی احکام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

وامرہ ونھیہ واحکامہ وسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واثارہ فحفظوا عن صحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نشروہ وثبوہ من الاحکام والسنن والآثار وسائر ما وصفنا الصحابۃ بہ رضی اللہ عنہم فاتقنوہ وعلموہ وفقھوا فیہ فکانوا من الاسلام والدین ومراعاۃ امر اللہ عزوجل ونھیہ بحیث وصفھم اللہ عزوجل ونصبھم لہ اذ یقول اللہ عزوجل والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ[۱]

کے سنن وآثار کی حفاظت کے لیے مختار و مخصوص فرمایا تھا، اور انہوں نے حضرات صحابہ سے حاصل کرکے احکام، سنن، آثار وغیرہ کو عام کیا اور ان میں اتقان، تفقہ اور علم کا حق ادا کرکے اسلام اور خدائی امر و نہی میں اس مقام پر تھے جس پر اللہ تعالٰی نے ان کو رکھا ہے اور ان کی شان میں کہا والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ یعنی جن لوگوں نے حسن و خوبی کے ساتھ صحابہ کی اتباع کی ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

پس جس طرح حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے بلاد اسلامیہ کے غزوات، فتوحات، امارات، اور قضاء وغیرہ کے سلسلے میں رہ کر کتاب وسنت کے اوامر و نواہی جاری کیے اور احادیث و فقہ کی تعلیم دی، اسی طرح انہوں نے ہندوستان میں تشریف لاکر یہاں بھی فرائض، سنن، احکام، حلال، حرام، احادیث، آثار، فقہ وغیرہ کی اشاعت فرمائی، امام ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے خلافت راشدہ میں اوائل بلاد الہند میں صحابہ کرام فاتح بن کر تشریف لا چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

وقبل ذلك قد كان الصحابة في زمن عمر رضي الله عنه وعثمان رضي الله عنه فتحوا غالب هذه النواحي ودخلوا مابينها بعد هذه الاقاليم الكبار مثل الشام

سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں صحابہ کرام نے ان اطراف کے اکثر حصہ کو فتح کیا، اور شام، مصر، عراق، یمن اور اوائل بلاد ترکستان

[۱] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۹،

ومصر والعراق، واليمن، واوائل بلاد الترك ودخلوا الى ماوراء النهر، واوائل بلاد المغرب واوائل بلاد الهند[1]

کے وسیع وعریض اقالیم میں پہونچے، نیز وہ حضرات علاقہ ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب اور اوائل ہند میں داخل ہو گئے؛

اور ان صحابہ کرام نے اپنی ذات کے چلتے پھرتے مدرسوں سے یہاں دین کی تعلیم عام کی؛

ہماری تحقیق میں ایسے سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام مل سکے جو یہاں تشریف لائے ہیں جن میں دو حضرات حضرت معاویہ رضؓ کے دور میں آئے، اسی طرح صرف تابعین رحمہم اللہ کے نام مل سکے ہیں، جب کہ ان کی یہ تعداد یہاں آنے والے صحابہ و تابعین کی تعداد کے مقابلہ میں "کھانے میں نمک کے برابر" بھی نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں یہ حضرات یہاں آئے ہیں اور انہوں نے کتاب وسنت اور احادیث وفقہ کی تعلیم اس زمانہ کے طریقہ کے مطابق جاری کی، اس وقت باقاعدہ "اخبرنا حدثنا" کا رواج نہیں ہوا تھا، اور صحابہ و تابعین کی مجلسیں اور مسجدیں دینی علوم ومعارف کے مدرسے ہوا کرتی تھیں، بعد میں جب باقاعدہ تعلیم کا دور آیا تو ان ہی حضرات سے احادیث کی روایت کا سلسلہ چلا؛

علمائے صحابہ یہاں آنے والے صحابہ کرام میں سے جن حضرات کے نام اور حالات معلوم ہو سکے ہیں، ان میں مندرجہ ذیل صحابہ احادیث و آثار اور علوم اسلامیہ کے حامل تھے

(۱) عثمان بن ابو العاصی ثقفی رضؓ خیار صحابہ میں سے تھے، ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ان سے اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے روایت کی، جن میں امام حسن بصریؒ سب سے آگے ہیں، امام احمد نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے عثمان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، ہم ان کے گھر جا کر حدیث کی روایت کرتے تھے، ایک مرتبہ عبد اللہ بن بریدہ نے خدا کی قسم کھا کر ان کی توثیق کی[2]

(۲) ان کے بھائی حکم بن ابو العاصی رضؓ کے بارے میں امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ان کا شمار

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص۸۔ [2] استیعاب بذیل الاصابہ ج ۳ ص۹۲، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص۲۳۴ و ص۲۵۵۔

بصرہ کے علماء محدثین اور رواۃ حدیث میں ہوتا ہے، اور ابن عبد البر نے بھی لکھا ہے کہ ان کا شمار بصرہ کے علماء میں ہوتا ہے اور بعض لوگ ان کی احادیث کو مرسل بتاتے ہیں،[۱] ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے، ان سے معاویہ بن قرہ نے روایت کی ہے۔

(۳) ربیع بن زیاد حارثیؓ سے مطرف بن شخیر، اور حفصہ بنت سیرین وغیرہ نے روایت کی، محدثین کے نزدیک ان کی کوئی مسند حدیث نہیں ہے؛ (۴) حکم بن عمرو ثعلبیؓ سے ابو حاجب سوادہ بن عاصم، ابو الشعثاء، دلجہ بن قیس، جابر بن زید، اور عبد اللہ ابن صامت نے روایت کی ہے ہے، صحیح بخاری میں ان کی ایک حدیث مروی ہے، (۵) صحار بن عباس عبدیؓ نے رسول اللہ صلعم سے دو یا تین احادیث کی روایت کی ہے، ان کا شمار علمائے بصرہ میں تھا، ان سے ان کے دو صاحبزادوں عبد الرحمن ابن صحار اور جعفر بن صحار کے علاوہ منصور بن ابو منصور نے روایت کی ہے۔

(۶) عبد اللہ بن عمیر اشجعیؓ سے ابن وقدان نے روایت کی ہے، (۷) عبید اللہ بن معمر تیمیؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت عمرؓ حضرت عثمان اور حضرت طلحہ سے روایت کی ہے اور ان سے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے روایت کی ہے (۸) مجاشع بن مسعود سلمیؓ سے ابو ساسان حصین بن منذر، یحییٰ بن اسحاق، ابو عثمان مہدی، کلیب بن شہاب اور عبد الملک بن عمیر نے روایت کی ہے، ان کی احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں، (۹) عبد الرحمن بن سمرہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور معاذ بن جبل سے روایت کی ہے، اور ان سے عبد اللہ بن عباس، قتاب بن عمیر، ہصان بن کاہلی، سعید بن مسیب محمد بن سیرین، عبد الرحمن بن ابو لیلیٰ، حسن بصری، ابو لبید، عمار بن ابو عمار مولی بن ہاشم وغیرہ نے روایت کی ہے، ان کی احادیث صحاح کی کتابوں میں موجود ہیں، (۱۰) سنان بن سلمہ ہذلیؓ نے اپنے والد سلمہ بن محبق، حضرت عمرؓ، اور حضرت ابن عباس سے مرسل احادیث کی روایت کی ہے، اور ان سے

---

[۱] التاریخ الکبیر ج ۱ قسم ۲ ص ۳۲۹، استیعاب ج ۱ ص ۳۰۶۔

سلم بن جنادہ، معاذ بن سعوہ، ابو عبد الصمد حبیب نے روایت کی ہے۔

علمائے تابعین

جو حضرات تابعین یہاں آئے ان میں احادیث و آثار اور علوم دینیہ کے کئی اساطین تھے۔ (۱) حکیم بن جبلہ عبدیؒ عہد عثمانی میں یہاں عہدۂ قضا پر فائز تھے کتاب و سنت اور احکام و فرائض کے ماہر تھے اور مسلمانوں کے جملہ امور و معاملات میں ان علوم کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔

(۲) امام حسن بصریؒ کی ذات شیخ الکل فی الکل کی حیثیت رکھتی تھی، اور ان کے دینی و روحانی فیوض و برکات سے یہاں کے مسلمان کو حصہ وافر ملا، اور کم از کم ڈھائی سال تک خلافت راشدہ میں انہوں نے ان اطراف میں جہاد کے ساتھ ساتھ افتار و انشار کی خدمت انجام دی، انہوں نے جن اصحاب کرام سے روایت کی تھی ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں، علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب، اُبی بن کعب، سعد بن عبادہ، ثوبان مولی رسول اللہ، عمار بن یاسر، ابو ہریرہ، عثمان بن ابو العاصی ثقفی، معقل بن سنان، ابو موسیٰ اشعری، ابو بکرہ، عمران بن حصین، جندب بجلی، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، معقل بن یسار، انس بن مالک، اور جابر رضی اللہ عنہم، ان ناموں کے لکھنے کے بعد علمار نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے علاوہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت سے روایت کی ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے آپ نے ایک سو بیس صحابہ کو دیکھا ہے، آپ سے اکتساب فیض کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(۳) سعد بن ہشام انصاریؒ حضرت انس بن مالک کے چچازاد بھائی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد ہشام بن عامر، انس بن مالک، ام المومنین عائشہ، عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، اور سمرہ بن جندب سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفیٰ، حمید بن عبد الرحمٰن حمیری، اور امام حسن بصری نے روایت کی ہے، ثقہ رواۃ حدیث میں سے ہیں، دین و دیانت اور علم و فضل کے مظہر تھے اور اسی معیار پر رہ کر مکران میں شہید ہوئے۔

ان حضرات نے صحابہ کرام کے بعد اس ملک میں اپنے اپنے علوم و معارف عام کیے، انھوں نے سفر و حضر، رحلت و اقامت، غزوات و فتوحات، قضاء و امارت کے مقامات و اوقات میں کتاب و سنت کی شمع سے اس علاقہ کو بقعۂ نور بنایا، اور فرائض، سنن، احکام، اوامر نواہی کی تعلیم کے لیے اس دور کی ضرورت اور طور و طریقہ کے مطابق وہ تمام دینی و علمی خدمات انجام دیں جو تمام بلاد اسلامیہ میں عام تھیں اور جس طرح ہر ملک میں صحابہ و تابعین ان کی اشاعت میں اپنے اپنے طور پر مشغول تھے، یہاں بھی یہ حضرات اپنے کام میں مشغول تھے۔

لسانی علوم اور شعراء و ادباء

یہاں کے نو وارد اور مقیم مسلمانوں میں کتاب و سنت اور دینی علوم کے حاملین کے علاوہ اس دور کے دیگر مروجہ علوم و فنون کے فضلاء و مشاہیر بھی موجود تھے، چنانچہ شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت میں یہ حضرات سرنامہ کی حیثیت رکھتے ہیں، فاتح مکران حکم بن عمرو تغلبیؓ زبردست شاعر تھے اور ان سے سندھ کے ریگستان نے پہلی بار عربی نغمہ سنا، ہماری تحقیق میں ہندوستان کے اسلامی ادب میں یہ پہلا شعری سرمایہ ہے، عاصم بن عمرو تمیمیؓ بھی مشہور بہادر شعراء میں سے تھے، عراق کی فتوحات کے سلسلے میں ان کے بہت سے اشعار ہیں۔ عبید اللہ بن معمر تیمیؓ بھی شاعر تھے، حضرت معاویہ کے بارے میں ان کے اشعار ہیں، حکیم بن جبلہ عبدی کے اشعار کتابوں میں مذکور ہیں، نسیر بن دیسم عجلی بہادر شعراء میں سے تھے اور فتح قادسیہ کے موقع پر ان کے بھی اشعار ہیں۔

صحار عبدی کئی لسانی اور ادبی علوم و فنون کے ماہر تھے، فن خطابت، فصاحت و بلاغت اور حاضر جوابی میں اپنے زمانہ کے مشہور آدمی تھے، ساتھ ہی علم الانساب میں شہرت کے مالک تھے، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی کتاب الامثال کا ذکر کیا ہے، انھوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے سندھ اور مکران کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ فصاحت و بلاغت اور ایجاز کا بہترین نمونہ ہے انشاء میں امام حسن بصری شہرت رکھتے تھے۔

سیاحت وسیاح

سب سے پہلے اسلامی سیاح حکیم بن جبلہ عبدی ہیں جنہوں نے سیر و سیاحت کر کے یہاں کے سرکاری، سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور جغرافیائی حالات نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ معلوم کیے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو ثغر ہند کے حالات بتانے سے پہلے بتایا تھا۔

یا امیر المومنین قد عرفتھا وتنخرتھا۔ (فتوح ص ۴۲۱) — اے امیر المومنین میں نے ہندوستان کے حالات کو نہایت تحقیق کے ساتھ معلوم کیا ہے۔

ان سے پہلے صحار عبدی نے بھی اپنی تحقیق وتلاش سے مکران کے آگے حدود ہند کے حالات کا پتہ چلالیا تھا، انہوں نے حضرت عمر کو مکران کے حالات سناتے ہوئے آخر میں یہ بھی کہا تھا۔

وما ورائھا شرٌ منھا۔ (طبری ج ۴ ص ۱۸۳) — مکران کے بعد ہندوستان کے حالات اس سے بھی برے ہیں۔

ہم ان دونوں بزرگوں کو خلافت راشدہ میں ہندوستان کے جغرافیہ کا عالم بھی مانتے ہیں۔

اعیان واشراف اور ارباب حیثیت

یہاں کے امراء وفاتحین میں اپنے زمانہ کے نامی گرامی اور صاحب حیثیت اعیان واشراف بھی تھے جو خلافت راشدہ میں عزت وشہرت اور ناموری کے مالک تھے اور بعد میں پشتہا پشت ان میں عزت وشرافت، دولت وثروت اور اثر و اقتدار کا دور دورہ رہا، عثمان بن ابی العاصی ثقفی رضؓ اور ان کے بھائی، بنجائے عرب میں سے تھے، اور ان سب کی اولاد اپنے اپنے زمانہ میں اعیان واشراف میں شمار ہوتی تھی، خاندان بصرہ میں صدیوں تک جاہ وحشمت اور نجابت وکرامت کا وارث و مالک رہا، ان کے نام سے بصرہ میں ایک مستقل علاقہ "شط عثمان" تھا جہاں وہ اور ان کے تمام بھائی مع آل واولاد کے رہتے تھے، اس علاقہ کا سرکاری انتظام بھی علیحدہ تھا، فاتح مکران عبیداللہ بن معمر تیمی رضؓ کی اولاد میں بھی نامی گرامی افراد اور ارباب جاہ وحشم

تھے، ان کے لڑکے عمر بن عبید اللہ نے ارجائیل فتح کیا اور ان کے پوتے جعفر بن طلحہ بن عبید اللہ "صاحب ام العیال" کے لقب سے مشہور تھے، ام العیال ایک چشمہ تھا جس پر جعفر نے اسی ہزار دینار خرچ کیے تھے، اور اس سے جو باغ سیراب ہوتا تھا اس سے سالانہ چار ہزار دینار کی آمد ہوتی تھی، اس چشمہ سے بیس ہزار سے زائد کھجور کے درخت سیراب ہوتے تھے، نسیر بن دیسم بن ثور عجلی "صاحب قلعۃ النسیر" کے لقب سے مشہور تھے، یہ فارس کے شہر ہمدان میں ایک قلعہ تھا عبد الرحمن بن سمرہ نے بصرہ کے جس علاقہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ وہ "سکۃ سمرہ" کی نسبت سے مشہور تھا۔ اسی میں ان کا قصر تھا جس کی مسجد کابل کے طرز تعمیر پر تعمیر ہوئی تھی، مجاشع بن مسعود سلمی رضؓ کے پاس "دیسار" نامی ایک مشہور گھوڑا تھا جس کی دوڑ سے انعام حاصل کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اسی سے پچاس ہزار درہم کا انعام حاصل کیا، عثمان بن ابو العاصی ثقفی کے بارے میں ابن حزم نے من خیار الصحابۃ لکھا ہے۔ حکم بن عمرو ثعلبی غفاری کو ابن کثیر نے صحابی جلیل بتایا ہے، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان انصاری کے بارے میں ابن حجر نے تصریح کی ہے۔ وکان بطلاً شجاعاً من اشراف الصحابۃ۔

بہادران اسلام بسالت و شجاعت، اور بہادری و مردانگی عربوں کی خاص صفت تھی، جو صحابہ و تابعین میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی، اور اسی کے ساتھ ایمان و یقین کی روحانی و خدائی طاقت نے ان میں بے پناہ حوصلہ مندی پیدا کر دی تھی، اس صفت میں کئی حضرات ممتاز مقام کے مالک تھے، حکیم بن جبلہ عبدی رضؓ اپنے زمانے میں بہادری و شجاعت میں بے مثال تھے، ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نما دنی اشجع منہ یعنی ان سے زیادہ بہادر آدمی نہیں دیکھا گیا، حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان انصاری رضؓ کے متعلق کان بطلاً شجاعاً کا وصف گزر چکا ہے۔ شہاب بن مخارق تمیمی رحؒ عجم کے غزوات کے شہ سواروں میں خاص شہرت رکھتے تھے، ان کی بہادری کے بارے میں امام طبری نے ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے، اسی طرح حارث بن مرہ عبدی رحؒ، صحار عبدی رحؒ اور دیگر کئی حضرات

شہسواری و بہادری میں مشہور تھے، عربوں کی روایتی جود وسخا اور عطاء و بخشش کی پہلی بارش اس سرزمین پر اسی عہد میں ہوئی حارث بن مرہ عبدی عہد اسلام کے مشہور اسخیا میں شمار ہوتے تھے، انہوں نے یہاں پر ایک دن میں ایک ہزار غلام اپنی فوجوں میں تقسیم کیے اور پانچ سو شہسواروں کو سازوسامان دیا، محمد بن حبیب بغدادی نے لکھا ہے

ومن اجواد الاسلام — ربیعۃ الحارث بن مرۃ العبدی۔

عباد و زہاد زہد و تقویٰ حضرات صحابہ و تابعین کا شعار و دثار تھا مگر اس بارے میں بعض بعض اپنے اقران و معاصرین میں خاص نظر سے دیکھے جاتے تھے، ان میں سہل بن عدی انصاری بڑے مقام و رتبہ کے مالک تھے وہ اصحاب بدر میں سے تھے، صحار عبدی نہایت نیک عابد و زاہد اور فاضل انسان تھے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے وکان خیراً فاضلاً عابداً ربیع بن زیاد حارثی کے بارے میں لکھا ہے وکان متواضعاً خیراً، فقر و درویشی کا یہ حال تھا کہ امارت و ولایت کے زمانہ میں عامی آدمی معلوم ہوتے تھے، اور عزت و احترام اور جلالت کا یہ عالم تھا کہ امیر نہ ہوتے ہوئے امیر و حاکم نظر آتے تھے، اس خاص وصف میں اپنے معاصرین میں مشہور تھے، عبدالرحمن بن سمرہ کی تواضع و فروتنی مشہور تھی بقول ابن اثیر "وکان متواضعاً" ان کی تواضع اس وقت قابل دید ہوتی تھی جب کہ بارش میں ٹوپی پہن کر اور ہاتھ میں پھاوڑا لے کر راستہ صاف کیا کرتے تھے، حکیم بن جبلہ عبدی کی ذات مجمع صفات تھی، اور اپنی نیکی و دینداری کی وجہ سے بڑی مقبولیت رکھتی تھی، ابن عبدالبر نے لکھا ہے:-

"وکان رجلاً صالحاً لہ دین مطاعاً فی قومہ" حسن بصری اپنے زہد و تقویٰ اور خیر و برکت میں امامت کے مرتبہ کے مالک تھے۔

عہد رسالت اور دور صحابہ کی یہی بابرکت و برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کے زہد و تقویٰ اور اخلاص و للہیت کی قدریں آگے امت مسلمہ کے عباد و زہاد کا مرجع و ماویٰ بنیں، اور

اصفیا رو اتقیا ر نے اسوۂ بنایا، خلافت راشدہ ہی میں ہندوستان ان قدسیوں کے انفاس گرم کی برکتوں سے فیضیاب ہوا، اور انھوں نے دینی و اسلامی زندگی میں ایمان و احسان کی کشش پیدا کی، معلوم ہونا چاہیے کہ سلف صالحین کا زہد و تصوف کسی خاص نقطۂ نظر یا مکتب فکر میں محدود و محصور نہیں تھا بلکہ ہر طبقہ اور ہر خیال میں زہد و تقویٰ کی با زر قدریں ابھریں اور ان کے حاملین کو زاہدین و اصفیا ر میں شمار کیا گیا، چنانچہ اس دور کے تمام فرقوں میں اس طرح عباد و زہاد گذرے ہیں۔

(۷)

ہندوستان کے مسلمان عرب میں

اگر مجاہدین اسلام نے اپنی تلواروں سے بلاد و امصار فتح کئے تو ان کے اخلاق و کردار نے باشندوں کے دلوں کو فتح کیا، اور انہوں نے اپنی عقیدت و محبّت کی ساری متاع گراں اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ کردی۔ اس تاریخی حقیقت کی متعدد مثالیں اسلامی ہند کی ابتدائی تاریخ میں موجود ہیں کہ یہاں کے لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا، اور مسلمانوں نے اپنے ان دینی و ملّی بھائیوں کو عزّت و کرامت اور اخوت و محبّت کی بھرپور قدروں سے نوازا۔

تین قسم کے ہندوستانی مسلمان اساورہ زط و سیابجہ، اور جنگی قیدی!

یہ واقعہ تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جب ایرانی فوج کے اسوار یعنی شہ سوار اجتماعی طور سے چند شرائط کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ ہندوستان کے لوگ بھی مسلمان ہوئے جن میں جاٹ، سیابجہ، سب ہی شامل تھے، اساورہ کی طرح وہ بھی عرب کے ایک معزز قبیلہ کے ساتھ ولاء اور دوستی کا معاملہ کرکے مجد و شرف کے مستحق بنے، ان کو بھی بصرہ میں آباد کرکے دیگر مجاہدین اسلام کی طرح اسلامی بیت المال سے وظیفہ دیا گیا، اور ان نو مسلم جاٹ اور سیابجہ کی شان و شوکت اور بصرہ کے اسلامی معاشرہ میں ان کی عزت و کرامت نے عرب کے ان ہندوستانیوں کی آنکھیں کھول دیں جو قدیم زمانہ سے یہاں کے سواحل میں گئی گزری زندگی بسر کر رہے تھے، اور تمدن و حضارت سے کوسوں دور رہ کر بداوت و خشونت پر قانع تھے چنانچہ عرب کے ان جاٹ اور سیابجہ نے بھی خوشی خوشی اسلام قبول کر لیا، مسلمانوں نے ان کو بھی اپنے سینے سے لگایا اور اپنی حِلف و ولاء میں لے کر مجد و شرف کا مالک قرار دیا۔

اس سلسلہ میں علامہ بلاذری کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان نومسلم ہندوستانیوں کو معلوم ہوا کہ بصرہ کے عربوں میں بنو تمیم کا قبیلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قریبا کا نسبی تعلق رکھتا ہے تو اساورہ کی طرح انہوں نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے بنو تمیم ہی کی معیت وصحبت میں زندگی بسر کرنی چاہی، اور بنو تمیم کے مختلف بطون وقبائل کی شیفتگی وفریفتگی کا یہ عالم تھا کہ ان کا ہر قبیلہ ان ہندوستانی نومسلموں کو اپنی ولاء اور دوستی میں لینے کے لیے کوشش کر رہا تھا اور نوبت کشمکش کی آگئی تھی، مگر فیصلہ کے طور پر اس کی دو شاخوں نے ان کو آپس میں یوں تقسیم کر لیا کہ ایران کے اسوار بنو سعد کے ساتھ ہو گئے، اور ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ کی حِلف و وِلاء میں چلے گئے، ان ہی کے ساتھ اسلام کے عسکری نظام میں داخل ہو کر عطایا و وظائف کے مستحق ٹھہرے، اور اسلامی فوج کے ساتھ ایران اور ہندوستان میں کفار ومشرکین کے ساتھ جنگ کی ۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک

ایرانی فوج کے ہندوستانیوں اور عرب میں آباد ہندوستانیوں ہی کو دولت اسلام نصیب نہیں ہوئی، بلکہ یہاں کا ایک طبقہ اور ہے جسے عرب میں جا کر یہ سعادت ملی، یعنی وہ لوگ جو یہاں سے جنگی قیدی اور غلام بنا کر عرب لے جائے گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر کے مختلف قبائل اور افراد کی ملکیت اور ولاء میں زندگی بسر کی، اس طبقہ نے بھی اپنے آقاؤں کے حسنِ سلوک سے بڑی شاندار زندگی پائی، اور کہنا چاہیئے کہ ان کو اپنے بڑوں اور مربیوں کی نگرانی میں آگے بڑھنے کے مواقع ہاتھ آئے ۔

اسلامی قانون جہاد کی رو سے جنگی قیدیوں کے ساتھ چار قسم کا معاملہ کیا جاتا تھا، اور خلیفۂ وقت ان میں سے کسی ایک قسم پر حالات کی مناسبت سے عمل کرتا تھا، اور اپنی صوابدید کے مطابق ان میں سے کسی ایک صورت کے اختیار کرنے کا مجاز تھا ۔

(۱) مَنّ یعنی یونہی بغیر فدیہ لیے بطور احسان اور حسن سلوک کے ان کو چھوڑ دے، (۲) فدا یعنی فدیہ کے بدلے میں رہائی دے (۳) قتل یعنی لڑنے والے جنگی قیدیوں کو قتل کر دے (۴) رق یعنی ایسے مجرموں کو غلام قرار دیدے، واضح ہو کہ یہ تمام صورتیں ان قیدیوں کے کفر و شرک پر قائم رہنے کی صورت میں ہیں، اور اگر یہ قیدی گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ مجاہدوں میں تقسیم کر دیے گئے اور ان کی ذاتی ملکیت میں آجانے کے بعد ان کے پاس رہے یا فروخت ہو کر دوسرے کی ملکیت بن گئے۔ تو ایسی صورت میں ان کو صرف غلام بنایا جائے گا، اور غلام و آقا کے درمیان غلامی اور آزادی کا معاملہ رہے گا، امام ابو عبید قاسم بن سلام نے لکھا ہے۔

افتتح المسلمون بلاد العجم	مسلمانوں نے بلاد عجم فتح کر کے وہاں کے قیدیوں
فاسترقوا الاساری ایضاً مع	کو غلام بنایا اور تین صورتوں پر عمل کیا، اور
الاحکام الثلاثۃ، فامر الناس علیٰ هذا	بعد میں بھی اسی پر لوگوں کا عمل رہا، قیدی کے
ان الامام مخیرٌ فی الاسیر من	بارے میں خلیفۂ وقت چار احکام میں جسے
الرجال فی اربعۃ احکامٍ المنّ،	چاہے اختیار کرے، (۱) احسان کر کے
والفداء، والقتل، والرق، قال	چھوڑ دے (۲) فدیہ لے کر چھوڑ دے۔
ابو عبید:۔ وانما یکون للامام	(۳) قتل کر دے (۴) غلام قرار دے دے
الخیار فی الاساری مالم یقروا	خلیفہ کا اختیار اس وقت تک ہے جب تک
بالاسلام فاذا اقروا به زالت	کہ قیدی اسلام کا اقرار نہ کرے، مگر جب
عنهم هذه الاحکام کلها	مسلمان ہو جائیں گے تو ان پر یہ احکام لاگو
ولم یکن علیهم سبیل الاسبیل	نہیں ہوں گے اور اس کے بعد اگر وہ فروخت
الرق خاصۃً ان کانوا قد بیعوا	کر دیئے گئے، یا تقسیم کر دیئے گئے، تو ان کی
او قسموا۔[1]	غلامی کے سوا اور کوئی صورت باقی نہیں رہیگی

[1] کتاب الاموال ص ۱۳۵ و ص ۱۳۶۔

عجم کے قیدیوں کی طرح ہندوستان کے قیدیوں کے ساتھ بھی ان چار طریقوں میں سے بعض طریقے اختیار کیے گئے، ہماری تحقیق میں ان کے ساتھ صرف دو صورتیں پیش آئیں، یعنی مَن اور رِق، اور ان کے بارے میں اس دور میں فدا، یا قتل کی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، یعنی ہندوستان کے جنگی اسیروں کو عرب لے جا کر نہ قتل کیا گیا۔ اور نہ ان سے فدیہ وصول کیا گیا بلکہ وہ یونہی آزاد کر دیئے گئے، یا پھر غلام بنائے گئے، اور ان کے ساتھ وہ حسن سلوک کیا گیا جو اسلامی تعلیمات کی رو سے آقاؤں اور مالکوں پر واجب ہے، مَن کے طور پر یعنی بغیر فدیہ لیے اہواز کے جاٹوں کی رہائی ہوئی تھی، جن کو ۱۷ھ میں شدید جنگ کے بعد مسلمانوں نے گرفتار کر کے آپس میں تقسیم کر لیا تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کو آزادی دے دی،[۱] اور بعض اوقات یہاں کے قیدیوں کو غلام بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا گیا، چنانچہ ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں حارث بن مرہ عبدیؓ نے مکران، قندابیل، اور قیقان وغیرہ میں فتوحات حاصل کر کے بہت سے قیدی گرفتار کیے، حتی کہ ایک فتح کے موقع پر ایک دن میں ایک ہزار جنگی قیدی فوج میں تقسیم کیے،[۲] نیز بعض دیگر فتوحات میں یہاں کے قیدی عرب گئے اور غلام بنائے گئے، جن میں سے اکثر و بیشتر وہاں جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنے آقاؤں کے خاندان و قبائل سے ان کے ولاء کا تعلق یوں قائم ہوا کہ وہ بھی ان میں شمار کیے گئے، اور ان کی طرف منسوب ہوئے، آگے چل کر ان میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین، ادباء، شعراء اور ہر علم و فن کے امام پیدا ہوئے، ان کے متعدد خاندانوں میں صدیوں تک ائمہ دین اور حفاظ حدیث کا سلسلہ چلا، اور ان میں بہت سے خاندان و افراد دنیاوی حشمت و جاہ کے مالک ہوئے۔

فوجی ملازمت

یہ تمام ہندوستانی مسلمان اپنے یہاں کے راجوں مہاراجوں کی بندگی و غلامی اور اسیران

---

[۱] فتوح البلدان ص ۳۷۰، [۲] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴، فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

کے شہنشاہوں کی نوکری اور چاکری سے نکل کر عرب مسلمانوں کی ولاء اور حمایت و حفاظت میں کیا گئے ان کو کھلی فضا مل گئی، جس میں انہوں نے آزادی اور زندگی کا سانس لیا اور اپنے کو دین و دیانت اور تمدن و حضارت کے نئے قالب میں ڈھال دیا، مسلمانوں نے بھی اپنے ان بھائیوں کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں پوری کوشش کی، ایران کے اساورہ کی طرح ہندوستان کے ان باشندوں نے بھی عزتِ نفس، احترام ذات، اور خود اعتمادی و خود شناسی کے ساتھ برضا و رغبت اسلام قبول کیا، اور اپنے متعلق خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ شرطیں منظور کرائیں (۱) ہم مسلمان ہو کر دشمنانِ اسلام عجمیوں سے جنگ کریں گے۔ (۲) اگر مسلمانوں میں باہمی اختلاف ہوا تو ہم کسی ایک فریق کی طرف سے جنگ نہیں کریں گے (۳) اگر عربوں نے ہم سے جنگ کی تو مسلمان ہماری مدد کر کے ہماری حفاظت کریں گے، (۴) ہم عرب کے جس شہر میں اور مسلمانوں کی جس جماعت کے ساتھ چاہیں گے رہیں گے۔ (۵) وظیفہ و عطیہ کے شرف میں ہم کو بھی شامل کیا جائے گا۔

ان شرائط و مواعید پر ہندوستان کے لوگ اسلام لائے اور مسلمانوں نے ان کی یہ تمام شرطیں پوری کیں، چنانچہ ایرانی فوج کے ہندوستانی سپاہی اور عرب کے ہندوستانی باشندے عراق کے نوآباد اسلامی شہر بصرہ جیسے دینی و علمی اور علوم و رجال سے معمور شہر میں سکونت پذیر ہوئے، اور وہاں کے معزز و محترم قبیلہ بنو تمیم کے ساتھ ہو کر ان کے علاقہ میں اپنے مکانات تعمیر کیے، اور ان کی ولاء و دوستی میں اسلامی زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھے، ان دونوں قسم کے ہندوستانی مسلمان عام طور سے اسلامی فوج میں شامل ہوئے، اور وظائف و غنائم سے ان کو وہی حصہ ملا جو عرب کے ہر مسلمان فوجی اور مجاہد کو ملتا تھا، انہوں نے ایران کی فوجی مہمات میں انشراحِ قلب اور سربلندی کے ساتھ شریک ہو کر کل تک جس سلطنت کی غلامی کی تھی، آج اس سے مردانگی اور بہادری سے مقابلہ کیا اور کل تک جس عقیدہ کی طرف سے جنگ کرتے تھے آج اسی سے جنگ کی، بلاذری نے تصریح کی ہے۔

والزط والسیابجۃ فی بنی حنظلۃ	جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ سے مل گئے اور ان
فاقاموا معھم یقاتلون المشرکین	ہی کے ساتھ رہ کر مشرکوں سے جنگ کرنے
وخرجوا مع ابن عامر	لگے، اور وہ لوگ عبداللہ بن عامر کے ساتھ
الی خراسان[1]	خراسان کی جنگ میں شریک ہوئے؛

عہد عثمانی میں ۳۰ھ میں امیر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے کابل و سجستان سے لے کر سندھ و مکران تک جہاد کیا کرایا تھا، اسی جنگ میں یہ نومسلم جاٹ اور سیابجہ نکلے تھے، اس غزوہ میں ابن عامرؓ نے ربیع بن زیاد حارثیؓ کو بھاری فوج دے کر اطراف و جوانب میں روانہ کیا تھا اور انہوں نے سجستان و سندھ کے درمیان مقام زرنگ کو مرکز بنا کر ڈھائی سال میں آس پاس کے تمام علاقے فتح کیے۔ اسی ضمن میں علاقہ داور کو بھی فتح کیا جو اس زمانہ میں شمال کی طرف سندھ کی آخری سرحد تھا، ظاہر ہے کہ ان فتوحات میں ابن عامرؓ اور ربیع بن زیادؓ کے ساتھ ہندوستانی سپاہی بھی رہے ہوں گے؛

شہری ملازمت

ان ہندوستانی مسلمانوں کے حسن عمل اور جذبۂ خدمت نے ان کو صرف رزم کے میدان ہی میں عزت و ناموری نہیں بخشی بلکہ انتظامی امور و معاملات کی بزم میں بھی ان کو معتمد و معتبر قرار دیا، خلافت کے بعض اہم شعبے ان کی حفاظت و نگرانی اور معتمدی میں دیئے گئے اور اعیان و اشراف اور ارباب دولت و تجارت کی ملازمت میں رہ کر ان کے بہترین معاون ثابت ہوئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بصرہ کے سرکاری بیت المال کے محافظ و نگراں یہی نومسلم جاٹ اور سیابجہ تھے، اور انہوں نے اپنی فرض شناسی اور ذمہ داریوں کا یوں ثبوت پیش کیا کہ جان دیدی مگر اسلامی خزانہ کی ایک پائی جانے نہیں دی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں بصرہ کے بیت المال کی حفاظت کے لیے جاٹ اور سیابجہ کی ایک جماعت جو

چالیس افراد اور ایک روایت کی رو سے چار سو افراد پر مشتمل تھی متعین تھی، اس وقت بصرہ کے امیر حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عثمان بن حنیف انصاریؓ تھے، جنگ جمل ۳۶ھ سے کچھ پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ وغیرہ اپنے آدمیوں کی جماعت لے کر بصرہ گئے، اور امیر بصرہ عثمان بن حنیف انصاری کو امارت سے برطرف کر کے وہاں کے خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا مگر اس کے ان ہندی محافظوں نے حوالہ کرنے سے شدت کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت علیؓ کے آنے تک ہم اسے کسی کے حوالہ نہیں کریں گے، اس وقت اس گروہ کے سربراہ اور رئیس ابو سالمہ زطی نامی ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے، ان کا یہ جواب سن کر عبد اللہ بن زبیر نے رات میں ایک جماعت لے کر ان پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے سب کے سب قتل کر دیئے گئے[1] یہ واقعہ انساب الاشراف اور دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے، یہ پہلا موقع تھا جبکہ خود مسلمانوں کی طرف سے ان نو مسلم ہندوستانیوں کے ساتھ وعدہ خلافی کا ظہور نہایت غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر ہوا انھوں نے یہ شرط بھی رکھی تھی کہ ہم مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں سے الگ رہیں گے اور اگر ہم پر کسی جماعت کی طرف سے زیادتی ہوئی تو مسلمان ہمارا ساتھ دیں گے، مگر افسوس کہ اندرونی مشاجرات نے ان کے ساتھ زیادتی روا رکھی، حضرت علیؓ کوفہ میں ہنگامی حالات سے دوچار تھے، اور ان کے امیر بصرہ اس حادثہ سے پہلے ہی معزول کر دیئے گئے تھے، پھر ان مظلوموں اور وفادار ملازموں کی مدد کون کرتا، اسی حادثہ فاجعہ کا ردعمل تھا کہ عراق کے مسلمان جاٹ اور سیابجہ حضرت علیؓ کے ہمنوا بن گئے، اور ان میں جانبداری کا رجحان پیدا ہو گیا ورنہ انھوں نے اپنی شرائط میں نہایت صفائی سے طے کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں کسی ایک گروہ کا ساتھ نہیں دیں گے، مگر اپنے آدمیوں کے قتل عام کے بعد مجمع عام میں اپنے نظریہ کا اظہار کرنے لگے اور حضرت علیؓ کے ہمنوا بن گئے، چنانچہ جب اس جنگ کے بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے تو سنڑ جاٹوں کے ایک نمائندہ نے ان کی

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۹۔

خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مادری زبان میں حضرت علی کی طرفداری اور ان کے حریفوں سے بیزاری کا اظہار کیا؛

انہ لما فرغ من قتال اھل البصرۃ	جب حضرت علیؓ اہل بصرہ سے جنگ کر کے
اتاہ سبعون رجلا	فارغ ہوئے تو ان کے پاس ستر جاٹوں نے آکر
من الزط فکلموہ بلسانھم، فقالوا	اپنی زبان میں کہا کہ آپ کے مخالفوں پر لعنت
لعنھم اللہ، بل انت انت[1]	ہو، جو کچھ ہیں، آپ ہیں۔

جنگ جمل جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں ہوئی، اسی زمانہ میں بصرہ کے مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کا قتل ہوا، اور وہ مجموعی طور سے حضرت علیؓ کے طرفدار بن گئے، نیز حضرت علیؓ نے بھی ان سے تعلقات خوشگوار طور پر قائم رکھے خولہ سندیہ حنفیہ پہلے ہی سے ان کی باندی اور کنیز تھیں بعد میں حضرت حسین بن علیؓ کی باندی سلافہ یا غزالہ سندیہ اور حضرت علی بن حسین بن علیؒ کی باندی حیدان سندیہ ہوئیں، اور ان تینوں ہی سے اولاد کا سلسلہ چلا۔

نیز ہندوستان کے یہ باشندے عراق وغیرہ میں اجتماعی اور انفرادی کاموں میں حصہ لیتے تھے، اور ان کے خلوص، خدمت اور ذمہ داری نے عربوں میں بڑا اعتماد پیدا کر دیا تھا، چنانچہ یہ لوگ تجارتی جہازوں پر بحری قزاقوں سے جنگ کرنے کے لیے ملازم رکھے جاتے تھے، لسان العرب میں ہے۔

والسیابجۃ قوم ذوو جلد من السند	سیابجہ سندھ اور ہندوستان کی ایک طاقتور قوم
والھند یکونون مع رئیس السفینۃ	ہے، یہ لوگ بحری جہازوں کے افسروں کے
البحریۃ یبذرقونھا[2]	ساتھ رہتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں،

جاحظ نے یہاں کے بیاسرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جہازوں کے ناخدا ان لوگوں کو دشمنوں سے لڑنے کے لیے اجرت پر رکھتے تھے، ہندوستان کے بحری قزاق اپنی غارت گری میں قدیم

[1] مجمع البحرین، مادہ زط، [2] لسان العرب، ج ۲ ص ۲۹۳، مادہ سبج۔

زمانے سے مشہور تھے ان کو مید کہتے تھے، یہ عرب اور ہند و چین کے درمیان آنے جانے والے تجارتی جہازوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، اس لیے ان ہندوستانی بحری ڈاکوؤں سے مقابلہ کے لیے یہیں کے لوگ رکھے جاتے تھے، جو ان ڈاکوؤں کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف تھے، اور ان سے بحری جنگ کرنے میں ماہر تھے، قرین قیاس ہے کہ خلافت راشدہ کی بحری مہمات میں یہی لوگ بحری بیڑے کے نگراں اور محافظ ہوتے تھے۔

نیز یہ ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ سرکاری جیل خانہ کے محافظ اور داروغہ ہوتے تھے، اور بیت المال کی حفاظت کی طرح جیل خانوں کی نگرانی بھی کرتے تھے لسان العرب میں ہے:

السیابجة قومٌ من السند کانوا بالبصرة جلاوزَ وحُرّاس السجن[1]

سیابجہ سندھ کی ایک قوم ہے یہ لوگ بصرہ میں پہرہ داری کرتے تھے اور جیل خانے کے نگراں و محافظ تھے۔

غالب گمان ہے کہ یہ لوگ اس زمانہ کے اعیان و اشراف اشخاص کی املاک و جائداد اور قصور و محلات کی پہرہ داری اور دربانی بھی کرتے تھے، ہندوستان کے باشندے اپنے جسم و جسامت، شکل و ہیئت اور قوت و طاقت کی وجہ سے اس قسم کے ذمہ دارانہ کاموں کے لیے بہت مناسب ہوتے تھے۔

یہ لوگ فن تعمیر میں ماہر مانے جاتے تھے، اور قصور و محلات اور مساجد کی تعمیر میں ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں، بلکہ بہت بعد تک فن تعمیر میں شہرت و مہارت کی وجہ سے ہندوستان سے عرب بلائے جاتے تھے، چنانچہ خلیفہ ولید نے جامع دمشق کی تعمیر میں دنیا بھر کے ماہر و مشہور معماروں اور مہندسوں کو بلایا تو یہاں کے کاریگر بھی اس کی تعمیر میں شریک ہوئے[2] ان معماروں نے عرب کی اسلامی تعمیرات و عمارات میں عجمی اور ہندوستانی طرز تعمیر کی آمیزش کی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے ۳۳ھ میں کابل و سجستان اور علاقہ سندھ داور وغیرہ کی فتوحات

---

[1] لسان العرب ج ۲ ص ۲۹۴، مادہ سبج [2] احسن التقاسیم ص ۱۵۸۔

کے سلسلہ میں حاکم زرنگ سے دو لاکھ (وصیف) نوکروں اور مزدوروں پر صلح کی تھی، بعد میں جب مستقل طور سے بصرہ میں سکونت اختیار کی تو ان ہی مزدوروں نے ان کے قصر میں ایک مسجد یہاں کے طرز تعمیر پر بنائی، بلاذری نے لکھا ہے۔

وکان قدم عبدالرحمن بغلمان	عبدالرحمن بن سمرہؓ کابل سے قیدی غلام لائے
من سبی کابل فعملوا المسجد فی	تھے جنہوں نے بصرہ میں ان کے محل کے اندر
قصرہ بالبصرۃ علی بناء کابل [۱]	کابل کے طرز پر ایک مسجد بنائی۔

ان ہندوستانی معماروں اور مہندسوں نے عراق میں کوفہ اور بصرہ وغیرہ کی تعمیر و آبادی میں نمایاں خدمات پیش کی ہوں گی، اور ان میں قصور و محلات اور مساجد تعمیر کر کے ہندوستانی طرز تعمیر کا نمونہ پیش کیا ہوگا۔

عطایا و وظائف میں مساوات

۱۶ھ میں ایرانی فوج کے اساورہ اور ہندی سپاہی اسلام میں داخل ہو کر عجم کی محاربات میں شریک ہوئے، اس کے بعد ہی عرب کے قدیم ہندوستانی بھی مسلمان ہو کر اساورہ کی شرطوں پر اسلامی معاشرہ میں آئے، اور ان میں سے بھی بہت سے لوگوں نے اسلامی فوج میں شرکت کی، اور جو لوگ ہندوستان سے جنگی قیدی بنا کر عرب لے جائے گئے۔ اور انہوں نے وہاں جا کر اسلام قبول کر لیا وہ اپنے آقاؤں کی ماتحتی میں رہے، ان کو فوجی ملازمت یا کسی اور قسم کی ملازمت کے مواقع کم مل سکے، مگر بیت المال کے عطایا اور وظائف میں حسب قاعدہ ان سب کا حصہ رہا اور سب کے سب اس شرف سے مشرف ہوئے جس کے لیے اساورہ نے شرط لگائی تھی، فوجیوں کو ان کے حساب سے اور مسلمان غلاموں کو ان کے آقاؤں کے حساب سے وظیفہ ملتا تھا۔

۲۰ھ سے پہلے فتوحات و غنائم سے خمس کی جو رقم دار الخلافہ میں آتی تھی مسلمانوں میں

---

[۱] فتوح البلدان ص ۳۸۴۔

فوراً تقسیم کردی جاتی تھی' اور اس کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، مگر محرم ۲۰ھ میں حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے بیت المال کا قیام کر کے وظائف و عطایا کا باقاعدہ انتظام فرمایا' دفتر اور دیوان تیار کرایا قبائل و افراد کی دینی و ملی اور نسبی و حسبی حیثیات کے مطابق ان کے لیے سالانہ وظیفے مقرر کیے اور عربی النسل مسلمانوں کے ساتھ ہی عجمی النسل مسلمانوں اور غیر عرب موالی اور غلاموں کا وظیفہ بھی مقرر کیا، عجمیوں کے وظائف کے سلسلے میں ایک مرتبہ بنو عدی نے حضرت عمرؓ سے کچھ باتیں کیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

واللہ لئن جاءت العجم بعمل وجئنا بغیر عمل، لھم اولی بمحمد منا یوم القیامۃ، فان من قصر بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ[1]

خدا کی قسم اگر عجم کے مسلمان نیک عمل لے کر آئیں اور ہم عرب بغیر عمل کے آئیں تو یقیناً عجم کے لوگ قیامت کے دن ہمارے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب ہوں گے، کیونکہ جس کو اس کا عمل پیچھے کر دے' اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا؛

اس قول سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے وظیفہ میں عرب اور غیر عرب کا فرق روا نہیں رکھا، بلکہ دین اور دینی خدمات کو معیار بنا کر اسی کے مطابق عمل کیا؛ چنانچہ سب کے لیے یکساں وظیفہ مقرر کیا؛

ایک مرتبہ عربوں اور عجمی موالی اور غلاموں کی ایک جماعت ایک عامل کے دربار میں حاضر ہوئی' اور اس نے عربی روایت کے مطابق عربوں کو اپنی داد و دہش سے نوازا اور عجمی موالی کو چھوڑ دیا؛ جب حضرت عمرؓ کو اس تفریق کی خبر لگی تو آپ نے اس عامل کو یہ تہدیدی خط لکھا؛

اما بعد فبحسب المرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم، والسلام[2]

آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر و کمتر سمجھے' والسلام؛

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۶۱، [2] فتوح البلدان ص ۴۴۴

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام فوجی امراء کو یہ مکتوب روانہ فرمایا۔

ومن اعتقتم من الحمراء	تم لوگوں نے جن غلاموں کو آزاد کر دیا ہے اور وہ مسلمان
فاسلموا فالحقوهم بمواليهم	ہو گئے ہیں، عطیہ میں ان کو ان کے سابق آقاؤں
لهم مالهم وعليهم ما عليهم	کے ساتھ ملا دو، ان کے لیے وہی رعایت ہے جو ان کے
وان احبوا ان يكونوا قبيلة	آقاؤں کے لیے ہے اور ان پر وہی ذمہ داری ہے
وحدهم فاجعلهم اسوتهم	جو ان کے آقاؤں پر ہے اور وہ آزاد کردہ مسلمان
في العطاء[1]	غلام چاہیں تو ایک وحدت اور قبیلہ بن جائیں
	ایسی صورت میں ان سب کو برابر برابر عطیہ دو،

اس مکتوب کے مطابق عجم کے جو غلام آزادی کے بعد اسلام قبول کر لیتے تھے، ان کے عطیہ و وظیفہ کی تعداد وہی ہوتی تھی جو ان کے سابق آقاؤں کی ہوتی تھی، اور ایسی صورت میں آقا اور مولی دونوں برابر مانے جاتے تھے، البتہ اگر ایسے مسلمان غلام آپس میں اپنی کوئی قبائلی وحدت قائم کر لیتے تھے تو ان میں سے ہر ایک کا وظیفہ عام مسلمانوں کے برابر ہوتا تھا، اس قاعدہ کی رو سے ہندوستان کے جو جنگی قیدی غلام بن کر عرب میں گئے اور پھر مسلمان ہو کر آزادی پا گئے ان کے وظائف کی تعداد اور ان کے سابق آقاؤں کے وظائف کی مقدار برابر ہوتی تھی، اور اگر ان میں کچھ لوگوں نے اسلام اور آزادی کے بعد بطور خاندان اور قبیلہ کے اپنی وحدت قائم کر لی تھی تو ان کو عام مسلمانوں کے برابر رقم ملتی تھی۔

خلافت راشدہ میں ان ہندوستانی نو مسلموں کی جو وظیفہ کی تعداد مقرر ہوئی وہ اموی دور میں بھی جاری رہی، مگر عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ابن اشعث کی تحریک میں (۸۱ھ تا ۸۳ھ) جاٹوں نے حصہ لیا تو حجاج بن یوسف نے ان کے عطایا بند کر دیئے۔ بلاذری نے لکھا ہے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۳ ؎

وشھد واامر ابن الاشعث معہ	جاٹوں نے ابن اشعث کے خروج میں ان کے ساتھ
فاضربھم الحجاج فھدم دورھم	شرکت کی اس لیے حجاج نے ان کو تتر بتر کردیا'
وحط عطیاتھم واجلی بعضھم[1]	ان کے مکان گروادیئے اور ان کے عطیے بند کرکے
	بعضوں کو جلاوطن کردیا۔

واضح ہو کہ سرکاری بیت المال سے وظیفہ شہر والوں کو ملتا تھا جو غزوات وفتوحات میں شریک ہوتے تھے' یا ہنگامی حالات وضرورت میں جہاد پر نکلتے تھے' اور جو لوگ دیہاتوں اور صحراؤں میں زندگی بسر کرتے تھے اور غزوات سے سروکار نہیں رکھتے تھے ان کو مستقل طور سے وظیفہ نہیں ملتا تھا' البتہ خاص خاص تشریفات وتقریبات میں ان کو عطایا وہدایا سے نوازا جاتا تھا۔

عام وظیفہ کی رقم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے عراق کے یمنیوں اور بنو قیس میں سے حسب حیثیت وخدمت کسی کو دو ہزار کسی کو ایک ہزار کسی کو نوسو کسی کو پانچ اور کسی کو تین سو درہم سالانہ ملتے تھے' اور تین سو سے کم کسی کو نہیں ملتا تھا' ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر خزانہ میں مال زیادہ ہوا تو میں ہر شخص کا وظیفہ چار ہزار درہم سالانہ مقرر کردوں گا۔ ایک ہزار سفر جہاد کے لیے' ایک ہزار اسلحہ کے لیے' ایک ہزار گھر کے لیے' ایک ہزار گھوڑے وغیرہ کے لیے' مگر اس منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی آپ کا وصال ہوگیا' حضرت عثمان کے زمانہ میں جب مال ودولت کی فراوانی ہوئی تو عطیہ ووظیفہ میں اضافہ ہوا[2]۔ عرب کے ہندوستانی مسلمانوں کے تین طبقوں کو وظائف ملتے تھے (۱) جو ہندوستانی سپاہی ایرانی فوج میں تھے' اور بعد میں مسلمان ہوکر اسلامی فوج میں شامل ہوگئے' ان کے وظائف عام مجاہدین اسلام کے برابر تھے' (۲) جو ہندوستانی قدیم زمانہ سے عرب میں مقیم تھے' ان میں سے جو مسلمان ہوکر کوفہ بصرہ وغیرہ آگئے اور شہری زندگی بسر کرنے لگے ان کو عام شہریوں کے وظائف ملتے تھے' اور

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۷' [2] فتوح البلدان ص ۴۴۳' الفخری ص ۹۲۔

اس بارے میں عرب اور غیر عرب کا فرق نہیں تھا، (۳) جو ہندوستانی غلام بن کر عرب پہونچے اور مسلمان ہو کر آزاد ہو گئے، ان کو وہی وظیفے ملتے تھے جو ان کے سابق آقاؤں کو ملتے تھے، اور غلام و آقا کا فرق نہیں تھا، چنانچہ آل ابی معشر سندی مولی بنی ہاشم، آل بیلمانی مولی آل عمرؓ اور آل مقسم قیقانی مولی بنی اسد کو وہی وظیفہ ملتا تھا جو بنی ہاشم، آل عمرؓ اور بنی اسد کو ملتا تھا،

کوفہ اور بصرہ میں ہندوستانیوں کی آبادی

عراق عرب و عجم کا مجمع البحرین تھا، اور اس کے شہروں میں عرب و عجم، آقا و مولیٰ، اور ملکی وغیر ملکی کی ملی جلی آبادیاں تھیں، جن میں ہندوستانیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی۔ خاص طور سے عراق کے دونوں مرکزی شہروں کوفہ اور بصرہ میں "جالیہ ہندیہ" اپنی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نمایاں زندگی کی مالک تھی، گزشتہ بیانات میں بصرہ کے جاٹوں اور سیابجہ کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ لوگ سرکاری بیت المال، جیل خانہ، تجارتی جہاز وغیرہ کی ملازمت میں نمایاں تھے، اور بنو تمیم کی شاخ بنو حنظلہ کے علاقہ میں اُن کی آبادیاں اور مکانات تھے، اسی طرح کوفہ میں ان ہندوستانیوں کی بہت بڑی آبادی تھی اور ان کے بوڑھے اور جوان اپنی حیثیت و ہیئت میں نمایاں تھے، جس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو دینی و فقہی تعلیم کے لیے کوفہ روانہ کیا اور انہوں نے یہاں آکر بوڑھے جاٹوں کی کثرت دیکھی تو گھبرا کر ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ان کو دیکھ کر حضرت ابن مسعودؓ کو لیلۃ الجن کا واقعہ یاد آگیا، امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہؒ سے روایت کی ہے۔

ذکر لنا ان ابن مسعود لما قدم الکوفۃ رأی شیوخا شمطا من الزط فراعوہ وقال من ھؤلاء؟ قالوا: ھؤلاء	جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ آئے، اور کھچڑی بالوں والے جاٹوں کو دیکھا تو گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ عجمی لوگ ہیں، تو آپ نے کہا کہ

نفرمن الاعاجم، قال: ما رایت الذین قرء علیھم النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن من الجن شبھا ادنی من ھولاء۔	جن جنات کے سامنے رسول اللہؐ نے قرآن پیش فرمایا میں نے ان کے مشابہ اِن لوگوں سے زیادہ کسی مخلوق کو نہیں دیکھا!

نیز حضرت قتادہؒ کی دوسری روایت میں ہے۔

فلما قدم ابن مسعود الکوفۃ رای الزط، وھم قوم طوال سود، فافزعوہ، فقال: اظھروا فقیل لہ: ان ھولاء قوم من الزط، فقال: ما اشبھم بالنفر الذین صرفوا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں آکر سیاہ رنگ، دراز قامت جاٹوں کو دیکھا تو گھبرا کر کہا کہ بتاؤ یہ کون لوگ ہیں؟ اس پر لوگوں نے بتایا کہ یہ جاٹ ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان جنات سے کس قدر مشابہ ہیں جو رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیجے گئے تھے،

اس گفتگو میں حضرت ابن مسعودؓ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہؐ ایک رات ان کو بطحاء مکہ کی طرف لے گئے تھے، اور ایک دائرہ میں ان کو بٹھا کر خود جنات میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے! اور جنات کی ایک جماعت حضرت ابن مسعودؓ کے قریب آئی مگر دائرہ کے اندر داخل نہ ہو سکی، یہ جنات اپنے جسم و رنگ اور بال میں جاٹوں کے مشابہ تھے مفصل روایت عہدِ رسالت میں بیان کی جا چکی ہے۔

عراق کے شہر کوفہ بصرہ کے علاوہ خلافت راشدہ میں عرب کے دوسرے مقامات میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی تھی، چنانچہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، نجران سواحل یمن، سواحل بحرین اور شامی علاقوں میں بھی یہ لوگ آباد تھے!

ہندوستانی روایات و تقالید

ہندوستان کا ملک اور یہاں کے لوگ اپنی قدیم تقالید و روایات کی حفاظت میں

[1] تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۳۲ طبع مصر ۱۳۷۳ھ

بڑے سخت جان واقع ہوئے ہیں، عرب میں بھی انہوں نے اپنے ملکی وخاندانی آداب و رسوم کو یوں باقی رکھا کہ دوسروں سے ممتاز اور جدا رہے، رنگ، نسل اور زبان یہ تین چیزیں دنیا کی قوموں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں، عرب کے ہندوستانیوں پر ان کی گہری چھاپ پڑی ہوئی تھی اور ان کے باعث وہ ہر جگہ اور ہر حال میں نمایاں رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے ہندی زبان اور لب ولہجہ کو اس طرح باقی رکھا کہ جن علاقوں میں وہ کثرت سے آباد تھے وہاں کے عرب قبائل کی عربی زبان ان سے اختلاط وتاثر کی وجہ سے درجہ استناد سے گر گئی، اور اس میں عجمت وہندیت پیدا ہو گئی، بحرین وعمان کی عربی زبان ان ہی ہندیوں اور عجمیوں کی زبان کے اثرات سے فصاحت سے محروم ہو گئی اور یہاں کے بنو عبدالقیس، ازد اور بنو تمیم وغیرہ کی زبان معیاری نہیں رہی، عرب کے ہندوستانی باشندے بلا تکلف عام بول چال میں عربوں کے ساتھ ہندی زبان بول دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر ستر جاٹوں نے حضرت علیؓ سے اپنی زبان میں گفتگو کی تھی، اس کے علاوہ یہ ہندوستانی باشندے عربی زبان والفاظ کی ادائیگی سے عام طور سے قاصر ہوتے تھے اور ان کی عجمیت عربی زبان بولتے وقت بھی نمایاں رہتی تھی، مثلاً یہ لوگ ک کو ق، ج کو ز، ز کو ج، ش کو س کہہ دیا کرتے تھے، اور عربی بولنے کے باوجود ان کی ہندیت نمایاں ہو جاتی تھی۔

جسم وجسمانیت، شکل وہیئت اور رنگ، بال، لباس وغیرہ میں بھی یہ لوگ نمایاں تھے اور ان کو دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ ہندوستانی ہیں، قد وقامت اور ڈیل ڈول کی وجہ سے مہیب نظر آتے تھے، سیاہ رنگ کے ساتھ بالوں کے لمبے ہونے کی وجہ سے ان کی ہیئت عراق کی مختلف قوموں کے درمیان نمایاں تھی، اور وہ جنات معلوم ہوتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مکہ اور کوفہ میں یہاں کے جاٹوں کو جنات سے تشبیہ دی ہے۔

ان کے لباس اور کپڑے بھی عام طور سے عربوں سے جدا ہوتے اور ان میں ہندوستانی طرز وتراش پائی جاتی تھی، "ثیاب زطیہ" اور "ثیاب سندیہ" عرب میں مشہور تھے، جو عرب کے جاٹوں اور سندھیوں کے مخصوص لباس تھے، ان میں قُرطَق یعنی کرتہ، فوطہ یعنی دھوتی، کسار

یعنی کمبل کا استعمال عام تھا، ان کے کپڑوں کا رنگ عموماً شوخ ہوتا تھا، وہ سیاہ کمبل اور دھاری دار کپڑے زیادہ استعمال کرتے تھے، ان کی حجامت بھی جداگانہ ہوتی تھی، وہ اس طرح مونڈا شی کرتے کراتے تھے کہ سر پر صلیب کی شکل بن جاتی تھی۔

موسیقیت اور غنا ہندوستان کا قدیم ترین اور محبوب ذوقی فن ہے، اس میں بھی عرب کے ہندوستانی خاص شہرت رکھتے تھے، اور وہاں انہوں نے اپنے سُر اور لَے باقی رکھ کر ہندی نغمہ میں عربی ترنم کی آمیزش کی تھی، بعد کے بعض شعراء عرب نے مچھروں کی آواز کو "غناء الزط" (جاٹوں کے ترنم) سے تشبیہ دی ہے۔

الغرض خلافت راشدہ میں ہندوستان کے باشندے عراق اور عرب کے دوسرے علاقوں میں اپنی تہذیبی تقالید و روایات کو باقی رکھے ہوئے تھے، اور اس بارے میں ان پر کوئی پابندی نہیں تھی، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے ظروف و احوال کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا اور وہ عربی و اسلامی معاشرہ سے علیحدہ رہے، بلکہ وہ عربی اور اسلامی زندگی کے جزو بن کر عربوں میں گھل مل گئے تھے، خاص طور سے ان میں سے اہل علم و فضل اور باحیثیت حضرات کی زندگی عوام سے ممتاز ہوتی تھی، اور وہ ہر اعتبار سے عربی معاشرہ کے ترجمان تھے، البتہ رنگ و نسل اور زبان کی عجمیت ان میں باقی رہی، جس کی وجہ سے وہ اپنی ہندیت کے نمائندے بھی تھے۔

عرب کے وہ ہندی مسلمان جو پہلے ایرانی فوج میں تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد عام طور سے اسلامی فوج میں شامل ہو گئے، اور جو قدیم زمانہ سے وہاں تھے، اور مسلمان ہو گئے۔ وہ زیادہ تر ملازمت، تجارت، صنعت، فرفت اور معاش و معیشت کے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے اور جو لوگ غلام بن کر وہاں پہنچے ان میں سے اکثر آزادی کے بعد دینی علوم اور اسلامی تعلیمات کے حامل ہوئے، اور مجموعی طور سے ان تینوں طبقوں نے اپنی اپنی حد میں رہ کر اسلام کی بے نظیر خدمات انجام دیں۔

تجارتی تعلقات

عرب و ہند کے درمیان تجارتی روابط تاریخ کے قدیم دور سے استوار تھے، اسلامی فتوحات نے اس میں نہایت اہم اور خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی، دینی و ملی تعلق نے تجارتی تعلق میں تنوع اور پائداری کی راہ نکالی، اور تجارت و معیشت کے قدیم صلات و تعلقات میں دین و دیانت نے عقیدت و محبت کی رنگ آمیزی کی، خلافت راشدہ میں ہندوستان کے تاجر عرب میں آتے جاتے تھے، اور وہاں ہندوستانی اشیاء کا استعمال عام تھا، عہد فاروقی کے ایک عامل کے بارے میں یزید بن قیس کلابی نے ہندی تاجر کا تذکرہ کیا، اور کہا ہے۔

اذا التاجر الهندی جاء بفارۃ   من المسك ضمت فی سوالفهم تجری[1]

جب ہندی تاجر نافۂ مشک لے کر آتا ہے تو ان کی گردنوں میں مشک بہنے لگتی ہے۔

یہ ہندی تاجر یہاں سے عود، کافور، زنجبیل، تلواریں، نیزوں کی لکڑیاں، ساگوان کی لکڑیاں، کپڑے اور اسی قسم کے سامان عرب میں لے جا کر فروخت کرتے تھے، اور وہاں ان کا استعمال عام تھا، عود یہاں کی خاص خوشبو ہے جس نے تاریخ کے قدیم زمانہ سے عربوں کی محفلوں کو گلستان بنا رکھا تھا، سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے عود کی خوشبو سے مسجد نبوی کو معطر فرمایا، ایک مرتبہ معمولی مقدار میں عود آئی تو آپ نے کہا کہ اسے مسجد میں سلگا دو تاکہ عام مسلمان اس کی خوشبو سے محظوظ ہوں، اس کے بعد مسجد نبوی میں عود سلگانے کی سنت صدیوں تک جاری رہی تھی[2]۔

یعنی ساگوان کی لکڑی بھی ہندوستان کی خاص پیدا وار ہے، اور قدیم زمانہ سے عرب میں

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ... بعض کتابوں میں "التاجر الداری" ہے، جو مقام دارین کی طرف منسوب ہے، یہ عرب کے مشرقی ساحل کی مشہور بندرگاہ تھی، جہاں ہندوستان سے مشک بھیجی جاتی تھی اور مشک داری یا مسک داری کی نسبت سے مشہور تھی۔ [2] الدرة الثمینة فی تاریخ المدینة فی آخر شفاء الغرام ج ۲ ص ۳۴۷۔

استعمال ہوتی تھی، ۳۰ھ میں حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر کی تو اس کی چھت ساگون کی بنوائی خلافت راشدہ میں ساگوان کا استعمال پہلی بار مسجد نبوی میں ہوا[1] حضرت عثمان کے زمانہ میں دولت و ثروت کی کثرت ہوئی اور قصور و محلات بنائے گئے جن میں ساگون کا استعمال ہوا چنانچہ خود عثمان نے مدینہ میں جو مکان بنوایا تھا اس میں ساگوان کی لکڑی استعمال ہوئی تھی، اسی طرح حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی نے کوفہ میں اپنا محل تعمیر کرایا تو اس میں ساگوان کی لکڑی لگائی تھی[2] ہندی تلواریں ہندی، مہندی، ہندوانی کے ناموں سے مشہور تھیں اور ان کا استعمال بھی عام طور سے غزوات و فتوحات میں ہوتا تھا، خصوصاً ہندی مجاہدین اسلام کے ہاتھوں میں ان کی ہندی تلواریں اپنی جوہریت و تبرش لیے نظر آتی تھیں، اسی طرح یہاں کی دیگر اشیا راس دور میں زیر استعمال تھیں، ۔

اسلامی علوم اور علمائے اسلام قدیم زمانہ سے ہندوستان علم و دانش اور فنون و معارف کا ملک مانا جاتا ہے حتیٰ کہ اہل چین "حکمت کا ملک" کہتے تھے!

ساتھ ہی مذہب و روحانیت کے بارے میں یہ ملک شہرت رکھتا ہے اور یہاں کے علماء و حکماء اور ارباب روحانیت دنیا میں مشہور تھے، یہی وجہ ہے کہ جب یہاں کے مذہبی طبقوں اور سنیاسیوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا علم ہوا تو انہوں نے آپ سے تعلقات قائم کرنے میں سبقت کی، اور اپنا ایک نمائندہ وفد خدمت نبوی میں روانہ کیا تاکہ وہ براہ راست اسلامی تعلیمات اور سیرت نبویہ سے واقف ہوں، نیز یہاں کے بعض راجوں اور مہاراجوں نے خدمت نبوی میں ہدیہ بھیج کر اپنی عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا، مگر افسوس کہ عہد رسالت میں ہندوستان سے براہ راست روابط قائم نہ ہو سکے، اور درمیان میں ایرانی سیاست کی خلیج حائل ہوگئی جس سے صورت حال یکسر بدل گئی، ورنہ یقین ہے کہ اگر یہاں کے باشندے ایرانیوں کی آقائی میں نہ پڑتے اور ایرانی فتوحات میں مسلمانوں کے خلاف شاہان ایران

---

[1] شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ج ۲، ص ۱۷۱، [2] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۴۱، و ص ۳۴۲،

کی مدد نہ کرے تو یہ ملک عہد راشدہ ہی میں دارالاسلام بن گیا ہوتا، اور ایشیا و افریقہ کے بہت سے ممالک کی طرح ہندوستان بھی عرب ممالک میں شمار ہوتا، اور ہندوستان اور اسلام کو ایران کی طرف سے یہ نقصان نہ پہونچتا، نہ ہندوستان کے باشندے شاہان ایران کے چکر میں پڑ کر مجاہدین اسلام کے مقابلہ میں آتے اور نہ ہندوستان میں حرب وضرب کی نوبت آتی اور عرب کے ہندوستانیوں کی طرح یہاں کے باشندے بھی برضا ورغبت اسلام کے سایہ میں آجاتے، خسران ونقصان کا یہ منظر کس قدر عبرت انگیز ہے کہ جس زمانہ میں ہندوستان کے راجے مہاراجے اور ان کی رعایا ایرانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کے ساتھ مصروف جنگ تھے عین اسی زمانہ میں ایرانی فوج کے ہندوستانی سپاہی اور عرب میں آباد ہندوستانی براہ راست اسلام اور مسلمانوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر جوق درجوق انشراح قلب اور کھلے دل کے ساتھ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، یہی نہیں بلکہ ان میں سے کتنے اسلامی فوج میں شامل ہو کر ایرانیوں اور ہندوستانیوں سے جنگ کر رہے تھے، کتنے مسلمانوں کی حلف و ولاء میں رہ کر اسلامی معاشرہ کے معزز و محترم عناصر بن رہے تھے، اور کتنے علمی و دینی امامت وسیادت کی مسند پر جلوہ گر ہو کر مسلمانوں کے دل ودماغ پر حکمرانی کر رہے تھے، فوجی اور شہری ملازمتوں پر فائز تھے، بیت المال سے وظیفہ وعطیہ حاصل کرتے تھے، اور اسلامی تہذیب وتمدن میں ہندی تہذیب وتمدن کی رنگ آمیزی سے دونوں کے صلات وتعلقات میں دلکشی کا سامان بہم پہنچا رہے تھے۔

علاقہ سرندیپ کا دینی وعلمی وفد عہد رسالت میں ہندوستان کے علاقہ سرندیپ (لنکا) سے خدمت نبوی میں ایک وفد کی روانگی کا حال مشہور ہے۔ سیاح وتاجر بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یوں لکھا ہے:

وکان اهل سرندیپ وماوالاها	سرندیپ اور اس کے قرب وجوار کے لوگوں
لما بلغهم خروج النبی صلی اللہ علیہ	کو جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور
وسلم فارسلوا رجلاً فهما، وامروه	بعثت کی خبر گئی تو انہوں نے اپنے ایک

ان يسير اليه، فيعرف امره
ومايدعوا اليه، فعاقت الرجل
عوائق، ووصل الى المدينة
بعد ان قُبض رسول الله صلى الله
عليه وسلم وتُوفي ابوبكر رضي الله
عنه، ووجد القائم بالامر عمر
بن الخطاب رضي الله عنه، فسأله
عن النبي صلى الله عليه وسلم، فشرح
له وبيّنَ ورجع فتوفي الرجل
بنواحي بلاد مكران، وكان مع الرجل
غلام له هندي فوصل الغلام
الى سرنديب وشرح لهم الامر
وما وقفا عليه من امر النبي
صلى الله عليه وسلم وابي بكر
رضي الله عنه، وانهم وجدوا
صاحب النبي صلى الله عليه وسلم
بن الخطاب رضي الله عنه
ووصف لهم تواضعه وانه
كان يلبس مرقعة ويبيت
في المساجد، فتواضعهم
لاجل ما حكى لهم ذلك

سمجھدار آدمی کو مدینہ منورہ بھیجا اور اس سے
کہا کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ
کے حالات اور آپکی دینی دعوت کی تحقیق کرے،
مگر کچھ مشکلات درپیش آجانے کی وجہ سے وہ
وہ آدمی اس وقت پہونچا جب کہ رسول اللہؐ اور صدیق اکبرؓ
وفات پا چکے تھے، اور حضرت عمرؓ خلیفہ تھے اس
لیے حضرت عمرؓ ہی سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے بارے میں سوالات کیے اور حضرت عمرؓ نے
نہایت شرح وبسط کے ساتھ تمام باتیں بتائیں
اس کے بعد یہ شخص واپس ہوا مگر مکران کے
اطراف میں اس کا انتقال ہو گیا، اس کے
ساتھ ایک ہندوستانی ملازم تھا، وہ سرندیپ
پہونچا اور یہاں کے لوگوں کے سامنے رسول
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وہ تمام
حالات بیان کیے جن سے یہ دونوں واقف
ہوئے تھے، اور یہ کہ اس وقت رسول اللہؐ
کے صحابی حضرت عمرؓ خلیفہ ہیں، اس نے
اہل سرندیپ سے حضرت عمرؓ کی تواضع و
انکساری کا حال بیان کیا اور بتایا کہ وہ
پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، رات
کو مسجد میں سوتے ہیں، اس لیے اہل سرندیپ

الغلام وليسهم الثياب المرقعة لما ذكره من لبس عمر رضی اللہ عنہ مرقعة ومحبتهم للمسلمين وميلهم اليهم لما في قلوبهم مما حكاه ذلك الغلام عن عمرؓ وهم يحبون المسلمين و يميلون اليهم ميلاً شديداً۔[1]	کی تواضع وانکساری کا سبب وہی باتیں ہیں جن کو اسی خادم نے بیان کیا تھا، اور وہ بھی پیوند لگے ہوئے کپڑے اس لیے پہنتے ہیں کہ اس نے اس کا بھی تذکرہ کیا تھا، اور ان کو مسلمانوں سے محبت اور میل جول اس لیے ہے کہ اس خادم نے حضرت عمرؓ کی تواضع اور محبت کا حال بیان کیا تھا آج بھی (چوتھی صدی ہجری) اہل سرندیپ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑی عقیدت و محبت سے ملتے جلتے ہیں۔

اس روایت کے مطابق یہ پہلا دینی اور علمی سفر تھا جو نہ صرف ہندوستان سے بلکہ عرب کے باہر کی دنیا سے عہدِ رسالت میں مدینہ منورہ کی طرف کیا گیا، اگر اس کی قسمت میں خدمت نبوی کی حاضری اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات رہی ہوتی تو سیر و مغازی اور احادیث کی کتابوں میں دیگر وفود کی طرح اس وفد کا بھی تذکرہ ہوتا، اور کم از کم سرندیپ اور جنوبی ہند کا علاقہ اسی زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوتا، اور یہ ملک بھی دار الاسلام بن کر اسلامی علوم اور دینی رجال سے معمور ہوتا، مگر قدرتی حالات کی وجہ سے یہ صورت پیدا نہ ہو سکی، پھر بھی بعد کے ہندوستانی مسلمانوں نے بڑی حد تک تلافیٔ مافات کا نمونہ پیش کیا، اور خلافت راشدہ ہی میں ان میں اسلامی علوم اور دینی معارف اور دنیاوی علوم و فنون کے حاملین پیدا ہو گئے، جنہوں نے ہندوستان کے قدیم اور روایتی علم و حکمت کو کتاب و سنت کے قالب میں ڈھال کر امامت و سیادت کی بزم سجائی، مسلمانوں نے

---

[1] عجائب الہند ص۱۵۵، طبع لائڈن۔

ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرۃ مغازی، لغت، ادب، انشار، شاعری وغیرہ مروجہ علوم وفنون میں وہ بھی عالم اسلام کے مشاہیر علمار اور نامور فضلار میں شمار کیے گئے اور ان کے تذکروں سے فنِ تاریخ ورجال کی پیشانیاں چمکتی ہیں۔

ہندوسندھ کے چند علمی ودینی خانوادے اور افراد

ان ہندی مسلمانوں میں خلافت راشدہ میں کئی خانوادے علم دین کے افق پر یوں چمکے کہ ان کی اولاد میں کئی صدیوں تک دینی وعلمی سلسلہ چلتا رہا اور اموی اور عباسی ادوار میں متعدد نامور حفاظ حدیث، ائمہ دین اور فضلائے زمانہ پیدا ہوتے رہے، اس دور کے تین علمی ودینی خانوادے خاص طور سے قابل ذکر ہیں، (۱) آل ابی معشر سندھی" میں" ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن" سندی مدنی حافظ حدیث ہونے کے ساتھ" کان اعلم الناس بالمغازی" کا مقام رکھتے تھے، ان کی کتاب المغازی اپنے فن کی ابتدائی اور مشہور کتاب ہے، اور محمد بن ابو معشر سندھی، حسین بن محمد بن ابو معشر سندھی، داؤد بن محمد بن ابو معشر سندی اپنے اپنے زمانہ کے مشہور محدث وفقیہ گزرے ہیں۔

(۲) آل بیلمانی میں عبدالرحمٰن ابو زید بیلمانی، محمد بن عبدالرحمن بیلمانی، حارث بیلمانی، محمد بن حارث بیلمانی، محمد بن ابراہیم بیلمانی رواۃ حدیث اور محدثین میں ہیں، ان میں سے بعض شاعر بھی تھے۔

(۳) آل مقسم قیقانی میں مقسم قیقانی، ابراہیم بن مقسم قیقانی، ربعی بن ابراہیم بن مقسم قیقانی، اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی اور ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی نے کوفہ، بصرہ، اور بغداد میں علم وفضل کے ساتھ کسب وتجارت اور ولایت وامارت میں شہرت و ناموری حاصل کی۔

یہ سب کے سب ان ہندوستانی خاندانوں سے تھے جن کے آبار واجداد خلافت راشدہ میں جنگی قیدی اور غلام بن کر عرب میں گئے اور مسلمان ہو کر مسلمانوں کی ولار وحمایت میں

اسلامی زندگی کی تمام قدروں سے بہرہ یاب ہوئے، ان میں سے اکثر علمائے اسلام اموی دور میں گزرے ہیں اور کچھ عباسی دور میں ہوئے ہیں، اسی طرح امام مکحول سندی شامی اور ابوالعطار سندی شاعر، عمرو بن عبید بن باب سندی معتزلی زاہد کے خاندان بھی ہندوستان سے خلافت راشدہ میں اساری و سبایا بن کر آئے تھے، اس دور میں سندھ اور ہندوستان کے ان ہی حسنات میں حضرت علیؓ کی باندی خولہ سندیہ حنفیہ، بصرہ کے بزرگ الشان ابو سالمہ زطیؒ اور مدینہ منورہ کے طبیب زطی (جنہوں نے[۴] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علاج کیا تھا) وغیرہ بھی معزز و محترم اور مشہور تھے، ان تمام حضرات کے حالات اپنی جگہ ذکر کیے گئے ہیں، یہاں اجمالی طور پر ان کا ذکر مقصود ہے؛

ایک المیہ اور اس کے نتائج

معلوم ہو چکا ہے کہ ایرانی فوج کے ہندی سپاہی اور عرب کے قدیم ہندی باشندے اساورہ ایران کی شرائط پر ایمان لائے تھے، جن میں یہ بات بھی تھی کہ عربوں کی خانہ جنگی میں ہم کسی ایک فریق کا ساتھ نہیں دیں گے اور سب سے صلح و مصالحت کا معاملہ رکھیں گے، اور اگر عربوں کی کسی جماعت نے ہم پر حملہ کیا تو مسلمان ہماری مدد کریں گے، مگر تقریباً بیس سال کے بعد ایسے ناگوار واقعات پیش آئے کہ خود مسلمانوں کی طرف سے ان کے بارے میں کوتاہی کا پہلو نکل آیا، جس کی وجہ سے عرب کے مسلمان جاٹ اور سیابجہ وغیرہ نے بھی اپنی روش بدل دی اور ان کو مسلمانوں کی ایک جماعت کا ساتھ دینا پڑا؛

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں بصرہ کے بیت المال پر چالیس یا چار سو ہندی مسلمان پہرہ دیتے تھے، اور ان کے سربراہ ان کی جماعت کے ایک نہایت صالح اور نیک شخص ابو سالمہ زطی تھے، یہ لوگ من و تو کی بحث سے الگ رہ کر اپنی ڈیوٹی انجام دیتے تھے، اسی درمیان میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں جمادی الآخری

۴ ملاحظہ ہو "موطا" امام محمد

۳۶ھ میں جنگِ جمل ہو گئی، حضرت علیؓ کوفہ میں تھے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اپنے آدمیوں کے ساتھ پہلے بصرہ آئے اور حضرت علیؓ کے امیر عثمان بن حنیف انصاری کو وہاں کی امارت سے علیحدہ کر دیا اور سرکاری خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا، مگر اس کے پہرہ داروں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک حضرت علیؓ جنہوں نے ہمیں رکھا ہے نہ آئیں گے ہم خزانہ کو کسی کے حوالہ نہیں کر سکتے، یہ سن کر یہ حضرات وہاں سے چلے آئے اور رات کو اپنے آدمی لے کر گئے اور صبح ہوتے ہوتے ان تمام جاٹوں اور سیابجہ کو قتل کر دیا۔ بلاذری کا بیان ہے۔

وکانت جماعۃ السیابجۃ	بصرہ کے سرکاری خزانہ پر سیابجہ کی ایک جماعت
موکلین ببیت مال البصرۃ یقال	تعینات تھی، ایک قول کے مطابق یہ چالیس
انھم اربعون، ویقال اربعمائۃ	تھے اور دوسرے قول کے مطابق چار سو
فلما قدم طلحۃ بن عبید اللہ	تھے، جس وقت طلحہؓ اور زبیرؓ بصرہ آئے
والزبیر بن العوام البصرۃ، وعلیھا	وہاں کے امیر علیؓ کی طرف سے عثمان بن
من قبل علی بن ابی طالب عثمان بن	حنیف انصاریؓ تھے، ان سیابجہ نے
حنیف الانصاری، ابوا ان یسلموا	حضرت علیؓ کے آنے تک خزانہ ان کے
بیت المال الی قدوم علی رضی اللہ	حوالہ کرنے سے انکار کر دیا، اس پر
عنہ فاتوھم فی السحر فقتلوھم	عبد اللہ بن زبیرؓ ایک جماعت لے کر
وکان عبد اللہ بن الزبیر المتولی	سحر میں آئے اور ان سب کو قتل کر دیا
لامرھم فی جماعۃ تسرعوا الیھم معہ،	اس وقت ان کے سربراہ ابو سالمہ زطی
وکان علی السیابجۃ یومئذ ابو سلمۃ	نام کے ان ہی کے ایک نیک و صالح
الزطی وکان رجلاً صالحاً۔[1]	آدمی تھے۔

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۹ ؎

مسعودیؒ نے مروج الذہب میں ان مقتولوں کی تعداد ستر بتائی ہے اور لکھا ہے کہ جب لوگوں نے بصرہ کے بیت المال پر قبضہ کرنا چاہا تو اس کے محافظ و نگراں جو سیابجہ تھے آڑے آئے تو زخمی ہونے والوں کے علاوہ ان میں سے ستر آدمیوں کو قتل کر دیا گیا، ان ستر مقتولوں میں سے پچاس کو گرفتار کر کے ان کی گردنیں ماردی گئیں۔

وھولاء اول من قُتِلَ ظلماً فی الاسلام وصبراً[1]	یہ لوگ پہلے مقتول ہیں جو اسلامی دور میں ظلم و زیادتی کے ساتھ باندھ کر قتل کیے گئے۔

ان چالیس یا ستر یا چار سو ہندی نو مسلموں کے قتل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ نہ صرف حضرت علیؓ کے ہمنوا اور طرفدار ہوئے بلکہ بنو امیہ کے مخالفین میں شامل ہو کر خروج و شورش میں مصروف ہو گئے، اور ان کی سیاست کا رخ یوں بدلا کہ اس حادثہ کے بعد ہی جنگِ جمل ہوئی اور حضرت علیؓ فاتحانہ انداز میں بصرہ میں داخل ہوئے تو جاٹوں اور سیابجہ کے ستر آدمیوں کا ایک نمائندہ وفد ان سے ملا، اور اپنی عقیدت و محبّت کا یوں مظاہرہ کیا۔

وفی حدیث علی انہ لما فرغ من قتال اھل البصرۃ اتاہ سبعون رجلا من الزط فکلموہ بلسانھم فقالوا العنھم اللہ، بل انت، انت[2]	حضرت علیؓ کے واقعہ میں ہے کہ جب اہل بصرہ سے قتال کے بعد بصرہ آئے تو ان کے پاس ستر جاٹوں نے آکر اپنی زبان میں بات چیت کی اور کہا کہ آپ کے مخالفوں پر اللہ کی لعنت ہو، جو کچھ ہیں صرف آپ ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہؓ اور ان کے طرفداروں سے ان کی بددلی اور حضرت علیؓ اور ان کے ہمنواؤں سے ان کی عقیدت بڑھتی رہی، پھر بھی انہوں نے ان دونوں حضرات کے مشاجرات و محاربات میں حصّہ نہیں لیا، بلکہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے، چنانچہ واقعہ جمل کے ایک سال بعد صفر ۳۷ھ میں جنگ صفین ہوئی مگر انہوں نے حصّہ نہیں لیا

[1] مروج الذہب، ج ۲ ص ۳۶۷، [2] مجمع البحرین، مادہ زط۔

بالآخر یوم مسعود (سنہ ھ) اور یوم زبدہ (سنہ ھ) میں کھل کر سامنے آگئے اور جب ابن اشعث نے (۸۱ھ تا ۸۵ھ) حجاج بن یوسف اور عبدالملک بن مروان کے خلاف بصرہ کے قرار و علمار کو لے کر خروج کیا اور خلافت کی فوجوں سے باقاعدہ جنگ تو یہ نومسلم ہندوستانی کھل کر ابن اشعث کے ساتھ نکلے اور اموی فوجوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے" مگر اس تحریک کی ناکامی کے نتیجہ میں ان کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، حجاج نے ان کو سزا دی، ان کے مکانات گرادیئے اور ان کے سرکاری وظائف یہ کہہ کر بند کر دیئے کہ:۔

کان فی شرطکم ان لا تعینوا بعضنا علی بعض[1]	تمہاری ایک شرط یہ بھی تھی کہ تم لوگ ہمارے جھگڑے میں کسی کی مدد نہیں کرو گے۔

حالانکہ ان کی شرط یہ بھی تھی کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ہم پر حملہ کرے گی تو مسلمان ہماری مدد کرینگے اور ان کے باہمی جھگڑوں سے ہمیں سروکار نہ ہوگا، مگر خود عربوں کی طرف سے ان کی شرط پوری نہیں کی گئی اور حجاج جس اموی خلافت کا وفادار حاکم تھا، اسکے ابتدائی معاملات میں ایک جماعت نے انکی ایک جماعت کو قتل کر دیا اور کسی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھی اپنی شرط کے خلاف اپنی حفاظت کی سیاست اختیار کی، اور خلافت راشدہ کے یہ عقیدت مند خدام اموی دور میں مقابل بن کر سامنے آئے، اور حجاج نے ان کو خطا کار اور بدعہد قرار دے کر ان کے ساتھ اور بھی زیادتی کی، اور دوسری عجمی قوموں کے ساتھ سندھ کے جاٹوں کو ان کے بال بچوں اور سمیت بصرہ سے جلاوطن کر کے مقام کسکر نشیبی علاقوں میں بھیجدیا، جہاں انکی اچھی خاصی جمعیت ہوگئی، پھر ان ہی ایام میں عرب کے غلاموں اور بنو باہلہ کے موالی کی ایک جماعت بھاگ کر ان جاٹوں سے مل گئی، نیز محمد بن سلیمان بن علی کے غلام بھی بھاگ کر یہیں آگئے اور ان سب نے مل کر حکومت و خلافت کیخلاف اقدام شروع کر دیا تجارتی جہازوں اور ساما نوں پر ڈاکہ زنی کی، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اموی اور عباسی دور کی مخالف تحریکوں میں یہ بھی ایک زبردست باغیانہ تحریک ہے، اور بڑی مشکل سے خلیفہ عباسی معتصم کے زمانہ میں فوجی طاقت کے ذریعہ انکی طاقت توڑی جا سکی جیسا کہ بعد میں اس کی تفصیلات آئیں گی۔

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۷۔

(۸)

ہندوستان میں صحابہ و تابعین

صحابی و تابعی کی تعریف۔

محدثین اور علمائے طبقات و رجال نے صحابی کی مختلف تعریفیں کی ہیں، اور ان کے مطابق دورِ نبوی کے مسلمانوں کو صحابی یا غیر صحابی مانا ہے، بعض حضرات کے نزدیک صحابیت کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف لقاء کافی ہے، اور بعض حضرات اس کے لیے رویت اور روایت دونوں باتیں ضروری قرار دیتے ہیں، اسی اختلاف کی وجہ سے اس دور کے بعض بزرگوں کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، کوئی ان کو صحابی بتاتا ہے اور کوئی ان کی صحابیت کا انکار کرتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ کے مقدمہ میں صحابی کی یہ تعریف کی ہے، اور اسی کو اصح و جامع بتایا ہے۔

والصحابی من لَقِیَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مومنا بہ ومات علی الاسلام، فید خل فی من لقیہ، من طالت مجالسہ او قصرت، ومن روی عنہ اولم یرو، ومن غزا معہ اولم یغز، ومن راٰہ رویۃ ولو لم یجالسہ، ومن لم یرہ لعارض کالعمی۔	صحابی وہ شخص ہے جس نے بحالت ایمان رسول اللہؐ سے ملاقات کی ہو، اور اسلام ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو، اس تعریف میں وہ شخص بھی داخل ہو جاتا ہے جس نے آپ سے ملاقات کی ہے، اسے ہم نشینی زیادہ نصیب ہوئی یا کم، آپ سے روایت کی یا نہیں، آپ کی معیت میں جہاد کیا یا نہیں، اور آپ کو ایک نظر دیکھ لیا اگرچہ آپ کے ساتھ ہم نشینی نہ کی ہو، اور کسی وجہ سے آپ کو نہ دیکھا ہو جیسے اندھا پن۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کے ان لڑکوں کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے اور وصال نبوی کے وقت سن شعور کو نہیں پہونچے تھے، کیونکہ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو ان کی پیدائش کے موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لاتے تھے، اور آپ ان کی تحنیک فرماتے تھے یعنی کھجور وغیرہ اپنے دہن مبارک میں چبا کر بچہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالتے تھے، نام رکھتے اور اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے، احادیث میں اس قسم کے واقعات بہ کثرت مذکور ہیں۔ اس لیے صحابہ کرام کے جو بچے حیات نبوی میں پیدا ہوئے ان کے بارے میں ظن غالب ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا ہے اور وہ بھی صحابہ میں شامل ہو گئے[1]

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے صحابی کی پہچان کے لیے ایک ضابطہ بنایا ہے جو تین آثار و قرائن پر مشتمل ہے، ان میں سے کسی شخص کے بارے میں اگر کوئی قرینہ پایا جائے تو اسے صحابی تسلیم کیا جائے گا۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ مغازی میں صرف صحابہ امیر مقرر کیے جاتے تھے، اور جو شخص ایام ردت اور فتوحات کے اخبار و واقعات کا تتبع کرے گا اسے ایسے حضرات کی بڑی تعداد ملے گی، امام بخاری نے کتاب الفتن میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ آئیگا کہ لوگ جہاد کریں گے اور کہا جائے گا کہ تم لوگوں میں کوئی صحابی رسول ہے؟ تو اثبات میں جواب دیا جائے گا اور اس صحابی کی وجہ سے فتح حاصل ہوگی، اس زمانہ کے بعد لوگ جہاد کریں گے تو کہا جائے گا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت پائی ہو؟ تو اثبات میں جواب دیا جائے گا اور اس تابعی کی وجہ سے فتح حاصل ہوگی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حسب روایت حاکم صحابہ کرام کے یہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے اور آپ اس کے حق میں دعا فرماتے

---

[1] مقدمہ اصابہ ج ۱ ص ۷۔

تھے، ایسے لوگ صغار صحابہ اور احداثِ صحابہ ہیں۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ۱۰ھ میں مکہ اور طائف میں کوئی ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان ہو کر حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو۔ اس اصول وضابطہ کی رو سے اس دور کے امرا، فتوحات، عہد رسالت میں پیدا ہونے والے، اور مکہ وطائف کے باشندے صحابی مانے جائیں گے۔

امام ابوزرعہؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار ایسے صحابہ دنیا میں موجود تھے جن سے احادیث کی روایت کی گئی ہے، اور جنہوں نے آپ سے سماع کیا ہے، ان میں سے ستر ہزار صحابہ آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک تھے، اور چالیس ہزار صحابہ حجۃ الوداع میں حاضر تھے، یہ تو ایک اندازہ ہے، اور صحابہ کی تعداد کا صحیح علم کیسے ممکن ہے جب کہ وہ حضرات مختلف بلاد وقریات اور بوادی میں متفرق ومنتشر تھے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری دور میں ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ آج جو لوگ تم میں سے روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی سو سال کے بعد باقی نہیں رہے گا، مکہ مکرمہ میں سب سے آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ ہیں جن کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا، اور ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ عمرؓ ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ، بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ شام میں حضرت عبداللہ بن بسر، مصر میں حضرت عبداللہ بن حارثؓ دمشق میں حضرت واثلہ بن اسقع یمامہ میں حضرت ہرماسؓ جزیرہ میں حضرت عرس بن عمیرہؓ افریقہ میں حضرت رویفع بن ثابتؓ اور بادیہ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم سب صحابہ کے آخر میں فوت ہوئے ہیں، اور ان تمام حضرات میں سب سے آخر میں حضرت عامر بن واثلہ فوت ہوئے ہیں، ان کے بعد دنیا صحابہ کے وجود باوجود سے خالی ہو گئی اور حضرت عامر بن واثلہ سے پہلے حضرت انس بن مالک کی وفات ہوئی، ابن صلاح نے

۱؎ اصابہ، ج ۱ ص ۱۰

مقدمہ میں لکھا ہے کہ موسیٰ سیلانی رحؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے علاوہ کوئی صحابی رسول باقی ہے یا نہیں ؟ تو فرمایا کہ ہاں کچھ لوگ اعراب میں سے رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، البتہ آپ کی صحبت اٹھانے والا کوئی باقی نہیں رہا۔[1]

عہد رسالت میں کچھ حضرات مخضرم اور مُدرک کہے جاتے تھے۔ مخضرم وہ مسلمان ہے جس نے زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ رسالت پایا ہو مگر اسے صحابیت کا شرف حاصل نہ ہو۔ اور مُدرک وہ مسلمان ہے جس نے عہد رسالت پایا ہو، اور اسی عہد میں مسلمان ہوا ہو یا اس کے بعد اسلام لایا ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد حضرات تابعین کا دور آیا، تابعی وہ مسلمان ہے جس نے کسی صحابی رسول کی صحبت اٹھائی ہو، اور ایک قول ہے کہ کسی صحابی سے ملاقات کی ہو، تابعین میں مخضرم اور مدرک بھی ہیں، سب سے آخری تابعی حضرت خلف بن خلیفہ رحؒ ہیں، جن کا انتقال ۱۸۱ھ میں ہوا، ان کے بعد دنیا تابعین سے خالی ہوگئی[2] ابن حبان نے لکھا ہے کہ حضرت اسید بن ابی اسید رحؒ مشہور تابعی ہیں، ان کا انتقال ابوجعفر منصور کی خلافت میں ہوا۔[3]

تبع تابعین میں وہ مسلمان داخل ہیں جس نے کسی تابعی کی صحبت اٹھائی ہو یا ملاقات کی ہو، حافظ ابن حجر رحؒ نے فتح الباری میں مختلف مقامات میں لکھا ہے کہ ائمۂ اسلام کا اتفاق ہے کہ جن اتباع تابعین کے اقوال و اخبار قبول کیے جاتے تھے، ان میں سے بعض ۲۲۰ھ تک دنیا میں رہے ہیں۔[4]

صحابہ اور تابعین کی آمد کا اجمالی بیان | امام ابن ابی حاتم رازی رحؒ نے کتاب الجرح والتعدیل

---

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۴۶ ، [2] فتح المغیث ص ۳۹۶ ، [3] اصابہ ج ۱ ص ۱۲۶
[4] فتح الباری ج ۷ ص ۷۔

کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف اطراف اور امصار و ثغور میں فتوحات و مغازی اور امارات و قضاء کے سلسلے میں پھیلے، اور ان میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کی، اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری کیا، سنت کی روشنی میں مسلمانوں کے معاملات و مسائل کو حل کیا، اور حسن نیت کے ساتھ فرائض، احکام، سنن، حلال و حرام وغیرہ کی تعلیم دی، ان حضرات کے بعد حضرات تابعین رحمہم اللہ کا دور آیا، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے حدود و فرائض اوامر و نواہی، احکام و سنن کی تعلیم و تبلیغ کی توفیق سے نوازا تھا، انہوں نے صحابہ سے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کر کے ان ہی کی طرح پوری دنیائے اسلام میں اسلامی علوم کی اشاعت کی، ان کے بعد حضرات اتباع تابعین نے تابعین سے تعلیم پا کر اپنے پیش رو صحابہ و تابعین کے مانند کتاب و سنت اور فقہ کو عام کیا۔[1]

چنانچہ عہد فاروقی میں سندھ اور ہندوستان کے حدود و اطراف میں صحابہ و تابعین اور اتباع تابعین کی آمد ہوئی اور ان کی تشریف آوری کا سلسلہ عباسی دور کی ابتدا تک جاری رہا، اور ان تینوں طبقوں کے انفاس گرم نے اس ملک کی فضا میں دین و ایمان کی حرارت پیدا کی، امام ابن کثیر نے محمد بن قاسم کی سندھ اور ہندوستان میں فتوحات سے پہلے یہاں صحابہ کے آنے کی تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی کے زمانہ میں صحابہ نے ان اطراف (ثغور ہند) کے اکثر حصہ کو فتح کیا، اور شام، مصر، عراق، یمن، اوائل ترکستان کے وسیع و عریض اقالیم میں پہنچے، نیز یہ حضرات ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب اور اوائل ہند میں داخل ہوئے۔[2]

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت ہندوستان میں غزوات و فتوحات اور قضاء و امارات کے سلسلہ میں آئی، اور چونکہ اس دور میں یہاں کی فتوحات جنوبی فارس کی فتوحات کے ضمن میں ہوتی تھیں اس لیے یہ فیصلہ مشکل ہے کہ عجم کی فتوحات میں شریک

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۹، [2] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۸۸۔

ہونے والے صحابہ میں سے کون کون حضرات حدود ہند میں آئے' البتہ کتابوں میں جن کے ناموں کی تصریح موجود ہے ان کا یہاں آنا یقینی ہے' اور ہم نے ایسے ہی صحابہ کو ان میں شمار کیا ہے جو اس زمانہ میں سندھ و ہند اور ان کے حدود میں آئے ہیں' اگرچہ بعد میں وہ حدود موجودہ افغانستان یا ایران اور پاکستان میں شمار ہونے لگیں' ان حضرات میں عام طور سے اصاغر صحابہ اور احداث صحابہ تھے' جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے اور ان کے والدین انہیں خدمت نبوی میں لائے اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی' نیز ان کے ساتھ اکابر تابعین تھے جنہوں نے اجلہ صحابہ کی مدتوں صحبت اٹھائی تھی۔

چونکہ صحابی کی تعریف کے بارے میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے' اور عام تعریف کے مقابلہ میں کچھ محدثین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت کے ساتھ روایت کو ضروری قرار دیا ہے اس لیے ہم نے یہاں آنے والے بعض صحابہ کے بارے میں اختلاف کو بھی نقل کر دیا ہے' ابن اثیرؒ نے اسد الغابہ میں حضرت حارث بن سوید تمیمیؓ کے حال میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کے اسماء و احوال کے ذکر میں واجب ہے کہ ان کے بارے میں علماء کے تمام مخالف و موافق حالات بیان کر دیے' تاکہ یہ گمان نہ ہو کہ اختلافات کا علم نہ ہو سکا یا ان کو چھوڑ دیا اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ تمام اقوال و آراء کو نقل کر کے صحیح و صواب قول کو ظاہر کرے۔

اگرچہ ہندوستان کی فتوحات و امارات میں عام طور سے اصاغر صحابہ اور احداث صحابہ تشریف لائے' مگر ان میں متعدد حضرات بڑے مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ اور جماعت صحابہ میں ان کو عزت و شہرت حاصل تھی چنانچہ حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بہتر صحابی تھے۔

حضرت حکم بن عمرو ثعلبیؓ کا صحابیت میں یہ مقام ہے کہ جب تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زندہ رہے آپ کی صحبت میں پڑے رہے' حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان

اشرافِ صحابہ اور وجوہ انصار میں شمار ہوتے تھے، اور علماء نے ان کو صحابی جلیل بتایا ہے اسی طرح دوسرے صحابہ کرام مختلف امتیازات وخصوصیات کے مالک تھے، جیسا کہ اپنی جگہ مذکور ہے، ان حضرات میں قریشی، انصاری، ثقفی، عبدی، تمیمی، مذحجی ہذلی، غفاری اشجعی سلمی، قشیری، سامی وغیرہ سب ہی شامل ہیں جو اپنے اپنے قبائل کے نمائندے کی حیثیت سے یہاں آئے تھے، یہاں آنے والے صحابہ میں سے صرف سترہ حضرات کے ناموں کی تصریح مل سکی ہے، جن میں دو حضرات خلافت راشدہ کے بعد تشریف لائے ہیں، حضرت سنان بن سلمہ ہذلیؓ حضرت معاویہؓ کے دور میں، اور منذر بن جارود عبدیؓ یزید کے زمانہ میں آئے، ان بزرگوں میں صرف حضرت منذر جارودؓ کے بارے میں متفقہ بیان ہے کہ آپ یہاں پر ساٹھ سال کی عمر میں ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں فوت ہوئے،

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکران کے علاقہ میں تشریف لائے تھے، مگر عربی کتب تواریخ ورجال کے مستند ماخذوں سے اس کی تصدیق تاہنوز نہیں ہوسکی ہے۔ اس لیے یہاں ان کا تذکرہ اس حیثیت سے نہیں کیا جاسکا۔

عہد فاروقی میں جو حضرات غزوات وفتوحات میں آئے وہ عام طور سے طبقۂ مدرکین سے تھے یعنی انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے۔ البتہ ان کے صحابی ہونے میں احتمال کی گنجائش ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں حضرت ثابت بن طریف مرادیؓ کے حال میں تصریح کی ہے۔

والذین شهدوا الفتوح فی عهد عمرؓ لهم ادراك لكن منهم من له صحبة ومنهم من لم يصحب۔

جو مجاہدین حضرت عمرؓ کے دور میں فتوحات میں شریک تھے، وہ مدرک ہیں، البتہ ان میں سے کچھ صحابی ہیں اور کچھ صحابی نہیں ہیں۔

اس کلیہ کی رو سے اس دور میں جو حضرات یہاں تشریف لائے ان میں اکثر یا تو

صحابی رسول تھے یا پھر وہ عہد رسالت میں موجود تھے، ان کے علاوہ حضرات کبار تابعین بھی آئے

وہ قبائل اور مقامات جن کے صحابہ و تابعین یہاں آئے

خلافت راشدہ میں ہندوستان میں اسلامی غزوات و فتوحات کی سرگرمی کم و بیش بیس سال تک جاری رہی، اگر ہم عہد فاروقی کے ابتدائی تین حملوں کو ۱۵ھ یا ۱۶ھ میں تسلیم کرلیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ تک کل مدت بیس سال ہوتی ہے جو خلافت راشدہ میں اسلامی فتوحات کے شباب کا زمانہ ہے، اس مدت میں مسلمانوں نے اس ملک میں بارہ تیرہ غزوات و فتوحات کیں، اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین حملوں کے علاوہ تمام حملے باقاعدہ حربی اور فوجی عدّت و عدّت اور ساز و سامان اور سپاہیوں کے ساتھ تھے، جن میں زیادہ تر بحرین و عمان کے قبائل بنو عبدالقیس، بنو بکر بن وائل، بنو تمیم، بنو ازد، بنو ناجیہ اور طائف کے بنو ثقیف کے مجاہدین شریک تھے، یہ تمام قبائل اتفاق سے آخری دور رسالت میں اسلام لائے تھے، اور بنو ثقیف کے علاوہ ارتداد کی ہوا نے بڑی حد تک ابتدا میں ان کے پیر اکھاڑ دیئے تھے، مگر عہد صدیقی کی روشنی نے بہت جلد ان کو راہ راست پر لا کر کھڑا کر دیا، یہ تمام قبائل قدیم زمانہ سے بداوت و خشونت اور جفاکشی کی زندگی کے عادی تھے، اور بنو ثقیف کے علاوہ ان سب کے بلاد و دیار ایران ہندوستان کے سواحل سے قریب تھے اس لیے ان دونوں ملکوں سے ان کے گوناگوں تعلقات قائم و دائم تھے، خاص طور سے بنو عبدالقیس اس بارے میں بہت آگے تھے، اور ایران سے گزر کر ہندوستان بلکہ سرندیپ تک ان کی آمد و رفت رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے ان کے آدمی یہاں کے جغرافیائی اور طبعی حالات سے واقف تھے، یہی وجہ ہے کہ اسی قبیلہ کے دو بزرگوں نے خلافت راشدہ میں یہاں آکر دربار خلافت کو معلومات بہم پہنچائیں اور حضرت صحار عبدی رضؓ نے حضرت عمرؓ کو اور حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؓ نے حضرت عثمانؓ کو یہاں کے حالات و کوائف فوجی نقطۂ نظر سے بتائے، اسی طرح بنو تمیم کا وطن ایران سے متصل علاقہ

میں تھا، اور ان کے تعلقات بھی ایران اور ہندوستان سے بہت قدیم تھے؛

بحرین کے بادیہ اور صحرا میں بنو عبد القیس اور بنو بکر بن وائل کثیر تعداد میں آباد تھے، عہد رسالت میں ایران کی کسرائی حکومت کی طرف سے ان کے حاکم منذر بن ساوی تھے، جو نامۂ نبوی پاکر اسلام لائے، اور اسی سے متصل عمان میں بنو ازد کا غلبہ تھا جن کے حاکم عبید بن جلندی اور جیفر بن جلندی تھے، یہ دونوں حضرات بھی نامۂ نبوی پڑھ کر مسلمان ہوئے، ان امراء و حکام کے اسلام کے بعد ۸ھ میں بحرین و عمان کے یہ قبائل مسلمان ہو گئے، بنو عبد القیس کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا شاندار استقبال فرمایا اسی طرح بنو ازد کا وفد بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمیؓ کو ان کے پاس شریعت کی تعلیم اور زکوۃ کی وصولی کے لیے معلم و امیر بنا کر بھیجا، بنو تمیم کا وفد ۹ھ میں اپنے اعیان و اشراف کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوا، اور ارکان وفد اسی موقع پر مسلمان ہوئے، ان کے دیار و بلاد ایران سے متصل تھے اور یہ لوگ ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، بنو ازد کی طرح بنو ناجیہ بھی عمان میں رہتے تھے، یہ بھی آخری دور رسالت میں اسلام لائے اور ان کے ایک وفد نے مکہ اور مدینہ کے درمیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی طائف کے بنو ثقیف آخری وقت تک اسلام کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ آخر فتح مکہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا، اور رمضان ۹ھ میں خدمت نبوی میں حاضر ہو کر یوں سچے پکے مسلمان ہوئے کہ ارتداد کے طوفان میں بھی ان کے یقین و ایمان کے چراغ جلتے تھے، ان قبائل کے علاوہ مکہ مکرمہ کے مہاجر اور مدینہ منورہ کے انصار اور عرب کے دیگر قبائل کے مجاہدین بھی ہندوستان کے غزوات و فتوحات میں شریک ہوتے تھے، البتہ خلافت راشدہ میں فارس اور ہندوستان کی مہمات میں مذکورہ قبائل زیادہ تھے؛

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جب حضرت عمرؓ نے پہلی بار قندابیل کے بارے میں

معلومات چاہیں تو ان کو بتایا گیا کہ یہاں پر فوج کشی میں طرح طرح کی مشکلات ہیں اگر فوج زیادہ ہوگی تو غذائی قلت و نایابی کی وجہ سے بھوکوں مر جائے گی اور اگر کم ہوگی تو دشمنوں کی نذر ہو جائے گی' اس کے بعد صحار عبدی نے مکران کے بارے میں یہی خبر دی' اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکیم بن جبلہ عبدی کو مستقل طور سے یہاں بھیج کر معلومات حاصل کیں تو حکیم بن جبلہ نے بھی یہی بات کہی' اس لیے ابتداء میں ان معلومات کی روشنی میں خلافت کی طرف سے نہ اتنی زیادہ فوج بھیجی جاتی رہی ہوگی کہ بھوک سے مر جائے اور نہ اتنی کم ہوتی رہی ہوگی کہ یہاں کے جنگ باز ان کو ختم کر دیں' البتہ بعد میں حسب ضرورت زیادہ سے زیادہ فوج آتی تھی جو اپنے ساتھ ہر قسم کے سامان خورد و نوش رکھتی تھی اور حرب و ضرب کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی تھی' چنانچہ ۲۳ھ میں حضرت حکم بن عمرو ثعلبیؓ نے اپنی پوری فوج لے کر مکران پر حملہ کیا تو ان کی مدد کے لیے جنگ کرمان کے امیر دلاور بردار حضرت سہل بن عدیؓ کے علاوہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اور شہاب بن مخارق بھی اپنے اپنے فوجی دستوں کے ساتھ جنگ مکران میں شریک ہوئے' اس جنگ میں بصرہ کے معسکر کی فوجیں شریک تھیں مگر حضرت عمرؓ نے کوفہ کے معسکر سے بھی فوجیں امراء کی قیادت میں روانہ کیں' حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کوفہ کی فوج لے کر غزوہ کرمان میں سہل بن عدی کی مدد کے لیے گئے' اور فتح مکران کے بعد یہ دونوں امراء اپنی فوجوں کو لے کر حکم بن عمرو ثعلبی کی مدد کے لیے مکران آ گئے اور یہاں کی اسلامی فوج کو تین طرف سے مدد پہونچائی گئی' اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ کے دور میں مکران و سندھ پر بھرپور فوج کشی ہوئی اور شاندار فتوحات نے اسلامی فوجوں کا استقبال کیا' اور حضرت علیؓ کے آخری دور خلافت میں حارث بن مرہ عبدی نے بہت بھاری جمعیت کے ساتھ قندابیل' قیقان وغیرہ کو فتح کیا حتیٰ کہ ایک دن میں ایک ہزار قیدیوں کو اپنی فوج میں تقسیم کیا۔

الغرض خلافت راشدہ میں یہاں بارہ غزوات ہوئے ہیں جن میں اسلامی فوج

کے ہمراہ کئی ہزار صحابہ اور تابعین تشریف لائے۔ گر چند حضرات کے علاوہ تاریخوں میں ان کے نام کی تصریح نہیں ملتی ہے، پھر چونکہ اس زمانہ تک عام طور سے سندھ و مکران کی مہمات فارس، سجستان اور خراسان ہی کی مہمات کے ضمن میں ہوتی تھیں اس لیے ان ممالک کے مجاہدین بھی یہاں کی مہمات میں شریک ہوتے تھے، مگر یہاں کے غزوات میں ان کے ناموں کی تصریح نہیں ملتی ہے، اور ہم ایسے مجاہدین کی ہندوستان میں آمد کو دلائل سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں حالانکہ ان کا یہاں آنا اور غزوات و فتوحات میں شریک ہونا اقرب الی القیاس ہے!

یہ حضرات ۲۳ھ کے بعد سے ۳۵ھ تک عام طور سے مدینہ منورہ کے دارالخلافہ کی ہدایت و رہنمائی میں یہاں آتے رہے، اور ان کے اموال غنیمت اور موالی وغیرہ کی تقسیم بھی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی!

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت حکیم بن ابوالعاصی ثقفی رض

حضرت حکم بن ابوالعاصی بن بشر بن عبد دھمان بن عبد اللہ بن ابان بن یسار بن مالک بن حطیط بن جشم بن قسی ثقفی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعثمان یا ابوعبد الملک ہے، مشہور صحابی حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی کے بھائی اور خود بھی صحابی ہیں، ۹ھ میں بنو ثقیف کے ساتھ اسلام لائے، ابن سعد، ابن اثیر اور ابن حجر سب نے ان کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے، معاملہ فہم حوصلہ مند اور دور اندیش تھے، ملکی اور سیاسی امور میں پوری بصیرت رکھتے تھے، ۱۵ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم کے بڑے بھائی عثمان بن ابوالعاصی کو طائف کی امارت سے بلاکر بحرین اور عمان کا امیر و حاکم بنایا تو عثمان نے حکم کو اپنی صوابدید سے بحرین میں مقرر کیا اور انہوں نے اپنے بھائی عثمان کی امارت کے زمانے میں ایران

اور عراق میں بہت سی شاندار فتوحات حاصل کیں، خاص طور سے ۱۹ھ اور ۲۰ھ میں بہت زیادہ مجاہدانہ خدمات انجام دیں، عثمان نے ان کو بحرین کے حالات درست ہونے کے بعد فارس اور توج کی مہمات پر روانہ کیا، اس سلسلہ میں انہوں نے تھانہ، بھروچ اور بکران میں جہاد کر کے فتوحات حاصل کیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔

حضرت حکم صرف اچھے امیر و مجاہد اور مدبر ہی نہیں تھے بلکہ احادیث اور دینی علوم سے بھی حصۂ وافر کے مالک تھے، اور بصرہ کے مشہور علماء و محدثین میں شمار کیے جاتے تھے، ان سے مرفوع احادیث مروی ہیں، مگر بعض محدثین کے نزدیک ان کی احادیث مرسل ہیں حضرت عمرؓ اور اپنے بھائی عثمانؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے معاویہ بن قرہ نے روایت کی ہے، ۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے معزول ہو کر اپنے بھائی عثمان بن ابو العاصی کے ساتھ بصرہ میں شطِ عثمان میں حکمان نامی علاقہ میں مکان بنایا اور وہیں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا، عثمان بن ابو العاصی کی اولاد کی طرح حکم بن ابو العاصی کی اولاد بصرہ کے اعیان و اشراف میں شمار ہوتی تھی، اور بہت بعد تک جاہ و جلال کی مالک رہی، حضرت حکم کے مفصل حالات ہماری کتاب "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں، ان کے بھائی حضرت عثمان اور حضرت مغیرہ کے تذکرے بعد میں آرہے ہیں۔[1]

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاریؓ

حضرت حکم بن عمرو بن مجدع بن حزیم بن حارث بن نعلیہ ثعلبہ بن ملیک بن ضمرہ بن بکر بن

---

[1] ان کے مزید حالات کے لیے ملاحظہ ہو جمہرۃ انساب العرب ص۲۶۶، طبقات ابن سعد ج ۷ ص۱۱ و ج ۵ ص۵۰۹، استیعاب بذیل الاصابہ ج ۱ ص۳۰۵، اسد الغابہ ج ۲ ص۳۵، اصابہ ج ۲ ص۲۸، تاریخ کبیر امام بخاری ج ۲ قسم ۱ ص۲۳۹، فتوح البلدان ص۴۰۰ و ص۴۳۰، کتاب الثقات ص۳۹، تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص۴۰، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص۱۱، معجم البلدان ج ۳ ص۱۸۴، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص۱۴۵، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص۱۲۳ و ص۱۳۴۔

عبد مناۃ بن کنانہ ثعلبی غفاری رضی اللہ عنہ، جلیل القدر صحابی اور صفِ اوّل کے امراء و فاتحین میں سے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حکم بن عمرو مستقل طور سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتے تھے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو مدینہ سے بصرہ چلے گئے، اور وہیں بود و باش اختیار کر لی' امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حکم بن عمرو ثعلبی جلیل القدر صحابی رسول ہیں، تاریخ یعقوبی میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر زیاد بن ابوسفیان کو لکھا کہ تمہارے یہاں حکم بن عمرو غفاری نام کے ایک صحابی ہیں تم ان کو خراسان کا حاکم بناؤ، چنانچہ زیاد بن ابوسفیان نے آپ کو ۴۷ھ میں خراسان کا امیر و حاکم بنایا' اور آپ نے وہاں پہونچتے ہی جہاد کی تیاری شروع کی' اور ہرات و جوزجان نیز خراسان کے اور بہت سے بلاد و امصار فتح ہوئے، اور مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا'

بلاذری نے لکھا ہے کہ حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ نہایت متقی اور پرہیزگار صحابی تھے' ان کی خراسان کی امارت کا واقعہ یہ ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے اپنے دربان خیل کو حکم دیا کہ حکم کو میرے پاس لاؤ، وہ حکم بن ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہ کو بلانا چاہتا تھا، مگر خیل دربان حکم بن عمرو غفاری کو ساتھ لایا، زیاد نے ان کو دیکھ کر نہایت خوشی اور نیک فالی کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت نیک صحابی ہیں ان سے خیر و برکت کی امید ہے، چنانچہ ان کو خراسان کا امیر بنایا، یہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے علاقہ ماوراء النہر میں سب سے پہلے نماز ادا کی ہے' اور وہیں ۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

جب زیاد بن ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ آپ کے ہاتھوں خراسان میں زبردست فتوحات ہو رہی ہیں تو آپ کے پاس خط لکھا کہ امیر المومنین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ مال غنیمت میں سے سونا اور چاندی ان کے لیے مخصوص کر دیا جائے' اس لیے سونا چاندی اسلامی فوج میں مالِ غنیمت کے ساتھ تقسیم نہ کیا جائے' اس خط کے جواب میں حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابوسفیان کو لکھا کہ تم لکھتے ہو کہ امیر المومنین نے ایسا ایسا لکھا ہے' اور میں

امیرالمومنین کے تحریری حکمنامہ سے پہلے اللہ کی کتاب پا چکا ہوں جس میں مال غنیمت کی تقسیم کا حکم اور طریقہ بتایا گیا ہے، تم نے جو کچھ لکھا ہے مجھ سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا، اس کے بعد آپ نے بحیثیت امیر لشکر کے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت سونا چاندی سمیت حسب حکم شرعی تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت حکم بن عمرؓ متعدد احادیثِ رسول کے راوی بھی ہیں، اور آپ سے حسن بصریؒ محمد بن سیرینؒ عبداللہ بن صامت، ابوالشعثار، دلجہ بن قیس، ابو حاجب سوادہ بن عاصمؒ اور جابر بن زید وغیرہ نے روایت کی ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریدہ اور حضرت حکم بن عمرو غفاری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

انتما عینان لاھل المشرق۔ تم دونوں اہل مشرق کے لیے دو آنکھ ہو۔

چنانچہ یہ دونوں حضرات مشرق یعنی مرو اور خراسان میں مجاہد و فاتح بن کر تشریف لائے اور اسی علاقہ میں فوت ہوئے، حضرت حکم بن عمروؓ نے ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں خراسان میں وصال فرمایا، اور جیسا کہ معلوم ہوا ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے آپ کو لوا رمکران دے کر یہاں کے لیے بھیجا تھا اور مکران آپ کے ہاتھ پر فتح ہوا تاریخ و رجال کی کتابوں میں عام طور سے آپ کی نسبت ثعلبی لکھی ہے، جو غلط ہے، اور صحیح ثعلبی ہے جو ثعلبہ ثعلبہ کی طرف منسوب ہے اور آپ ثعلبی اور غفاری دونوں نسبتوں کے ساتھ مشہور ہیں[۱]

حضرت خریّت بن راشد ناجی سامیؓ

حضرت خریت بن راشد رضی اللہ عنہ عمان کے قبیلہ بنو سامہ کی شاخ بنو ناجیہ سے ہیں

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص۱۸۶، طبقات ابن سعد ج ۷ ص۱۲ و ص۲۹، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص۲۴۵ اسد الغابہ ج ۱ ص۱۸۹، وج ۲ ص۳۶ و ص۳۷، اصابہ ج ۱ ص۳۴۶، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۴۷، کتاب المحبر ص۲۹۵ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص۲۶۳، فتوح البلدان ص۴۰۲، تاریخ طبری ج ۴ ص۱۸۱ و ص۱۸۳، استیعاب بذیل الاصابہ ج ۱ ص۳۱۳ و ص۳۱۴، کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص۲۳۳۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں اور ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں تصریح کی ہے کہ خرّیت بن راشد نے بنو سامہ بن لوئی کے وفد کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف پایا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کی باتوں کو غور سے سنا اور اہل قریش سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہاری قوم قریش سے ہیں، یہ سن کر اہلِ قریش نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔

حضرت خرّیت نے خلافتِ صدیقی میں جب ارتداد کی وبا پھوٹ پڑی تھی، بنو ناجیہ کے امیر و سردار بن کر اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جہاد کیا اور قتالِ مرتدین میں نمایاں طور پر شرکت کی خلافت عثمانی میں عبداللہ بن عامرؓ نے ان کو فارس کے ایک علاقہ کا امیر بنایا تھا، بعد میں حضرت علیؓ کے طرفداروں میں شامل ہو گئے تھے، مگر واقعہ تحکیم کے بعد ان کے مخالفین میں ہو گئے اور جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے طرفدار بن کر قبیلہ مضر کے امیر رہے، ایک روایت کے مطابق خرّیت نے واقعہ تحکیم کے بعد اپنی قوم کے ساتھ حضرت علیؓ کے خلاف طاقت جمع کر لی، حضرت علیؓ نے مقابلہ کے لیے زیاد بن خصفہ کی قیادت میں فوج روانہ کی اور جنگ کے بعد خرّیتؓ کے بہت سے ساتھی زیاد بن خصفہ کے ساتھ ہو گئے اور خرّیت شکست کے بعد قتل کر دیئے گئے، ایک قول ہے کہ خرّیت واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علیؓ سے الگ ہو کر بلادِ فارس کی طرف چلے گئے، اور امام امیر ابن ماکولا نے الاکمال میں تصریح کی ہے کہ جب خرّیت نے مخالفت کی راہ اختیار کی تو حضرت علیؓ کے حکم سے معقل بن قیس ریاحی نے ان کا تعاقب کر کے مقابلہ کیا اور شکست دی، اس کے بعد وہ مکران چلے گئے، خرّیت بن راشدؓ کے ایک بھائی منجاب بن راشد ناجی سامی تھے، جو عہد فاروقی فارس کے ایک علاقہ کے امیر تھے، دونوں بھائی تشاجراتِ صحابہ میں عثمانی الفکر تھے، واقعہ تحکیم ۳۷ھ میں ہوا تھا اس کے بعد ہی حضرت خرّیتؓ حضرت علیؓ کے مخالف ہو کر مکران آئے ہوں گے[1]

---

[1] استیعاب ج ۱ ص ۵۳-۱۵۲، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۱۰، اصابہ ج ۲ ص ۲۲۴-۲۲۳، الاکمال ج ۲ ص ۴۳۲

حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ مذحجیؓ

حضرت ربیع بن زیاد بن انس بن یزید الدیان بن قطن بن زیاد بن حارث بن مالک بن کعب بن حارث کعب بن عمرو بن علہ بن جلد بن مالک بن ادو حارثیؓ مذحجی رضی اللہ عنہ قبیلہ مذحج کی شاخ بنی حارث بن کعب سے ہیں، نہایت نیک، متواضع اور بزرگ صحابی ہیں، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم لوگ مجھے ایسے انسان کو بتاؤ جو امیر ہو کر عوام میں یوں رِلا مِلا رہے جیسے امیر نہیں ہے۔ اور جب امیر نہ ہو تو ان میں یوں رہے جیسے امیر ہے، لوگوں نے متفقہ طور سے کہا کہ ہمارے علم میں ربیع بن زیاد حارثیؓ کے علاوہ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی، حضرت ربیع گورے رنگ اور ہلکے بدن کے آدمی تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ گندمی، منہ چوڑا اور قد لمبا تھا!

۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت ربیعؓ کو ایران کی ایک مہم کا امیر بنا کر روانہ کیا جس میں ان کو فتح حاصل ہوئی، اس جنگ میں آپ کے بھائی حضرت مہاجرین زیاد حارثیؓ نے بحالت روزہ اللہ تعالیٰ سے اپنی جان خریدنے کا ارادہ کیا، جب ربیع بن زیادؓ کو بھائی کے اس ارادہ کی خبر گئی تو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے اس کا تذکرہ کیا جو اسلامی لشکر کے افسر اعلیٰ تھے، اور انہوں نے فوراً فوج میں اعلان کرایا کہ جو سپاہی آج روزہ ہو میں بحیثیت امیر کے کہتا ہوں کہ وہ روزہ توڑدے، امیر لشکر کا حکم سنتے ہی حضرت مہاجرین زیادؓ نے بھی روزہ توڑ دیا، اس کے بعد میدان جنگ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر بن کریزؓ والی عراق نے خراسان پر فوج کشی کی، اور کرمان کے علاقہ شیرجان میں پڑاؤ ڈال کر حضرت ربیع بن زیادؓ کو سجستان کی مہم پر امیر بنا کر روانہ کیا، آپ نے فہرج، زالق، کرکویہ، ہیسون، زرنگ، ہندمند، دشت ناشروز، شراوذد، ستارود وغیرہ کو فتح کیا، اور ان فتوحات میں دو سال تک سرگرم رہے

جب کہ خراسان میں آپ کی مدت ولایت کل ڈھائی سال ہے، اس مدت میں آپ کے میر منشی حضرت امام حسن بصریؒ تھے ربیع بن زیاد کو سجستان کی فتوحات میں چالیس ہزار جنگی قیدی ہاتھ آئے، ان کے بعد عبداللہ بن عامر نے بنو حارث بن کعب کے ایک آدمی کو سجستان کا امیر و حاکم بنایا جس میں حضرت ربیعؓ جیسا تدبر اور حوصلہ نہیں تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ کابل کے راجہ نے طاقت جمع کر کے وہاں سے تمام مسلمانوں کو نکال دیا، دوسری طرف راجہ رتبیل نے زابلستان اور رُخج پر قبضہ کر کے بست تک کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس صورت حال سے نبٹنے کے لیے پھر حضرت ربیع بن زیادؓ کے عزم و تدبیر کی ضرورت پڑی چنانچہ ۳۶ھ میں آپ ان سرکش راجوں کے مقابلہ کے لیے نکلے، اور بست میں آتے ہی راجہ رتبیل سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی، وہ رخج کی طرف بھاگا، آپ نے اس کا تعاقب کر کے پھر شکست دی۔ اسی زمانہ میں حضرت ربیع بن زیاد نے بلادِ داور کو بھی فتح کیا، اس کے بعد زیاد بن ابو سفیان نے ان کی جگہ عبیداللہ بن ابو بکرہ کو سجستان کا حاکم بنایا۔ ۵۱ھ میں ربیع تیسری بار خراسان کی امارت پر آئے، اس بار ان کے ساتھ کوفہ اور بصرہ کے تقریباً پچاس ہزار آدمی مع اہل و عیال کے نکلے اور خراسان میں مستقل طور سے آباد ہو گئے۔

حضرت ربیع اگرچہ گورنرِ عراق زیاد بن ابو سفیان کے ماتحت امیر تھے، مگر شدید ضرورت کے علاوہ اس کو کبھی خط نہیں لکھتے تھے۔

حضرت سنان بن سلمہ ہذلیؓ

حضرت سنان بن محبق۔ صخر۔ بن عبید بن حارث ہذلی رضی اللہ عنہ قبیلہ و الیغز بن لحیان بن ہذیل سے ہیں، کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے، ابو جبیر اور ابو بشر بھی بتائی جاتی ہے، فتح مکہ کے دن پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام سنان رکھا جیسا کہ ابن عبدالبر ذہبی اور ابن اثیر نے لکھا ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد

غزوۂ حنین کے موقع پر پیدا ہوئے، اثنائے جنگ میں جب سلمہ بن محبق کو بچہ کی پیدائش کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا:-

لسنانٌ اطعن بہ فی سبیل اللہ — جس نیزہ سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہوں

احبّ الیّ منہ - — وہ اس بچہ سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا یہ حوصلہ مندانہ جملہ سنا تو بچہ کا نام سنان تجویز فرمایا، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحنیک بھی فرمائی ہے یعنی آپ نے کھجور چبا کر اپنے لعابِ مبارک سے ان کو شیریں دہن فرمایا ہے۔

ابن سعد نے سنان بن سلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ہم چند بچے مدینہ کے کھجور کے باغات میں گری ہوئی کھجوریں جن کو خلال کہتے ہیں چن رہے تھے کہ حضرت عمر کسی طرف سے آگئے، سب لڑکے ان کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے، مگر میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ آپ نے مجھے پکڑ لیا، میں نے کہا کہ امیر المومنین! یہ کھجوریں ہوا کے جھونکے کی وجہ سے گر گئی تھیں، آپ نے کہا کہ تم دکھاؤ، میں ان کو دیکھ کر سمجھوں گا کہ کیسی ہیں؟ پھر آپ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو، اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! جن لڑکوں کو آپ نے دیکھا ہے، وہ سب میری کھجوریں چھین لیں گے، یہ سن کر حضرت عمرؓ میرے ساتھ چلے یہاں تک کہ مجھے محفوظ جگہ پہونچا دیا۔

تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی شجاعت اور بہادری کو نمایاں طور سے بیان کیا ہے، ۷۱ھ میں عبد اللہ بن زبیر کے گورنر مصعب بصرہ سے عبد الملک بن مروان سے لڑنے کے لیے نکلے تو انہوں نے سنان بن سلمہ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ:-

ماانت بأدسخ فتکون فارساً، ولا — آپ نہ جم کر لڑنے والے ہیں کہ شہسوار ہوں۔

بعظیم الراس فتکون سیّداً - — اور نہ آپ کا سر بڑا ہے کہ سردار ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ آپ میں یہ علامتیں نہیں پائی جاتیں پھر بھی آپ شہسوار و سردار ہیں۔

جو علمار صحابیت کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ سنان کو طبقہ صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں اور جو لوگ اس کے لیے صرف رویت کافی سمجھتے ہیں وہ ان کو صحابی مانتے ہیں۔ چنانچہ ابوزرعہ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ صحابی نہیں ہیں مگر عہد رسالت میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور بعض علمار نے کہا ہے کہ سنان کو رویت حاصل ہے البتہ سماع حدیث حاصل نہیں ہے، مگر ابن حبان اور دوسرے محدثین نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے کیونکہ اکثر محدثین کے اصول کی رو سے ان کی صحابیت ثابت ہے، سنان نے اپنے والد سلمہ بن محبق، اور حضرت عمرؓ، اور حضرت ابن عباس سے مرسل احادیث کی روایت کی ہے، اور ان سے سلم بن جنادہ، معاذ بن سعوہ، ابو عبد الصمد جلیب نے روایت کی ہے، سنان سے حضرت قتادہ کی روایت کردہ احادیث مدلس ہیں۔

حضرت سنان کئی بار ہندوستان میں امیر مقرر کیے گئے، بڑے فاضل اور خدا پرست بزرگ تھے، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ سنان سب سے پہلے ۴۲ھ میں راشد بن عمرو جدیدی کی شہادت کے بعد غزوۂ ہند کے امیر بنائے گئے، پھر ۴۹ھ میں حضرت عبداللہ بن سوار عبدی کی شہادت کے بعد یہاں کے امیر ہوئے حضرت معاویہ نے زیاد بن ابوسفیان کو لکھا کہ تم ایسے آدمی کی تلاش کرو جو عبداللہ بن سوار عبدی کی جگہ پر ہندوستان میں امیر بننے کے لائق ہو ساتھ ہی حضرت معاویہ نے سنان کو زیاد کے پاس روانہ کیا چنانچہ زیاد نے ان کو یہاں روانہ کیا، بعد میں سنان بحرین کے امیر و حاکم بنائے گئے۔ ان کے صاحبزادے موسیٰ بن سنان ملتان کی فتح میں محمد بن قاسم کے ساتھ تھے، خلیفہ نے سنان کی وفات ۹۵ھ میں اور ابن کثیر نے ۹۰ھ میں بعہد حجاج بن یوسف بیان کی ہے[۱]۔

البتہ حکومت و امارت کے امور و معاملات میں بوقت ضرورت خط و کتابت کرتے تھے،

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص ، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ، تجرید اسمار الصحابہ ج ص ، اسد الغابہ ج ص ، تہذیب التہذیب ج ص ، عیون الاخبار ج ص ، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۵۱، البدایۃ والنہایہ ج ص ،

آپ نے حضرت عمرؓ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے مطرف بن شخیر، اور حفصہ بنت سیرین نے روایت کی ہے، محدثین کے نزدیک حضرت ربیع کی کوئی مسند حدیث نہیں ہے، آپ کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ ۵۳ھ میں امیر معاویہؓ نے حجر بن عدی کندی کو قتل کرایا جب حضرت ربیع کو اس کی خبر لگی تو دعا کی کہ اے اللہ! اگر ربیع کے حق میں تیرے یہاں خیر ہے تو اب دنیا سے اسے اٹھالے، جس مجلس میں آپ نے یہ دعا کی تھی، اسی میں وصال فرمایا۔

حضرت مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفی کے دیبل پر فوج کشی کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت ربیع بن زیاد کو مکران اور کرمان میں شہسواروں کے دستے کا امیر بنا کر روانہ کیا تھا، نیز آپ نے حدود سندھ یعنی بلاد داور میں جہاد فرمایا ہے[1]۔

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاریؓ

حضرت سہل بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ بن عوف بن خزرج خزرجی انصاریؓ جلیل القدر صحابی ہیں، حضرت سہل بن عدیؓ، حضرت ثابت بن عدیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عدیؓ تینوں بھائی غزوۂ احد میں شریک تھے، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سہل بن عدیؓ غزوۂ بدر میں بھی موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم عراق حضرت ابوموسیٰ اشعری کو خصوصیت سے لکھا کہ وہ سہل بن عدیؓ کو امیر بنائیں، ۲۳ھ میں جب فارس کے مختلف بلاد پر منظم طور سے بحری حملے کئے گئے تو لوا کرمان حضرت سہلؓ کو دیا گیا، اور انہوں نے کرمان فتح کرنے کے بعد مکران کی جنگ میں اپنی فوجوں کو لے کر حضرت حکم بن عمرو ثعلبیؓ کی مدد کی، نیز اسی سال بلوچستان کو فتح کیا، تاریخ و رجال کی کتابوں میں عام طور سے ان کا نام سہیل بن عدی لکھا ہے

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص۳۱۷، طبقات ابن سعد ج ۶ ص۱۶۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ا ص۱۲۷ و ص۱۹۷ و ص۲۲۳ ص۲۲۷ و ص۲۲۸ و ص۵۰۵، اسد الغابہ ج ۳ ص۱۶۴، شذرات الذہب ج ا ص۵۵، ——— فتوح البلدان ص۳۸۵ و ص۴۰۰، چچ نامہ ص۷۳۔

مگر صحیح سہل بن عدی ہے۔

خلیفہ بن خیاط نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت سہل بن عدی انصاری جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، حالانکہ تمام مورخوں نے ان کی امارت وغیرہ کا تذکرہ عہد فاروقی میں کیا ہے، نیز خلیفہ نے ان کو اوس کے بنو عبد الاشہل میں شمار کیا ہے جبکہ عام مورخوں نے ان کے خزرجی ہونے کی تصریح کی ہے[1]

حضرت صحار بن عباس عبدیؓ

حضرت صحار بن عباس بن شراحیل بن منقذ بن حارثہ عبدی دیلی رضی اللہ عنہ بحرین کے قبیلہ بنو عبد القیس کی شاخ بنو ظفر بن دیل بن عمرو بن ودیعہ بن لکیز بن افصی بن عبد القیس سے ہیں، باپ کا نام عیاش اور صخر بھی بتایا گیا ہے، کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ صحار عبدی نے عبد القیس کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ پھلوں سے شراب تیار کرتے ہیں، اس کے متعلق آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تین بار یہ سوال کیا اور ہر بار رسول اللہؐ نے چہرۂ مبارک دوسری طرف پھیر لیا، اور اس وقت کوئی جواب نہیں دیا، پھر نماز کا وقت ہو گیا آپ نے نماز کے بعد دریافت کیا کہ کس نے نشہ آور چیز کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تھا، مسکر چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھتے ہو؟ تم نہ خود اسے پیو اور نہ اپنے کسی بھائی کو پلاؤ، خدا کی قسم جو شخص اسے مستی اور لذت کے لیے استعمال کرے گا اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اسے شراب پینے پلانے کا عذاب دے گا، صحار بڑے نیک، عابد اور عالم و فاضل آدمی تھے، نہایت فصیح و بلیغ حاضر جواب اور زبان آور خطیب و مقرر تھے، اور ان صفات میں خاص شہرت کے مالک

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص۳۶۸، اصابہ ج ۲ ص۸۵، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص۲۴۵، تاریخ طبری ج ۴ ص۱۸۱، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص۹۲۔

تھے، علم الانساب کے بھی زبردست عالم تھے، ابن ندیم نے ان کی کتاب الامثال کا ذکر کیا ہے، رنگ سرخ تھا اور آنکھیں ارزق یعنی کربجی تھیں، ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ازراہِ تفنن و تفریح ان کو ارزق کہہ کر پکارا تو فوراً جواب دیا کہ ارزق باز ہوتا ہے جو پرندوں پر جھپٹتا ہے، پھر حضرت معاویہ نے احمر کہہ کر پکارا تو فوراً جواب دیا کہ احمر سونا ہوتا ہے، نیز ایک بار حضرت معاویہ نے ان سے فصاحت و بلاغت کی حقیقت و ماہیت دریافت کی تو فی البدیہہ نہایت جامع و مانع جواب دیا، مشاجراتِ صحابہ میں عثمانی الفکر تھے، اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ احنف بن قیس نے ہرات فتح کر کے صحار عبدی کو وہاں اپنا نائب مقرر کیا تھا، اور ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ صحار عبدی صحابی، اور حدیث کے راوی ہیں، انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین حدیثیں روایت کی ہیں، اور ان سے ان کے دونوں صاحبزادے عبدالرحمن بن صحار اور جعفر بن صحار کے علاوہ منصور بن ابی منصور نے بھی روایت کی ہے۔

۲۳ھ میں فتح مکران میں شریک تھے اور حضرت حکم بن عمرو ثعلبیؓ نے ان ہی کے ذریعہ فتح کی بشارت بھیجی تھی اور حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کے حالات دریافت کئے تھے جس کا جواب انہوں نے نہایت فصیح و بلیغ اور پُر از معلومات انداز میں دیا تھا۔[1]

حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ

حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ مشہور صحابی حضرت قعقاع بن عمرو تمیمیؓ کے بھائی ہیں، امام

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۶۲، استیعاب ج ۱ ص ۱۹۳، کتاب المحبر ص ۲۹۴، کتاب المعارف ص ۱۴۹، کتاب الفہرست ص ۱۳۲، عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۶۲، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۱، اصابہ ج ۲ ص ۲۷۰، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۷، تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۹ و ص ۱۹۳۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ عاصم صحابہ میں سے ہیں، حافظ ابن حجر نے سیف بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ جب ۱۷ھ میں حضرت سہل بن عدی کے زیر اہتمام عجم کے مختلف ممالک میں جہاد کے لیے امراء اور ان کے لواء متعین کیے گئے تو عاصم بن عمرو تمیمی کو بحستان میں جہاد کا لواء دیا گیا اور وہ صحابی ہیں البتہ ابن عبدالبر نے دونوں بھائیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک ان کی صحابیت، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لقاء و روایت ثابت نہیں ہے، کیونکہ بعض محدثین کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت اور آپ سے روایت شرط ہے۔

ان دونوں بھائیوں نے جنگ قادسیہ میں عظیم الشان کارنامے انجام دئے ہیں؛ اور عاصم رضؓ نے عراق اور اس سے متعلقہ فتوحات کے سلسلہ میں بہت سے اشعار کہے ہیں، ۲۳ھ میں عاصم بن عمرو رضؓ نے سجستان میں فتوحات کیں اور اسی کے ضمن میں سندھ سے متصل علاقوں کو بھی فتح کیا[۱]

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری رضؓ

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ بڑے صاحب رعب وداب اور بہادر صحابی ہیں، قبیلہ انصار کی شاخ بنی حبلی کے حلیف ہیں، پورے قبیلہ میں معزز و محترم مانے جاتے تھے، ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ صحابی ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلعم سے احادیث کی روایت کی ہے، ان کی قابلیت وصلاحیت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کو لکھا کہ تم عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضؓ کو مقام نصیبین کا امیر و حاکم بناؤ، ایک مرتبہ حضرت سعد بن وقاص رضؓ کوفہ کی امارت کے زمانہ میں حضرت عمر رضؓ کے پاس گئے تو عبداللہ رضؓ کو اپنا نائب مقرر کیا، اور جب حضرت عمر رضؓ نے ان کو کوفہ

---

[۱] استیعاب ج ۳ ص ۱۲۵، اصابہ ج ۲ ص ۲۳۸ و ج ۳ ص ۲۳، تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۹

کی امارت سے معزول کیا تو ابتداءً میں ان کی جگہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، پھر زیاد بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کو یہاں کی امارت دی گر انہوں نے جلد ہی استعفا پیش کر دیا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر ہوئے۔

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اصفہان کی فوجی مہم کا امیر بنایا، اس جنگ میں انہوں نے فتح پائی اور مقامی حاکم کو قتل کر کے وہاں کے لوگوں سے صلح کی، اس وقت مقدمۃ الجیش کے امیر بدیل بن ورقا ریاحی تھے۔ انہوں نے فتح اصفہان کے بعد مقام جیّ پر فوج کشی کی تو مقامی باشندوں نے چند شرائط کے ساتھ صلح کر لی، یہ صلح نامہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن علبان نے لکھا تھا جس میں دو نمایاں شرطیں یہ تھیں، ایک یہ کہ مقامی باشندے خلافت کو خراج اور جزیہ دیں گے، اور دوسری یہ کہ ان کے پاس جو جنگی اسلحہ ہیں ان پر مسلمان قبضہ کریں گے، اور وہ اپنے جان اور مال میں ہر طرح مامون و محفوظ رہیں گے۔
امام ذہبی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ نے اصفہان میں قیام کیا اور وہیں سکونت اختیار کی، آپ ۲۳ھ میں فتح مکران کے موقع پر امیر لشکر حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے اپنی فوج لے کر آئے تھے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے اپنے قبیلہ سے آ کر مدینہ منورہ میں قیام کر لیا تھا۔
محدثین کے نزدیک ان کا شمار علمائے مدینہ میں ہے، ابن ابی حاتم رازی نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، فتن کے باب میں ان کی یہ

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ صـ ۱۹۹، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ صـ ۳۲۱، اصابہ ج ۲، صـ ۳۲۸، تاریخ طبری ج ۴ صـ ۱۸۱ و صـ ۱۸۲ و صـ ۱۸۳۔

حدیث مشہور ہے:۔

عن عبد اللہ بن عمیر الا شجعی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا خرج علیکم خارج وانتم مع رجل جمیعًا یرید ان یشق عصا المسلمین ویفرق جمعھم فاقتلوہ۔	میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم کسی ایک شخص پر متحد متفق ہو جاؤ، اس کے بعد کوئی دعوید ار نکل کر مسلمانوں میں اختلاف کرنا اور ان کی طاقت توڑنا چاہتا ہے تو تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر دو۔

بعض روایات میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے۔

واللہ ما سمعتہ استثنیٰ احدًا۔	حضرت عبد اللہ بن عمیر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسے کسی شخص کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے نہیں سنا۔

سنہ ۲۳ھ کی منظم فوجی مہمات میں عبد اللہ بن عمیر نے شاندار خدمات انجام دی ہیں، غزوۂ سجستان میں عاصم بن عمرو تمیمی رضؓ کے ساتھ تھے، اسی سلسلہ میں سندھ کے علاقوں میں فتوحات حاصل کیں، تاریخ طبری میں بعض مقامات پر "عبد اللہ بن عمرو" درج ہے، مگر صحیح "عبد اللہ بن عمیر" ہے[1]

حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ قرشی رضؓ

حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی عبشمی رضؓ کی والدہ اروٰی بنت ابو فرعہ حارثہ بن قیس بن اعیار بن مالک بن علقمہ کنانیہ ہیں، اور کنیت ابو سعید ہے، زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبد الکعبہ یا عبد کلال تھا، فتح مکہ کے وقت اسلام لائے تو

---

[1] استیعاب ج ۲ صفحہ ۳۵۳، اصابہ ج ۲ صفحہ ۳۴۶، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ صفحہ ۳۲۶ تاریخ طبری، ج ۴ صفحہ ۱۸۱، البدایہ والنہایہ، ج ۷ صفحہ ۱۳۲

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر عبدالرحمن رکھا، جلیل صحابی اور کابل و سجستان کے فاتح ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے ہیں، ان کی مرویات میں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

یا عبد الرحمٰن بن سمرۃ	اے عبدالرحمن بن سمرہ تم امارت وحکومت
لا تسأل الامارۃ، فانك	کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر طلب کرنے کے
اِن اعطیتھا عن مسئلۃ وکلتَ	بعد تم کو امارت ملی تو تم پر لاد دی جائے گی،
الیھا، وان اعطیتھا عن غیر	اور بغیر سوال وطلب کے تم کو امارت ملے گی
مسئلۃ اُعِنتَ علیھا واذا حلفتَ	تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، اور اگر
علی امرٍ و رأیتَ غیرہ	تم کسی بات کی قسم کھالو اور اس کے علاوہ
خیراً منہ فکفّر عن یمینك وأتِ	چیز کو اس سے بہتر سمجھو تو اس اچھے کام کو
الذی ھو خیر۔	کرو، اور اپنی سابقہ قسم کا کفارہ دیدو،

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے اور اس کے بعد سے رسول اللہ صلعم کی خدمت وصحبت میں رہے اور احادیث کی روایت کی، بڑے متواضع اور بزرگ صحابی ہیں، آخری دور میں بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں ایک شاندار قلعہ نما مکان تعمیر کرایا جس کے اندر ایک مسجد تھی، تواضع اور فروتنی کا حال یہ تھا کہ جس دن بارش ہوتی ٹوپی پہنے اور ہاتھ میں پھاوڑا لے کر راستہ کی صفائی کرتے تھے، پوری زندگی گویا جہاد و فتوحات میں بسر کی، حضرت عثمان کے زمانہ میں خراسان کابل اور سجستان میں شاندار فتوحات حاصل کیں، ۴۲ھ میں عبداللہ بن عامر نے آپ کو دوبارہ سجستان میں غزوہ کے لیے روانہ کیا، اب کی بار ان کے ساتھ دیگر کئی مشہور و معزز افراد کے علاوہ حضرت امام حسن بصری بھی تھے، الغرض عبدالرحمن بن سمرہؓ متعدد بار خراسان و سجستان کی فوجی مہمات کے امیر بن کر آئے،

اور ان ممالک میں شاندار فتوحات حاصل کیں، اسی سلسلہ میں ہندوستان کے علاقوں کو بھی فتح کیا، آخری دور میں بصرہ میں آباد ہوگئے جس محلہ میں رہتے تھے وہ سکۂ ابن سمرہ کے نام سے مشہور تھا، بصرہ ہی میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں انتقال فرمایا، آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے حضرت عبداللہ بن عباس، امام حسن بصری، محمد بن سیرین، عمار بن ابو عمار، سعید بن مسیب، قتاب بن عمیر، حصان بن کاہل، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، اور ابولبید وغیرہ نے روایت کی ہے[1]

حضرت عبیداللہ بن معمر قرشی تیمیؓ

حضرت عبیداللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قرشی تیمی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کی کنیت ابو معاذ ہے، علمائے مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کی مشہور روایت یہ ہے۔

ما اعطی اللہُ اھل بیت	جس گھرانے کو اللہ تعالےٰ نے نرمی دی اس
الرفق الا نفعھم، ولامنعہ	کو اس سے فائدہ پہونچا اور جسے اس سے محروم
إلا ضرھم۔	کیا وہ نقصان میں رہا۔

آپ کا شمار اصاغر صحابہ میں ہے، آپ نے عجم کی فتوحات میں شاندار خدمات انجام دی ہیں حتیٰ کہ اسی راہ میں ۲۹ھ میں اصطخر میں شہید ہوگئے اس وقت عبداللہ بن عامرؓ کی فوج کے مقدمۃ الجیش کے امیر تھے، عبیداللہ عہد عثمانی کے مشہور شہ سوار تھے، ان کے صاحبزادے عمر بن عبیداللہ بھی باپ کی طرح مشہور امیر و شہ سوار رو اور جواد ہیں[2]

---

[1] کتاب المعارف ص ۱۳۲، استیعاب ج ۲ ص ۲۹۴، اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۹۷ و ص ۲۹۸[2]

اصابہ ج ۲ ص ۴۱۳، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۶۸ و ص ۱۹۷ و ص ۲۳۷ و ص ۲۳۸ و ص ۲۴۳ و ص ۲۴۸

سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، فتوح البلدان ص ۲۸۸۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۲۹ھ میں عبید اللہ بن معمر کو کران کی مہم کا امیر بنا کر بھیجا جہاں انہوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں، پھر وہاں سے ہٹا کر فارس کے امیرِ لشکر بنائے گئے، فارس کی امارت کے زمانہ میں آپ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو لکھا کہ ہم مسلمان اس علاقہ میں پورے امن و سکون کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمیں دشمن کا کوئی ڈر نہیں ہے، اسی امن و امان میں ہم یہاں سات سال سے رہ رہے ہیں اور یہاں پر ہمارے لڑکے بچے پیدا ہوگئے ہیں ان حالات میں ہم اپنی نمازیں کتنی پڑھیں، قصر کریں، یا پوری نماز پڑھیں؟ اس کے جواب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ آپ لوگوں پر اب بھی دو رکعات یعنی نماز قصر ہی واجب ہے"۔ ۲۹ھ میں جب عبید اللہ بن معمر فتح کران سے فارغ ہو کر اصطخر گئے، مقامی باشندوں نے خروج و بغاوت اور بدعہدی کی راہ اختیار کی اور طاقت جمع کر کے عبید اللہ بن معمر سے مقابلہ کیا، ابھی یہ باغی شہر کے باہر ہی تھے کہ اسلامی فوج نے باہر آکر اس کا مقابلہ کیا اور شہر پناہ کے دروازوں پر سخت جنگ ہوئی، اسی میں آپ شہید ہوگئے، اور اسلامی فوج کو شکست ہوگئی، جب امیرِ عراق عبد اللہ بن عامرؓ کو اس حادثہ فاجعہ کی خبر لگی تو جہاد کے لیے اعلانِ عام کر کے خود ایک لشکر جرار لے کر اصطخر کا رخ کیا اس فوج کے ہراول دستہ کے امیر عثمان بن ابو العاصی ثقفی تھے، اصطخر پہونچ کر ایرانیوں سے سخت معرکہ آرائی ہوئی بہت سے ایرانی سپاہی کام آئے، اور آخر میں بڑی ذلت و خواری کے ساتھ مطیع ہوئے، حضرت عبید اللہ بن معمر اصطخر کے دلکشا باغ "بستان رامجرد" میں دفن کیے گئے، وصال ۲۹ھ کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی، اس حساب سے وصال نبوی کے وقت کم از کم دس سال کے رہے ہوں گے"۔

آپ کی اولاد میں بڑے نامی گرامی افراد گزرے ہیں۔

(۱) عمر بن عبید اللہ ایران کے مشہور شہسوار ہیں، انہوں نے اپنے زمانہ میں سندھ کے شہر ارائبل کو فتح کیا ہے۔

(۲) محمد بن عبید اللہ کو خوارج نے قتل کیا تھا،

(۳) موسیٰ بن عبید اللہ (۴) معاذ بن عبید اللہ

اور معاذ بن عبید اللہ کے نام پر عبید اللہ کی کنیت ابو معاذ تھی، جمعہ کے خطبہ میں سب سے پہلے عبید اللہ بن معمر نے دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے،

ان کے پڑپوتے جعفر بن طلحہ بن عمر بن عبید اللہ کی ایک بہت بڑی جاگیر اور زمینداری بصرہ میں ام العیال کے نام سے تھی یہاں پر ایک چشمہ تھا جس پر جعفر بن طلحہ نے اسی ہزار دینار خرچ کیا تھا، اور اس کے باغات اور پھلوں سے سالانہ چار ہزار دینار کی آمدنی ہوتی تھی، یہ چشمہ بیس ہزار سے زیادہ کھجور کے درختوں کو سیراب کرتا تھا حضرت عبید اللہ بن معمر سے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے حدیث کی روایت کی ہے[۱]

حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفیؓ

حضرت عثمان بن ابو العاصی بن بشر بن عبد دہمان بن عبد اللہ بن ہمام بن ابان بن یسار بن مالک بن حطیط بن جشم بن قسی (ثقیف) ثقفی رضی اللہ عنہ قبیلہ ثقیف کی شاخ بنو مالک سے ہیں، والدہ کا نام فاطمہ بنت عبد اللہ بن ربیعہ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، حضرت عثمان کئی بھائی تھے جن میں سے عثمان، حکم اور مغیرہ نے عہد فاروقی میں ہندوستان میں سب سے پہلے جہاد کیا ہے، عثمان اپنے بھائیوں میں سب سے بہتر صحابی ہیں، رمضان ۹ھ میں طائف کے وفد کے ساتھ ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہو کر اسلام لائے، اور مدینہ منورہ کے دوران قیام میں اس قدر زیادہ قرآن کی آیتیں

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۴۰، استیعاب ج ۲ ص ۴۲۵، اسد الغابہ، ج ۳ ص ۳۴۵، تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۴ و ص ۲۶۵ و ص ۲۶۶، فتوح البلدان ص ۳۸۲ اصابہ ج ۲ ص ۴۳۲، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۹۵،

یاد کرلیں اور دینی مسائل معلوم کرلیے کہ باوجود ارکان وفد میں سب سے چھوٹے ہونے کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو اہلِ طائف کا امام و حاکم مقرر فرمایا، اس زمانہ سے لے کر عہد فاروقی میں ۱۵ھ تک اسی مقام اور اسی منصب پر رہے، عہدِ صدیقی میں ارتداد کی وبا سارے عرب میں پھوٹ پڑی تھی مگر عثمان بن ابو العاصی نے اپنی ایمانی حرارت سے کام لے کر نہ صرف اہلِ طائف کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا بلکہ قتالِ مرتدین میں اپنے آدمیوں سے بھر پور مدد کی، جب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بحرین اور عمان جیسے مرکزِ خلافت سے دور اور شورش پسند علاقوں میں امارت و حکومت کے لیے ہوشیار اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت پڑی اور حضرت عمر نے محضرِ صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو تمام حضرات نے متفقہ طور پر عثمان بن ابو العاصی کا نام پیش کیا مگر رسول اللہؐ کے مقرر کردہ امیر کو ہٹانا مناسب نہیں تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ کسی آدمی کو اپنا نائب مقرر کر کے مدینہ آئیں چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی حکم کو اپنا جانشین بنایا اور جب حضرت عمر نے ان کو بحرین و عمان کا حاکم و امیر مقرر کیا تو اپنے بھائی حکم کو بلا کر بحرین میں اپنا نائب بنایا، دو سال تک دونوں بھائیوں نے بحرین و عمان کے حالات درست کر کے ایران کی فتوحات کی طرف توجہ کی، اور بحرین کے قریب ایران کے تَوّج نامی مرکزی مقام کو فتح کر کے اسے فوجی مرکز بنایا یہاں بنو عبد القیس وغیرہ قبائل کو آباد کر کے مسجدیں تعمیر کیں اور مسلمانوں کی آبادی قائم کی، پھر دونوں بھائیوں نے اسی فوجی چھاؤنی سے ایران اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر فوج کشی کی اور فتوحات و غنائم حاصل کئے۔

حضرت عثمان ۱۵ھ کے بعد سے ایران میں غزوات و فتوحات کے امیر رہے اور شاندار خدمات انجام دیں مگر ۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے فوجی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرلی، حضرت عثمان نے ان کو بصرہ کا ایک بڑا علاقہ

جاگیر کے طور پر دیا جہاں وہ اور ان کے تمام بھائی مستقل سکونت پذیر ہو گئے، اس علاقہ کا نام شط عثمان تھا اور اس میں ہر بھائی کے نام کا الگ الگ خطہ تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں آنے کے بعد سب بھائیوں اور ان کی اولاد کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور عزت و شرافت اور شہرت و نیک نامی کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا، عثمان نے بصرہ میں ۵۵ھ یا ۵۱ھ میں انتقال کیا، نہایت نیک اور خدا ترس صحابی ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث کی روایت کی ہے، آپ سے روایت کرنے والوں میں بھائی حکم بن ابو العاصی، بھتیجے یزید بن حکم بن ابو العاصی اور غلام ابو الحکم کے علاوہ یہ حضرات شامل ہیں، امام حسن بصری، سعید بن مسیب، موسیٰ بن طلحہ بن عبد اللہ، نافع بن جبیر بن مطعم، ابو العلاء بن عبید اللہ بن شخیر، محمد بن عیاض، محمد بن سیرین، عبد الرحمٰن بن جوشن غطفانی، ان تمام حضرات میں امام حسن بصری اپنے شیخ کے علوم و معارف کے سب سے زیادہ ناشر و داعی ہیں۔ حضرت عثمان بن ابو العاصی ثقفی رضؓ نے ایک مرتبہ اپنے لڑکوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

یا بُنَیَّ! اِنّی قد امجد تکم فی امہاتکم، واحسنتُ مہنۃ اموالکم، وانی ما جالستُ فی ظل رجل من ثقیف اشتمَ عِرضہٗ والناکح مغترس فلینظر امرؤ منکم حیث یضع عرسہ فالعرق السوء قلما ینجب ولو بعد حین۔	اے میرے بیٹو! میں نے تم لوگوں کو ماؤں کی طرف سے مجد و شرافت دی ہے، اور تمہارے لیے نہایت اچھے طریقہ سے مال جمع کیا ہے۔ اور کسی ایسے ثقفی آدمی کے سایہ میں بھی نہیں بیٹھا جسے میں نے برا بھلا کہا ہو۔ اور شادی کرنے والا پودا لگانے والا ہے، لہٰذا تم دیکھ کر پودا لگانا، اور برا نسبی تعلق بہت کم شریف اولاد دیتا ہے، اور مدت کے بعد بھی اس کے برے اثرات کام کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ کے سامنے ایک شخص نے ان باتوں کو نقل کیا تو آپ نے

غلام سے فرمایا کہ یہ باتیں لکھ لو۔

حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی اور ان کے بھائیوں کے مفصل حالات ہماری کتاب " اسلامی ہند کی عظمت رفتہ " میں " بنو ابی العاصی ثقفی " کے ذیل میں درج ہیں [1]۔

حضرت عمیر بن عثمان بن سعدؓ

حضرت عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ عہد عثمانی ۔ ۲۹ھ میں فارس اور مکران کے امیر و حاکم تھے تاریخ طبری میں ۲۹ھ کے واقعات میں ہے ۔

امر عثمان بن عفان عمیر بن عثمان	حضرت عثمانؓ نے عمیر بن عثمان بن سعد
بن سعد علی خراسان فاثخن	کو خراسان کا امیر بنایا تو انہوں نے خراسان
فیھا حتی بلغ فرغانہ (الی	سے فرغانہ تک کے تمام علاقے فتح کئے'
ان قال) ثم دعا عثمان فی	پھر حضرت عثمان نے ۲۹ھ میں نئے
سنۃ تسع وعشرین عبد اللہ	انتظام کے ماتحت عبد اللہ بن عامر
بن عامر بن کریز وامرہ علی	بن کریز کو بصرہ کا حاکم بنا کر اور عبید اللہ
البصرۃ، وصرف عبید اللہ	بن معمر کو مکران سے ہٹا کر فارس کی
بن معمر عن مکران الی فارس واستعمل	امارت پر روانہ کیا اور ان کی جگہ مکران
علی عملہ فی مکران عمیر بن عثمان بن سعد۔	میں عمیر بن عثمان بن سعد کو متعین کیا'

تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں متعدد مقامات پر یہ نام اسی طرح آیا ہے ' مگر مجھے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۰۸ و ص ۵۰۹' جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶' تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۱۹ و ص ۳۲۳' اُسد الغابہ ج ۳ ص ۳۷۳ ' اصابہ ج ۴ ص ۲۲۱ ' سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۳۸ و ص ۵۳۹ ۔ فتوح البلدان ص ۶۹ و ص ۹۳ و ص ۴۲۰ ' تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۲۹' تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۳۲۱ ' کتاب المحبر ص ۱۲۷ و ص ۴۶۰ ' تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۷۲ و ص ۱۰۱ و ص ۱۲۳ و ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵ ' کتاب البیان والتبیین ج ۳ ص ۲۴۷ و ج ۲ ص ۹۷ ۔

تاریخ اور طبقات ورجال کی پیش نظر کتابوں میں عمیر بن عثمان بن سعد کے نام سے کسی صحابی کا تذکرہ نہیں ملا، خیال ہے کہ یہ بزرگ حضرت عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف بن مالک انصاری اوسی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے دادا کا نام بعض علماء نے شہید بن عمرو بتایا ہے، یہ نہایت عابد و زاہد اور بزرگ صحابی ہیں ان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو نسیج وحدہ (بے مثال) کا لقب دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے کاش! میرے پاس عمیر بن سعد جیسے لوگ ہوتے اور میں ان کو مسلمانوں کا امیر بناتا، شام کی فتوحات میں ان کی شاندار خدمات ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے شہر حمص کا امیر بنایا تھا، ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن عمیر بن سعد کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے ملک شام میں تمہارے والد سے زیادہ نیک بزرگ اور کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔ حضرت عمیر صحابی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت کی ہے۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق حضرت عمیر بن سعد عہد فاروقی میں فوت ہوئے، اور دوسرا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا، اور بعضوں نے اس کے بعد ان کی وفات کو بیان کیا ہے، حضرت عمیر بن سعد سے ان کے صاحبزادے محمود کے علاوہ ابو ادریس خولانی، ابو طلحہ خولانی، جلیب بن عبید، راشد بن سعد، اور زہیر بن سالم وغیرہ نے روایت کی ہے، تجرید اسماء الصحابہ میں امام ذہبی نے اس نام کے ایک اور صحابی حضرت عمیر بن سعد بن فہد عبدی کا تذکرہ کیا ہے، جن سے مسند ابو یعلیٰ میں ایک حدیث مروی ہے، بہرحال یہ بزرگ عمیر بن عثمان بن سعد ہوں یا عمیر بن سعد انصاری یا پھر عمیر بن فہد عبدی ہوں، طبری اور ابن اثیر کی تصریحات کے مطابق صحابی تھے اور عہد عثمانی میں مکران کے امیر تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ کے مقدمہ میں لکھا۔

کانوا لایومرون فی المغازی الا الصحابی   غزوات و فتوحات میں صرف صحابہ ہی

فمن تتبع الاخبار الواردة فی الردة والفتوح وجد من ذلك شیئاً کثیراً وھم من القسم الاول۔	امیر بنائے جاتے تھے اور جو شخص ردت اور فتوحات کے بیانات کو دیکھے گا وہ ایسے بہت سے صحابہ کو پائے گا اور یہ وہ صحابہ ہیں جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت و روایت ثابت ہے'۔

ئے طبقات و رجال کے نزدیک صحابیت کی پہچان کے سلسلے میں منجملہ دوسرے اصولوں کے یہ اصول بھی مسلّم ہے[1]

حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ

حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ بن وہیب بن عائذ بن ربیعہ بن یربوع بن سمال بن عوف بن امراء القیس بن بہثہ بن سلیم سلمی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور ان کی روایات صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں وہ اور ان کے بھائی حضرت مجالد بن مسعود سلمی دونوں نے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، مجاشع کا بیان ہے کہ میں اور میرے بھائی دونوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ سے ہجرت پر بیعت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ :۔ ہجرت کا دور گزر چکا ہے' اس پر ہم نے عرض کیا کہ پھر کس بات پر ہم بیعت کریں ؟ آپ نے فرمایا اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر بیعت کرو، چنانچہ ہم نے آپ سے بیعت کی' دور فاروقی و عثمانی کی فتوحات میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ اسلامی فوج نے ایران کے مرکزی شہر توّج کا محاصرہ آپ ہی کی امارت میں کیا تھا' آپ نے

---

[1] اصابہ ج ۱ صـــ وج ۵ صـ۳۲ و صـ۳۳، تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ صـ۱۲۳ ؛ تاریخ طبری ج ۳ صـ۳۲، کامل ابن اثیر ج ۳ صـ۳۸، تہذیب التہذیب ج ۸ صـ۱۴۴ و صـ۱۴۵، تاریخ خلیفہ ج ۱ صـ۱۵۸، تاریخ جرجان صـ۸۶۔

کابل اور ہندوستان کے علاقہ بلوچستان اور کرمان وغیرہ فتح کئے، دورِ عثمانی میں حضرت مجاشع کی فتوحات کے بعد مسلمان بلوچستان کے علاقہ میں مستقل طور سے آباد ہوئے اور یہاں ان کی پہلی آبادی قائم ہوئی، ان کی بیوی شمیلہ بنت الوحیدہ بن ازیر دوسیہ تھیں ان کی وفات کے بعد شمیلہ سے حضرت عبداللہ بن عباس نے نکاح کر لیا، حضرت مجاشع نے آخری ایام میں مجاہدانہ سرگرمیوں سے الگ ہو کر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ۳۶ھ میں جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے حضرت مجاشع سے ابوعثمان ہندی، عبدالملک بن عمیر، کلیب بن شہاب، ابوساسان حصین بن منذر، یحیٰی بن اسحاق نے روایت کی ہے۔[1]

حضرت مغیرہ بن ابوالعاصی ثقفیؓ

حضرت مغیرہ بن ابوالعاصی بن بشر بن عبد دھمان ثقفی رضی اللہ عنہ عثمان وحکم کے بھائی ہیں، ملکی وسیاسی اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہ کر عجم کی فتوحات میں حصہ لیا، ان کا مستقل تذکرہ نہ مل سکا، بلاذری نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی میں جب حضرت عثمان ثقفی فارس کے جہاد پر روانہ ہوئے تو بحرین وعمان میں ان کے نائب اور جانشین مغیرہ تھے ایک قول ہے کہ دوسرے بھائی حفص بن ابوالعاصی ثقفی اس عہدہ پر تھے، آخری دور میں مغیرہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ بصرہ کے شط عثمان نامی علاقہ میں مستقل طور سے آباد ہو گئے تھے، ان کے خطہ کا نام مغیرتان تھا، عہد فاروقی میں انہوں نے ہندوستان کے شہر دیبل پر فوج کشی کر کے فتح پائی تھی، ان کے صحابی ہونے کی تصریح کتابوں میں نہیں ہے، مگر علمائے طبقات ورجال کے بیان کردہ اصولوں کی رو سے آپ کی صحابیت ثابت

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۰، استیعاب ج ۳ ص ۱۴۹۳، وص ۱۴۹۴، اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۰۰۔ اصابہ ج ۳ ص ۳۴۶، کتاب المعارف ص ۱۴۲، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۸۔

ہے، نیز حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حجۃ الوداع سے پہلے قریش اور ثقیف میں سے کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا تھا جو مسلمان نہ ہوا ہو اور ان دونوں قبائل کے تمام لوگ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مغیرہ قبیلہ ثقیف سے ہیں، اس کلیہ میں وہ بھی آجاتے ہیں اور اس سے ان کی صحابیت ثابت ہوتی ہے۔[1]

حضرت منذر بن جارود عبدیؓ

حضرت منذر بن جارود۔ بشر بن عمرو بن حنش بن معلی۔ حارث بن زید بن حارثہ بن معاویہ بن ثعلبہ بن جذیمہ بن عوف بن بکر بن عوف بن انمار عبدی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالاشعث ہے، والدہ کا نام امامہ بنت نعمان ہے، ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان کا تذکرہ اصاغر صحابہ میں کیا ہے جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت کا شرف حاصل ہے، اپنی قوم بنو عبدالقیس کے سردار اور مشہور سخی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اصطخر کا امیر مقرر فرمایا تھا، اس زمانہ میں ان کی داد و دہش اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو شخص بھی ان کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتا تھا اسے عطیہ سے نوازتے تھے، پھر یزید بن معاویہ کے زمانہ میں عبیداللہ بن زیاد حاکم عراق نے ۶۱ھ یا ۶۲ھ کے شروع میں ان کو سندھ کے شہر قندابیل کا امیر مقرر کیا اور انہوں نے یہاں پورا غلبہ حاصل کر کے بگڑے ہوئے حالات درست کئے، خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ منذر ۶۲ھ میں قندابیل کے امیر بنائے گئے اور اسی سال اسی ملک میں فوت ہوئے؛ اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد جارود صحابی ہیں، منذر کو حضرت علی نے اصطخر کا امیر مقرر کیا تھا اور وہ جنگ جمل حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، بعد میں انہوں نے حضرت معاویہؓ سے بصرہ میں

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۶، فتوح البلدان ص ۹۳ و ص ۳۵۶ و ص ۴۲۰، چچ نامہ ص ۷۳ ۔

نہر تار کی کھدائی کے بارے میں بات چیت کی تو حضرت معاویہ نے اس سلسلہ میں زیاد بن ابوسفیان کو لکھا اور انہوں نے نہر معقل جاری کی، چونکہ یہ نہر برکت کے خیال سے صحابی رسول حضرت معقل بن یسارؓ کے ہاتھ سے جاری کرائی گئی تھی اس لیے اس کا نام نہر معقل پڑ گیا۔

حضرت منذر کے دو بیٹے تھے ایک بشر بن منذر جو ۸۳ھ میں جنگ مسکن میں ابن اشعث کے ساتھ شریک ہو کر قتل ہوئے، دوسرے بیٹے مالک بن منذر تھے، جن کی نہر مالکیہ بصرہ میں تھی۔[1]

حضرات تابعین رحمہم اللہ

یہ عجیب بات ہے کہ خلافت راشدہ کے بیس سالہ دور غزوات میں ہندوستان آنے والے تابعین کے ناموں کی تصریح صحابہ کے مقابلہ میں بہت کم ملتی ہے۔ کیونکہ صحابہ امرائے فوج ہوا کرتے تھے، اور ان ہی کی قیادت میں اسلامی فوج خدمات انجام دیتی تھی، اور ہر قسم کے امور و معاملات کا تعلق امیر سے ہوا کرتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں عام مجاہدوں کے مقابلہ میں تاریخوں میں ان کے امراء کے نام زیادہ ملیں گے، اور کسی خاص اور اہم واقعہ کے ضمن میں دوسروں کا ذکر ہوگا، ورنہ اس دور کے ہندوستان میں بارہ تیرہ غزوات و فتوحات میں کئی ہزار بلکہ کیا عجب ہے کہ سب غزوات کو ملا کر لاکھوں کی تعداد میں مجاہدین یہاں آئے ہوں گے، جن میں زیادہ تر حضرات تابعین رہے ہوں گے۔ عام طور سے ہندوستان میں غزوات و فتوحات خراسان، سجستان کرمان وغیرہ کے ضمن میں ہوا کرتے تھے، اور ان ممالک کی بھاری فوجیں ہندوستان میں بھی آیا کرتی تھیں، جو زیادہ تر تابعین اور تبع تابعین پر مشتمل تھیں، مگر چونکہ ان کے یہاں آنے کی تصریح ناموں کے ساتھ نہیں ملتی ہے، اس لیے ہم اس سلسلہ میں ان کا تذکرہ نہیں کر سکتے ہیں، البتہ جن چند حضرات کے نام صراحت کے ساتھ موجود ہیں، ان کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۱، تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۸۷، اصابہ ج ۳ ص ۵۸ و ص ۲۲۳، فتوح البلدان ص ۳۶۱، کتاب البیان والتبیین ج ۲، ص ۳۱۹۔

حضرت تاغز بن دعرؒ

۳۵ھ یا ۳۶ھ میں حضرت حارث بن مرہ عبدیؓ کی امارت وقیادت میں سندھ پر اسلامی فوج نے جو حملہ کیا تھا اس میں تاغز بن دعر یا اسی قسم کے نام کے کوئی بزرگ شریک تھے، بلکہ علی بن حامد کوفی اوشی نے ان کو اس فوجی مہم کا امیر بتایا ہے، مگر اس نام کے کسی بزرگ کا حال مجھے طبقات و رجال کی کتابوں میں نہیں ملا، غالباً دونوں ناموں میں شدید قسم کی تحریف وتصحیف ہے، بہر حال کوئی بزرگ اس قسم کے نام کے ہندوستان میں آئے ہیں۔

حضرت حارث بن مرہ عبدیؓ

حضرت حارث بن مرہ عبدی رحمۃ اللہ علیہ بحرین کے قبیلہ عبدالقیس کی شاخ ربیعہ سے ہیں، اپنے زمانہ میں ربیعہ کے مشہور اجرا داسخیا میں سے ہیں، کتاب المحبر میں ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں جہاد کے دوران ایک دن اپنی فوج میں ایک ہزار غلام تقسیم کئے اور پانچ سو شہسواروں کو انعام واکرام سے نوازا، الاخبار الطوال میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ صفین میں حارث بن مرہ عبدی کو بصرہ کی پیدل فوج کا امیر مقرر کیا تھا، خلیفہ بن خیاط کے بیان کے مطابق ۳۶ھ میں اور عام مورخوں کی تصریح کی رو سے ۳۸ھ میں حارث بن مرہ نے حضرت علی سے اجازت لے کر رضا کارانہ طور پر فوج جمع کی اور مکران آکر قندابیل اور قیقان تک کے تمام علاقے فتح کئے، مگر ۴۲ھ میں حارث اور ان کے ساتھ اسلامی فوج کا بیشتر حصہ دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوگیا، عام مورخوں کے اس قول کے علی الرغم ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جب خوارج نے عبداللہ بن خباب کو قتل کر کے لوگوں کا راستہ مسدود کر دیا تو حضرت علیؓ کو اس پر سخت افسوس ہوا، اور آپ نے حارث بن مرہ عبدی کو معاملات کی تحقیقات کے لیے روانہ کیا تو خوارج نے ان کو بھی قتل کر دیا، ہمارے نزدیک پہلا قول معتبر ہے[1]۔

[1] الاخبار الطوال ص ۱۰۳، کتاب المحبر ص ۱۲۵، فتوح البلدان ص ۴۳۱۔ (باقی حاشیہ آئندہ پر)

حضرت حُکیم بن جبلہ عبدیؓ

حضرت حُکیم بن جبلہ بن حصین بن اسود بن کعب بن عام بن حارث بن دیل بن عمرو بن غنم بن ودیعہ بن لکیز بن افصیٰ بن عبد القیس عبدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام حُکیم بروزن قُریش ہے، انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے مگر رویت وروایت کا ثبوت نہیں ملتا، نہایت صالح متدین اور اپنی قوم میں معزز و محترم بزرگ تھے، شعر و شاعری سے بھی تعلق رکھتے تھے، ان کے دو اشعار یہ ہیں۔

لیس الرزیۃ بالدینار نفقدہ ۔۔۔ ان الرزیۃ فقد العلم والحکم

یہ مصیبت کوئی مصیبت نہیں کہ ہمارے دینار ختم ہو جائیں، بلکہ مصیبت یہ ہے کہ علم و حکمت گم ہو جائے؛

وانّ اشرف من اودی الزمان بہ ۔۔۔ اھلُ العفاف واھلُ الجود والکرم

جن لوگوں کو زمانہ نے فنا کر دیا ہے ان میں اشراف ترین انسان وہ ہیں جو پاک دامن اور سخی و کریم ہیں؛

آپ زندگی کے آخری ایام میں بصرہ میں آباد ہو گئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکیم بن جبلہ کو سندھ بھیجا تھا تاکہ وہاں کے حالات کا پتہ لگائیں اور دربارِ خلافت کو خبر دیں چنانچہ انہوں نے بھی یہاں کے بارے میں وہی ناگوار حالات بتائے جن کو دو پیش رو حضرات نے دربارِ فاروقی میں پیش کیا تھا۔ بعد میں حضرت عثمان نے حُکیم بن جبلہ کو سندھ کا قاضی بنا کر بھیجا۔ آپ عہدِ عثمانی میں اسلام کے پہلے قاضی ہیں جو اس ملک میں اس خاص عہدہ پر نامزد کر کے بھیجے گئے۔ خلیفہ بن خیاط نے سندھ کے قاضیوں میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں یہاں کے قاضی حُکیم بن جبلہ عبدی تھے، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں یہاں مستقل قیام کیا ہو گا۔ بعد میں حضرت عثمانؓ سے برگشتہ ہو کر حضرت علیؓ کے طرفداروں میں شامل ہو گئے۔ اور نہایت بہادری و عزیمت کے ساتھ اسی راہ میں جان دے دی؛

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۲۱۴ وص ۲۱۵ وص ۲۲۱ وص ۲۲۹، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۴۵۔

صورت یہ ہوئی کہ جنگِ جمل سے پہلے حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بصرہ آئے اور حضرت علیؓ کے حاکم حضرت عثمان بن حنیف نے ان کے مقابلہ کے لیے بنو عبد القیس کے سات سو سپاہیوں کو حضرت حکیم بن جبلہ کی سرکردگی میں روانہ کیا بصرہ کے قریب مقام زابوقہ میں دونوں طرف سے مڈبھیڑ ہوئی۔ حکیم نے بڑھ کر مقابلہ کیا اسی اثناء میں ان کا ایک پیر کٹ گیا، مگر اسی حال میں یہ رجز پڑھتے ہوئے لڑتے رہے۔"

یاساقِ لن تراعی ان معی ذراعی احمی بھا کراعی

اے میرے پیر! تو ہمت نہ ہارنا میرے ساتھ میرا بازو ہے جس سے میں اپنی حفاظت کررہا ہوں'

یہاں تک کہ جب پیر سے بہت زیادہ خون بہہ گیا اور نڈھال ہوگئے' تو اسی آدمی کا سہارا لیا جس نے یہ ضرب کاری لگائی تھی۔ کسی نے پوچھا یہ حرکت کس نے کی ہے؟ حکیم نے جواب دیا میرے تکیہ اور سہارے نے یہ کام کیا ہے' یہ شخص سحیم حدانی قبیلہ بنو حدان کا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ بہادری کی مثال اس سے بڑھ کر دیکھنے میں نہیں آئی۔ حکیم کو ابن کلبی نے فاتح مکران بتایا ہے۔[1]

حضرت امام حسن بن ابوالحسن بصریؒ

حضرت امام حسن بن ابوالحسن یسار بصریؒ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے' ان کے والد یسار مقام میسان سے ایک جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئے' اور حضرت انسؓ کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا، ان کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں مدینہ میں پیدا ہوئے' اور مقام وادی القریٰ میں پرورش پائی۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد و زاہد اور غازی و مجاہد تھے اور رزم و بزم دونوں میں بے مثال تھے' کم از کم

[1] جمہرۃ انساب العرب ص۲۹۵' استیعاب ج ا ص۳۲۲ و ص۳۲۳' اسد الغابہ ج ۲ ص۴۰' اصابہ ج ا ص۳۷۹' الاکمال ج ۲ ص۴۸۶' تاریخ خلیفہ ج ا ص۱۸۱ و ص۱۹۷ و ص۱۹۹ و ص۲۰۰ و ص۲۰۲' ص۲۲۲ انساب الاشراف ج ۵ ص۵۹' چچ نامہ ص۷۴ و ص۷۵۔

دو تین بار خراسان، بحستان، اور کابل وغیرہ کے غزوات و فتوحات میں شریک ہو کر داد شجاعت دی ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ اس دوران میں جہاد اور افتاء دونوں کام کرتے تھے، سلیمان تیمی کا بیان ہے۔

کان الحسن یغزو، وکان مفتی الناس ھاھنا جابر بن یزید قال: ثم جاء الحسن فکان یفتی۔	امام حسن بصری جہاد کرتے تھے اور حضرت جابر بن یزید اسلامی فوج کے مفتی تھے، پھر حسن بصری فتویٰ دینے لگے۔

۳۰ھ میں حضرت ربیع بن زیاد حارثی بحستان کی مہم پر روانہ ہوئے تو ان کے میر منشی اور سکریٹری امام حسن بصری تھے، ربیع بن زیاد نے بحستان کے تقریباً تمام علاقے فہرج، زالق، کرکویہ، ہیسون، زرنگ، دریائے ہندمند، توق، دشت، ناشروذ، شراوذ وغیرہ فتح کیے۔ اور اس ڈھائی سالہ دورِ امارت میں دو سال تک زرنگ میں مقیم رہے، ان تمام مہمات و فتوحات میں حضرت حسن بصری اپنے امیر ربیع بن زیاد کے ساتھ ساتھ تھے، مذکورہ بالا فتوحات میں فہرج کی فتح سندھ کی فتح تھی، یہ مقام سندھ کے مشہور شہروں میں سے تھا، اور مقدسی نے اس کو حدود منصورہ میں شمار کیا تھا، اس مہم میں امام حسن بصری کا بحیثیت میر منشی کے شریک ہونا مصرح ہے طبقات ابن سعد، اور فتوح البلدان میں ہے۔

وکانت ولایۃ الربیع سنتین ونصفا، وسبی فی ولایتہ ھذہ اربعین الف راس، وکان کاتبہ الحسن البصری۔	ربیع کی ولایت و امارت ڈھائی سال تک رہی، اس مدت میں انہوں نے چالیس ہزار لوگوں کو قید کیا، اور ان کے کاتب حسن بصری تھے۔

اس کے بعد ۳۲ھ میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ بحستان پر فوج کشی کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ اعیان و اشراف کی جو جماعت تھی جس میں امام حسن بصری بھی تھے، اور آپ نے تین سال تک عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ رہ کر بحستان و خراسان کے متعدد غزوات

میں دادِ شجاعت دی، ابن سعد کا بیان ہے :-

وروی الحسن عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ انہ غزامعہ کابل، والاندقان والاندغان، وزابلسان ثلاث سنین۔	حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے عبدالرحمن بن سمرہ کے ساتھ تین سال تک کابل، اندقان، اندغان اور زابلستان (غزنہ) میں جہاد کیا ہے

یہ تمام مفتوحہ علاقے اور بلادِ ہندوستان سے متصل ہیں اور ان میں سے کئی ایک اس زمانہ میں ہندوستان میں شمار ہوتے تھے، ربیع بن زیاد حارثی اور عبدالرحمن بن سمرہ دونوں حضرات نے خراسان و سجستان کی فتوحات کے سلسلے میں ہندوستانی علاقوں کو فتح کیا ہے اور دونوں حضرات کے ساتھ امام حسن بصری شریک رہے ہیں، آپ نے ۱۱۰ھ میں انتقال فرمایا[1]

ہم نے اس سے پہلے "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" میں لکھا تھا کہ "امام حسن بصریؒ کے زرنگ کے زمانۂ قیام میں کابل فتح ہوا، جو ان دنوں کئی وجوہ سے سندھ سے نسبت رکھتا تھا، امام حسن بصری نے ہندوستان کی سرحد پر واقع اس شہر کے جہاد میں پوری دلچسپی لی کیا عجب ہے کہ آپ حدود سندھ میں بھی تشریف لائے ہوں"[2]

اور اب ہماری تحقیق میں حضرت امام حسن بصری کا سندھ کی شمالی حدود دا دراس کے قرب وجوار میں آنا محقق ہوگیا ہے، مگر یہ آمد براہ راست اور باقاعدہ سندھ میں نہیں تھی بلکہ سجستان و کابل کی فتوحات کے سلسلہ میں تشریف آوری ہوئی تھی!

تفسیروں میں امام حسن بصری کا یہ قول منقول ہے۔

اھبط آدم بالھند، وحواء بجدۃ وابلیس بدست میسان۔ من البصرۃ علی امیال۔ واھبطت	حضرت آدم ہندوستان میں اتارے گئے، حضرت حوا جدہ میں، شیطان ابلیس دست میسان میں جو بصرہ سے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸، ص ۱۵۶، ص ۱۵۷، ص ۱۷۷ ۔ فتوح البلدان ص ۳۸۶، تاریخ خلیفہ ج ۲ ص ۵۱۹
[2] اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ص ۱۳۲ ۔

الحية باصبهان[1]	چند میل کی دوری پر واقع ہے اور سانپ
ابن ابی حاتم[1]	اصفہان میں۔

حضرت سعد بن ہشام انصاری

حضرت سعد بن ہشام بن عامر بن امیہ بن زید بن حشحاس بن مالک بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری مشہور صحابی حضرت انس بن مالک کے چچا زاد بھائی ہیں، ابن سعد نے ان سے روایت کی ہے کہ میں ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنے قبیلہ کا ذکر کیا تو دریافت فرمایا کہ کیا تم ان ہی ہشام کے بیٹے ہو جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، نیز سعد بن ہشام نے حضرت عائشہؓ سے صلوۃ وتر کے بارے میں سوال کیا ہے، نہایت ثقہ راوی حدیث ہیں، اپنے والد ہشام بن عامر، چچا زاد بھائی انس بن مالک، حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندبؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری اور امام حسن بصری رحمہم اللہ نے روایت کی ہے، ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے، ابن حجر نے ان کو رواۃِ حدیث کے طبقہ ثالثہ میں لکھا ہے، صحاح ستہ میں ان کی احادیث موجود ہیں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ہشام مکران میں شہید ہوئے۔

سعد بن هشام بن عامر الانصاری	سعد بن ہشام بن عامر انصاری حضرت انس کے
ابن عم انس،... قتل فی ارض مکران	چچا زاد بھائی ہیں، سرزمین مکران میں بحالت دیانت
علی احسن حالٍ۔	و دیانت شہید ہوئے۔

ابن حجر نے اصابہ میں ان کے ساتھ ایک اور بزرگ کی شہادت کا ذکر کیا ہے جن کے نام

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۰۔

کی جگہ بیاض رہ گئی ہے۔ ؎

وقرأتُ فی کتاب الزھد لسیار بن حاتم بسند لهان سعد بن ہشام استشھد ھو و.... فی غزاۃ لھما۔

میں نے سیار بن حاتم کی کتاب الزہد میں ان کی روایت سے پڑھا ہے کہ سعد بن ہشام اور.... دونوں ایک جہاد میں شہید ہوئے۔

مکران میں ان کی شہادت کا ذکر تقریباً سب ہی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے مگر امام بخاری کی طرح کسی نے یہ تصریح نہیں کہ وہ مکران کے کس غزوہ میں یا کس سنہ میں شہید ہوئے ہمارا گمان ہے کہ حضرت سعد بن ہشام کی شہادت خلافتِ راشدہ میں ہوئی ہے۔ ؎

حضرت سعید بن کندیر قشیری

حضرت سعید بن کندیر بن ابو کندیر سعید بن حیدہ بن معاویہ بن جیدہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب اسی طرح جمہرۃ انساب العرب اور اُسد الغابہ سے معلوم ہوتا ہے ان کا حال مجھے کتابوں میں نہیں مل سکا، اصابہ میں ان کے والد کندیر بن سعید کا تذکرہ ہے اس کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دادا کے نام پر ان کا نام بھی سعید ہے، تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں صرف اتنا ہے کہ۔

ومات عثمان، وابن کندیر القشیری علی مکران۔

حضرت عثمان کی وفات (۳۵ھ) میں ہوئی اس وقت ابن کندیر قشیری مکران کے امیر تھے۔

ابن کندیر قشیری کے دادا سعید بن جیدہ کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک مرتبہ میں نے حج کیا، ایک دن ایک بزرگ کو دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

؎ تاریخ کبیر ج ۲ قسم ۲ ص ۹۷، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۹، کتاب الثقات ص ۸۵۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۶۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۶۴۔

رُدِّ عَلَیَّ رَاکِبِی مُحَمَّدًا   واصطنعن بردہ عندی یدًا

(اے اللہ) میرے سوار محمد کو میرے پاس پہنچادے   اور ان کو واپس کرکے مجھ پر احسان کر،

جب میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں اور ان کا کیا معاملہ ہے ؟ تو معلوم ہوا کہ یہ عبد المطلب بن ہاشم ہیں ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا ہے، اس کی تلاش میں ان کے پوتے محمد بن عبد اللہ نکلے ہیں، ان کے واپس آنے میں دیر ہوگئی ہے جس کی وجہ سے دادا کو یہ بے قراری ہے، تھوڑی دیر کے بعد آپ آگئے، اور دادا نے ان سے پیار کی باتیں کیں [1]۔

حضرت شہاب بن مخارق تمیمیؓ

حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب بن قیس تمیمیؓ قبیلہ بنی جندب عنبر بن تمیم سے ہیں بعض مورخوں نے ان کی نسبت مازنی بھی بیان کی ہے، بہادران اسلام میں شمار کئے جاتے ہیں، ایران کی مہمات میں ان کی جلیل القدر خدمات ہیں، طبری نے ۱۶ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ مدائن میں ایک مشہور ایرانی شہسوار اور بہادر تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ عرب ایران میں داخل ہوگئے، اور ان کے ڈر سے ایران کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، اس نے بظاہر اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور ایک ایرانی سردار کے گھر میں گیا دیکھا کہ گھر والے اپنے کپڑے وغیرہ سنبھال رہے ہیں، گھر والوں نے بتایا کہ بھڑوں (عربوں) نے ہم پر غلبہ حاصل کرلیا ہے، اور ہمارے گھروں سے نکال دیا ہے، یہ سن کر اس ایرانی شہسوار نے گیلی مٹی دیواروں پر لگوا کر اپنی غلیل سے مٹی کی کچی گولیاں اس دیوار پر یوں مارنا شروع کیں کہ تمام گولیاں ختم ہوگئیں پھر اپنے گھوڑے پر زین کس کر اس کی رکاب کاٹ دی، اور اس پر سوار ہو کر وہاں سے نکلا، وہ آگے بڑھا تو ایک شخص نے سامنے آکر اسے تیر مارا جس کے لگتے ہی وہ مرگیا، اس

---

[1] جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۲۹۰، اُسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۲۰۲، اصابہ ج ۱ صفحہ ۳۶۲ و ج ۲ صفحہ ۴۳۔ انساب الاشراف ج ۱ صفحہ ۸۲، تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۳۲۰، کامل ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۳۸۔

شخص نے تیر چلاتے وقت صرف اتنا کہا۔

خذ ھا وانا ابن المخارق — یہ لو میں ابن مخارق ہوں!

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تھے!

ان کے والد مخارق بن شہاب صحابی ہیں، اور اسلامی دور کے مشہور شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنو بکر بن وائل کے لوگ بنو ضبّہ کے اونٹ ڈاکہ ڈال کر لے گئے تھے، اس موقع پر بنو ضبّہ نے مخارق بن شہاب کی دہائی دی تو یہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر آگئے اور بنو بکر بن وائل والوں سے جنگ کر کے اونٹ واپس لے لیے، تاریخ و ادب کی کتابوں میں ان کے اشعار پائے جاتے ہیں۔

حضرت شہاب بن مخارق عہد فاروقی میں (۲۱ھ میں) کران کی جنگ کے موقع پر حضرت حکم بن عمرو ثعلبیؓ کی مدد کے لیے پہونچے اور اس جنگ میں اپنی خدمات پیش کیں[1]۔

حضرت صیفی بن فسیل شیبانیؒ

حضرت صیفی بن فسیل شیبانی رحمۃ اللہ کو خلیفہ بن خیاط نے قبیلہ ربیعہ سے بتایا ہے، والد کا نام کتابوں میں مختلف ہے طبقات ابن سعد میں قیسل بالقاف، تاریخ یعقوبی میں فسیل بالفاء، تاریخ خلیفہ بن خیاط میں بسیل بالباء اور تاریخ طبری میں نسیل بالنون ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ لفظ فسیل بالفاء ہے۔

عہد عثمانی میں صیفی کے قندابیل میں آنے کا حال علامہ ابن سعد نے حضرت سہیّہ بنت عمیر شیبانیہؒ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے، سہیّہ تابعیہ تھیں بصرہ میں رہتی تھیں انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت علیؓ سے روایت کی ہے، یہ صیفی کی بیوی تھیں، ان کو معلوم ہوا کہ میرے شوہر صیفی

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۶۰ و ص ۱۸۱، اصابہ ج ۳ ص ۱۵۵، کتاب الامالی ابو علی القالی ج ۳ ص ۵۰۔ کتاب الاضداد فی اللغہ ص ۴۰۔

تند ابیل میں فوت ہو گئے ہیں اس لیے انہوں نے ایک دوسرے آدمی عباس بن طریف قیسی سے شادی کرلی، مگر بعد میں صیفی آگئے اور یہ معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا تو صیفی دوسرے شوہر کے حق میں دست بردار ہو گئے' ابن سعد نے لکھا ہے:

ان الحکم بن ایوب بعثہ (ابا الملیح) حکم بن ایوب نے ابو الملیح کو اس معاملہ کی تحقیق کے لیے
الی سھیۃ بنت عمیر الشیبانیہ سہیہ بنت عمیر شیبانیہ کے پاس بھیجا تو انہوں نے بتایا
فقالت نُعی الی زوجی من قندابیل کہ میرے شوہر صیفی بن فسیل کے بارے میں مجھے بتایا کہ
صیفی بن فسیل فتزوجت بعدہ وہ قند ابیل میں فوت ہو گئے ہیں' اس لیے میں نے بنی
العباس بن طریف اخا بنی قیس قیس کے عباس بن طریف سے نکاح کرلیا' اس
ثم ان الزوج الاول جاء نا۔ کے بعد پہلے شوہر بصرہ آگئے'

پھر سہیہ نے بیان کیا کہ صیفی کے آجانے کے بعد ہم نے اپنا معاملہ حضرت عثمانؓ کے پاس لے جاکر ان کے فیصلہ پر اپنی رضامندی ظاہر کی' اور آپ نے پہلے صیفی کو اختیار دیا کہ وہ اپنی بیوی سے مہر کی رقم وصول کرلیں یا اسے اپنے ساتھ رکھیں' صیفی نے مجھ سے اور میرے دوسرے شوہر عباس بن طریف دونوں سے دو دو ہزار کی رقم وصول کی'۔

بعد میں صیفی بن فسیل حضرت علیؓ کے سرگرم طرفداروں میں شامل ہو کر حضرت معاویہؓ اور ان کے طرفداروں کی مخالفانہ سرگرمیوں کا جواب دیتے تھے: یعقوبی نے لکھا ہے کہ ۵۱ھ میں زیاد نے حجر بن عدی کندی' عمرو بن حمق خزاعی' اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کیا' یہ لوگ حضرت علی پر طعن و تشنیع سنتے تو مجمع میں کھڑے ہو کر برملا جواب دیا کرتے تھے' اور معاویہ و زیاد کے خلاف بولتے تھے' اس لیے زیاد نے ان کو گرفتار کر کے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیجدیا جب یہ لوگ مقام مرج عذرا پر پہونچے جو دمشق سے چند میل کی دوری پر تھا' تو حضرت معاویہ نے ان کو وہیں روک کر ایک آدمی کو بھیجا جو ان کی گردن مار دے یہ لوگ کل تیرہ آدمی تھے' ان میں سے چھ بات چیت کے بعد بچ گئے' اور باقی سات آدمیوں کو اس شخص نے قتل کر دیا'

ان کے نام یہ ہیں۔ حجر بن عدی کندی، شریک بن شداد حضرمی، صیفی بن فسیل شیبانی، قبیصہ بن ضبیعہ علبسی، محرز بن شہاب تمیمی اور کدام بن حیان عنزی خلیفہ بن خیاط نے اس واقعہ کو ۵۱ھ میں مختصر طور سے لکھا ہے، اور مسعودی نے ۵۳ھ میں بتایا ہے۔[1]

حضرت نسیر بن وسیم عجلی

حضرت نسیر بن وسیم بن ثور بن عریجر بن محلم بن ہلال بن ربیعہ بن عجل بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل عجلیؓ، بحرین کے قبیلہ بنو بکر بن وائل کی شاخ بنو عجل کے بہادروں میں سے ہیں، اور "صاحب قلعۃ النسیر" کے لقب سے مشہور ہیں، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانہ پایا ہے، رسولؐ کی حیات طیبہ میں موجود تھے، عہد صدیقی میں قتال مرتدین اور عہد فاروقی میں عجمی فتوحات میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، حضرت نسیر بن وسیم نے ایام ردّت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ جو کارنامے پیش کئے ہیں ان کی تفصیل علامہ بلاذری نے یوں بیان کی ہے کہ خالد بن ولیدؓ نے نسیر بن وسیمؓ کو ایک فوجی دستہ کا امیر بنا کر عین التمر سے بنو تغلب کے ایک چشمہ کی طرف روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہونچ کر شب خون مارا اور بنو تغلب میں قتل و غارت کر کے ان کے بہت سے افراد کو قید کیا، ان میں ایک شخص نے وعدہ کیا کہ اگر اسے رہا کر دیا جائے تو وہ بنو ربیعہ کے ایک مرتد قبیلہ کی نشاندہی کرے گا، چنانچہ اس نے رہائی پا کر وعدہ پورا کیا۔ اور حضرت نسیر نے اس پر بھی شب خون ار کر مال غنیمت اور قیدی حاصل کئے، پھر یہاں سے ریگستان طے کرتے ہوئے تکریت پہونچے اور وہاں بھی مسلمانوں کو فتح اور غنیمت حاصل ہوئی مقام عکبرا میں پہونچے تو مقامی باشندوں کو امن دیا، انہوں نے نسیر کی فوج کو کھانا اور جانوروں کو چارہ دیا، پھر آگے بڑھے، جب مقام بردان کے باشندوں کو اسلامی فوج کی آمد کی خبر

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۱۴، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۰ و ص ۲۳۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۲۵۱، تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۷۱۔

ملی تو وہ اپنی بستی سے نکل کر مسلمانوں کے آگے آگے دوڑنے لگے، ان کا یہ حال دیکھ کر حضرت نسیر نے ان کو اطمینان دلایا، اور ان کا یہی فعل ان کے حق میں اسلامی فوج کی طرف سے امان ثابت ہوا، پھر یہاں سے محرم ہوتے ہوئے قصر سابور کے قریب والے پل کو پار کیا، یہاں کے ایرانی حاکم خرزاد بن ماہبنداد نے نکل کر حضرت نسیر سے مقابلہ کیا، جس میں اسلامی فوج کو فتح ہوئی اور خرزاد شکست کھا کر پسپا ہوا، ان فتوحات کے بعد نسیر پھر عین التمر واپس آئے مقام محرم اس زمانہ میں کسی اور نام سے مشہور تھا، بعد میں محرم بن حزن بن زیاد بن انس بن دیان حارثی نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی تو ان کے نام سے موسوم ہو گیا، اسی طرح قصر سابور بعد میں قصر عیسی بن علی کے نام سے موسوم ہوا۔

خلافت فاروقی میں نسیر بن وسیم کی ابتدائی فوجی خدمات کے بارے میں واقدی کا بیان ہے کہ یوم جسر کی مشہور جنگ کے بعد جب اسلامی فوجیں مقام حفان کی طرف بڑھیں تو حضرت مثنی بن حارثہ نے نسیر بن وسیم اور حذیفہ بن محصن کو شہ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ روانہ کیا، اور انہوں نے آگے بڑھ کر بنو تغلب کی ایک جماعت پر یلغار کی، پھر تکریت آئے اور مقامی باشندوں کو امن و امان کی تحریر دی، جو بعد میں بھی کام آئی۔

خلافت فاروقی کی فتوحات میں نسیر بن وسیم کا بڑا حصہ ہے جنگ قادسیہ کے موقع پر انہوں نے یہ شعر کہا ہے۔

لقد علمت بالقادسية انني صبور على اللاواء، عف المكاسب

میری محبوبہ نے جنگ قادسیہ میں دیکھ لیا کہ میں مصائب پر صبر کرنے والا، اور پاکیزہ کام کرنے والا ہوں

ان کے "صاحب قلعۃ النسیر" کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ۲۲ھ میں معلوم ہوا کہ ایرانی باشندے مقام نہاوند میں طاقت جمع کر کے اسلامی فوج پر شدید حملے کی تیاری کر رہے ہیں، اس لیے کوفہ سے مزید فوج مقام حلوان کی طرف روانہ کی گئی تاکہ یہاں کی اسلامی فوج کی مدد کی جائے، اس امدادی فوج نے مقام ماہ میں پہونچ کر ایرانیوں کے

ایک میدانی قلعہ پر قبضہ کر لیا، اور اندر سے ایرانی سپاہیوں کو نکال کر اسلامی فوج کے سپاہی اس کی حفاظت کے لیے مقرر کیے بعد میں یہاں کی فوجی چھاؤنی مرج القلعہ کے نام سے مشہور ہوئی، پھر یہاں سے امدادی فوج نہاوند کی طرف بڑھی، جہاں ایرانی اور اسلامی فوجیں جنگ کر رہی تھیں، راستہ میں اسلامی فوج نے ایرانیوں کے ایک اور قلعہ پر قبضہ کیا، اور اس کی حفاظت کے لیے حضرت نسیر بن وسیم عجلیؓ کی قیادت و امارت میں بنی عجل اور بنی ثور کا ایک دستہ متعین کیا گیا، اسی وجہ سے بعد میں نسیر کو "صاحب قلعۃ النسیر" کہا جانے لگا اور یہ قلعہ ان کے نام سے مشہور ہوا، یہ جماعت اپنے امیر حضرت نسیر کی ماتحتی میں قلعہ کی حفاظت کرتی رہی جس کی وجہ سے نہاوند کی جنگ میں بنو عجل یا بنو حنیفہ کا کوئی سپاہی شریک نہ ہو سکا، اس کے باوجود جنگ نہاوند اور دیگر قلعہ جات کے مال غنیمت میں ان لوگوں کو بھی شریک کیا گیا اگرچہ قلعۂ نسیر کے محافظین جنگ نہاوند میں شریک نہیں، تھے لیکن اس کے مجاہدوں کی مدد کر رہے تھے، ۲۳ھ میں بلوچستان کی فتح کے موقع پر آپ اسلامی فوج کے مقدمۃ الجیش کے امیر تھے، تاریخ طبری، اور اصابہ میں نسیر بن ثور ہے اور تاریخ طبری میں ایک جگہ غلطی سے نسیر بن عمرو ہے، ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں نسیر بن وسیم بن ثور لکھا ہے، غالباً نسیر اپنے دادا کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے اسی لیے بعض مورخوں نے ان کے والد کا نام نہیں لکھا ہے[1]

عرب میں چند ہندوستانی مسلمان

خلافت راشدہ کے بیس سالہ دور میں اس ملک کے مغربی شمالی علاقے دار الاسلام بن چکے تھے، جہاں خلافت اور اس کے ماتحت حکام و عمال کی طرف سے باقاعدہ امیر و حاکم رہتے تھے

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۳۴۳، فتوح البلدان ص ۲۴۹ و ص ۲۵۰ اصابہ ج ۳ ص ۵۵۳، تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۴۶ و ص ۱۸۰۔

محکمۂ قضاء قائم تھا اور بعض علاقوں میں عرب مسلمانوں کی آبادیاں قائم کی گئی تھیں، اس دور میں یہاں پر ایسے خوش بخت ہندوستانی باشندے ضرور رہے ہوں گے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے دیس ہی میں بود و باش باقی رکھی ہوگی اور اپنی اپنی بستیوں میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ہوں گے، مگر افسوس کہ ہمیں اب تک ایسی روایت نہیں مل سکی جس سے ان کی تعداد، نام اور حالات معلوم ہوں۔

البتہ اس دور میں ایسے ہندوستانی مسلمانوں کے نام اور حالات ضرور ملتے ہیں جو عرب میں موجود تھے، مستقل طور سے تو نہیں البتہ اسلامی تاریخ کے حاشیہ اور بین السطور سے ان کا پتہ چلتا ہے، اور جیسا کہ تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے عرب کے ایسے ہندوستانی تین قسم کے تھے:

۱۔ وہ ہندوستانی جو اسلام کے قانونِ جہاد کے مطابق جنگی قیدی بن کر عرب میں گئے اور وہاں اسلام قبول کر کے عرب مسلمانوں کی ولاء اور دوستی میں رہے۔

۲۔ وہ ہندوستانی جو پہلے سے ایرانیوں کی فوج میں تھے۔ اور بعد میں مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں آگئے۔

۳۔ وہ ہندوستانی جو قدیم زمانہ سے عرب کے سواحل و صحاری میں بود و باش رکھتے تھے۔ اور بعد میں یہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔

یہ تمام ہندوستانی مسلمان اپنی دیانت و امانت اور خلوص و خدمت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ کے قابلِ احترام عنصر قرار پائے، ان کی بڑی تعداد عراق کے دونو آباد اسلامی شہر کوفہ اور بصرہ میں رہتی تھی، اور دوسرے مقامات میں بھی یہ لوگ سکونت پذیر تھے، ان میں سے کئی خاندان اور افراد خلافتِ راشدہ میں ابھرے اور اموی و عباسی دور میں شہرت و ناموری کے مالک ہوئے، جن میں جاٹ قوم کے مسلمانوں کا عنصر غالب تھا، ہم ان سے بعض حضرات کے حالات پیش کرتے ہیں۔

ابو سالمہ زطی

ابو سالمہ زطیؒ بڑے نیک اور صالح تابعی تھے، حضرت علیؓ کے دور خلافت میں بصرہ کے سرکاری خزانہ کی نگرانی اور پہرہ داری کے لیے چالیس یا چار سو جاٹ اور سیابجہ مسلمانوں کی جو جماعت مقرر تھی، یہ اس کے رئیس اور سردار تھے، مورخ بلاذری نے لکھا ہے۔

وکان علی السیابجۃ یومئذ ابو سالمۃ الزطی وکان رجلاً صالحاً۔[1]

حضرت علیؓ کے زمانہ میں بصرہ کے خزانہ کے ہندی محافظوں کے رئیس و سردار ابو سالمہ زطی تھے جو نہایت صالح اور نیک آدمی تھے؛

اور جیسا کہ گزر چکا ہے جنگ جمل سے پہلے ۳۶ھ میں اپنے تمام ساتھیوں اور ماتحتوں کے ساتھ قتل کر دئے گئے؛

طبیب زطی مدنیؒ

مدینہ منورہ کے یہود جادو میں بہت آگے اور سفلی اعمال کے ذریعہ مسلمانوں کو پریشان کیا کرتے تھے، اس لیے وہاں ان کے سحر اور جادو کے معالج بھی رہتے تھے، چنانچہ جاٹ قوم کے ایک مسلمان طبیب و عامل بھی تھے، جنہوں نے ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہؓ کا علاج کیا، ان کا تذکرہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں یوں کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ پر سحر کا اثر ہوا تو ان کے بھتیجوں نے ایک طبیب جاٹ کو علاج کے لیے بلایا۔

ان عائشۃ رضی اللہ عنہا دبرت امۃ لہا فاشتکت عائشۃ فسال بنو اخیہا طبیباً من الزط، فقال انکم تخبرونی عن

حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک باندی مدبرہ بنا کر آزاد کی، اس کے بعد بیمار پڑ گئیں تو ان کے بھتیجوں نے ایک جاٹ طبیب سے رجوع کیا، اس نے بتایا کہ

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۹۔

امراۃ مسحورۃ سحرتھا امۃ لھا[۱] ان پر ان کی باندی نے سحر کیا ہے۔

حضرت عائشہ کی وفات ۵۶ھ میں ہوئی، اور یہ واقعہ اس سے پہلے پیش آیا تھا۔

خولہ سندیہ حنفیہؒ

خولہ سندیہ حضرت علیؓ کی باندی تھیں جو خلافتِ صدیقی میں یمامہ کی جنگ میں گرفتار ہوکر مدینہ منورہ آئی تھیں اور حضرت علی کی ملکیت قرار پائیں، ان کے بطن سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ پیدا ہوئے، محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المنمق میں ابناء السندیات (سندھی عورتوں کی اولاد) میں محمد بن علی المشہور بہ ابن الحنفیہ کو شمار کیا ہے[۲]، اور ابن خلکان نے لکھا ہے:

وعن اسماء بنت ابی بکر قالت، رأیت ام	حضرت اسماء بنت ابوبکر نے کہا ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ
محمد بن الحنفیۃ سندیۃ سوداء	کی ماں کو دیکھا ہے، وہ سیاہ رنگ کی سندھ کی رہنے
وکانت امۃ لبنی حنیفۃ ولم تکن منھم	والی تھیں اور یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے خاندان سے
وانما صالحھم خالد بن الولید علی الرقیق	نہیں تھیں بلکہ ان کی باندی تھیں اور حضرت خالد نے
ولم یصالحھم علی انفسھم[۳]	بنو حنیفہ سے غلاموں پر صلح کی تھی؛

ان تصریحات کے علی الرغم بعض لوگوں نے خولہ سندیہ حنفیہ کو قبیلہ بنو حنیفہ ہی سے شمار کیا ہے۔

بصرہ کے ہندی مسلمان

گذر چکا ہے کہ جب ایرانی فوج کے اساورہ یعنی شہ سوار اجتماعی طور سے مسلمان ہو گئے تو ان کے بعد ایرانی فوج کے جاٹ اور سیابجہ اور قدیم زمانہ سے سواحل عرب میں رہنے والے ہندوستانی نسل کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے، اور بصرہ میں بنو تمیم کی شاخ بنو حنظلہ کی ولاء اور دوستی میں داخل ہوکر ان ہی کے جوار میں اپنے مکانات تعمیر کیے، اور وہیں بود و باش اختیار کی، ان کی کثرت کا اندازہ بعد کے واقعات سے ہوتا ہے؛

---

[۱] ادب المفرد، باب بیع الخادم من الاعراب ص۳۰، [۲] کتاب المنمق ص۵۰۵، [۳] وفیات الاعیان ج۲ ص۲۱،

کوفہ کے ہندی مسلمان

عراق کے دوسرے مرکزی اور اسلامی شہر کوفہ میں بھی ہندی مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد تھی اور ان میں اعیان و مشائخ پائے جاتے تھے، چنانچہ عہد فاروقی میں جب حضرت عبداللہ بن مسعود یہاں آئے تو یہاں کے جاٹ مسلمانوں کی کثرت اور ہیئت کو دیکھ کر گھبرائے اور ان کو لیلۃ الجن کا واقعہ یاد آگیا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

چالیس یا چار سو سیابجہ اور جاٹ مسلمان

حضرت علیؓ کے زمانہ میں بصرہ کے سرکاری خزانہ کی پہرہ داری کے لیے ابو سالمہ زطی کی ماتحتی میں چالیس یا چار سو جاٹ اور سیابجہ مقرر کیے گئے تھے جن کو ایک رات میں قتل کر دیا گیا۔ بلاذری نے لکھا ہے:

وکانت جماعۃ السیابجۃ موکلین ببیت مال البصرۃ، یقال انھم اربعون، ویقال اربعمائۃ[1]

بصرہ کے بیت المال پر سیابجہ کی ایک جماعت تعینات تھی جن کی تعداد چالیس یا چار سو تھی۔

ستر جاٹ مسلمان

حضرت علیؓ بصرہ کی جنگ ۳۶ھ میں کامیاب ہو کر بصرہ میں داخل ہوگئے تو ستر جاٹوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی وفاداری اور قلبی تعلق کا مظاہرہ کیا۔ مجمع البحرین میں ہے۔

اتاہ سبعون رجلاً من الزط فکلموہ بلسانھم[2]

حضرت علیؓ کے پاس ستر جاٹوں نے آکر اپنی ہندی زبان میں ان سے بات چیت کی۔

چونکہ اس سے چند دنوں پہلے بصرہ کے چالیس یا چار سو ہندوستانیوں کو حضرت علی کے مخالفین نے رات میں قتل کر دیا تھا، اس لیے ان لوگوں میں مخالفین علیؓ سے بیزاری پیدا ہوگئی تھی، اور وہ حضرت علیؓ کے پاس اظہار وفاداری کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ (تمام شد)

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۹۔ [2] مجمع البحرین ــــ مادہ زط۔